فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات

جلد دوم

اس مجموعہ میں شامل رسائل

احادیث مصطفیٰ ﷺ اور مسلک احناف

قرآن وحدیث کی روشنی میں فقہ حنفی کے بائیس مسائل کی تحقیق

ہدایہ کے ایک سو مسائل کی تحقیق

البرہان فی تائید فقہ النعمان

جمع وترتیب

پیر جی سید مشتاق علی شاہ

فقہ حنفی

پر

اعتراضات کے جوابات

﴾حصہ دوم﴿

اس مجموعہ میں شامل رسائل

احادیث مصطفی ﷺ
اور مسلک احناف

قرآن وحدیث کی روشنی میں
فقہ حنفی کے بائیس مسائل کی تحقیق

ہدایہ کے
ایک سو مسائل کی تحقیق

البرہان فی تائید
فقہ النعمان

جمع وترتیب

پیر جی سید مشتاق علی شاہ

نام کتاب	فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات (حصہ دوم)
مرتب	پیر جی سید مشتاق علی
کمپوزنگ ڈیزائننگ	ماہر گرافکس 0300-0074745
صفحات	416
تعداد	100
طباعت	مارچ 2024ء
قیمت	

ضروری اعلان:

ہم نے اس رسالہ میں اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے کہ کوئی غلطی نہ ہو۔ مگر پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ فرمائیں۔ ان شاء اللہ ضرور درست کر دی جائے گی۔ ہم قرآن وسنت کے خلاف کسی کی بات نہیں مانتے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت پر صحیح معنی میں عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ آمین!!

احقر

پیر جی سید مشتاق علی

01-03-2024

فہرست مضامین

نوٹ:
تفصیلی فہرست ہر ایک رسالہ کے شروع میں لگی ہوئی ہے وہاں پر دیکھ لیں۔

عرضِ مرتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہِ الکریم. اما بعد!

قارئین کرام دنیا میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام پر اعتراض کرتے ہیں، ایسے بھی ہیں جو ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن پر اعتراض کرتے ہیں، ایسے بھی ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتراض کرتے ہیں، ایسے بھی ہیں جو اہل بیت رضی اللہ عنہم پر اعتراض کرتے ہیں۔ اس طبقہ کے بعد تابعین کا دور آتا ہے۔ تابعین پر اعتراض کرنے والے بھی موجود ہیں۔ تابعین میں ہمارے علم کے مطابق خاص کر امام ابوحنیفہؒ المتوفی ۱۵۰ھ ایسی شخصیت ہیں جن پر سب سے زیادہ اعتراض ہوئے ہیں۔

اس کی وجہ یہ بنی ہے کہ آپؒ نے اپنے زمانہ کے ہر باطل فرقے سے ٹکر لی ہے فرقوں کے علاوہ ظالم حکمرانوں کی اصلاح کی بھی آپ نے کوشش کی ہے اس لیے حکمرانوں کی طرف سے بھی آپ کو بہت تکلیفیں دی گئیں۔ باطل فرقوں کے علاوہ آپ کے حاسدین کی بھی کوئی کمی نہ تھی اور اعتراض کرنے والے بہت سے انصاف پسند ایسے بھی تھے جنہوں نے لاعلمی کی وجہ سے پہلے آپ پر اعتراض کر دیا پھر جب صحیح معلومات آپ کے متعلق ان کو ملی یا آپ سے ملاقات ہوئی تو ان کی غلط فہمی دور ہوئی اور انہوں نے اپنے اعتراض سے رجوع کر لیا۔ آپ کے دور سے لے کر آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ جب آپ کے مخالفین آپ پر کوئی اعتراض کرتے ہیں تو آپ کے پیروکار فوراً اس کا جواب دے کر صحیح صورتِ حال سے لوگوں کو آگاہ کر دیتے ہیں۔ کوئی مانے یا نہ مانے برصغیر پاک و ہند میں بھی آپ کے مخالفین کی کوئی کمی نہیں ان کی طرف سے آپ پر طرح طرح کے اعتراض کیے گئے مثلاً الجرح علی ابی حنیفہ ہی کو دیکھ

لیں۔ یہ ایک ہی کتاب ہماری بات کی تصدیق کردے گی۔ آپ کے ماننے والوں نے بھی آپ کے دفاع میں کوئی کمی نہیں کی۔ الحمدللہ آپ کی شان میں ایسی ایسی عمدہ کتابیں تصنیف کیں جن کے مطالعہ کرنے کے بعد کوئی انصاف پسند آدمی آپ کے بارے میں غلط نظریہ نہیں رکھ سکتا۔ الجرح کے جواب میں "**الاقوال الصحیحہ فی جواب الجرح علی ابی حنیفہ**" لکھی گئی اس کے علاوہ بھی بے شمار کتابیں آپ کی شان میں موجود ہیں۔ احقر نے امام ابوحنیفہؒ کے متعلق لکھی جانے والی کچھ کتابوں کے نام جمع کیے تھے۔ اوران کو اپنی کتاب حقائق الفقہ بجواب حقیقت الفقہ کے آخر میں شائع بھی کردیا تھا۔ تفصیل وہاں پر دیکھ لی جائے یہاں پر بھی ہم بعض کتابوں کے نام تحریر کرتے ہیں۔

(۱) مقامِ ابی حنیفہؒ، تالیف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ
(۲) امام اعظم اور علم حدیث، تالیف حضرت مولانا محمد علی صدیقی کاندھلویؒ
(۳) مکانۃ ابی حنیفہ فی الحدیث (عربی)، محدث کبیر حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی
(۴) امام ابوحنیفہ اوران کے ناقدین، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی صدر یار جنگ
(۵) تانیب الخطیب (عربی)، علامہ زاہد الکوثریؒ مصری
(۶) النکت الطریفہ (عربی)، علامہ زاہد الکوثریؒ مصری
(۷) الموسوعۃ الحدیثیہ لمرویات امام ابی حنیفہ (۲۰ جلدیں)، حضرت مولانا لطیف الرحمٰن بہڑائچی
(۸) فضائل ابی حنیفہ، ابن ابی العوام
(۹) امام ابوحنیفہ کا مقام محدثین کی نظر میں، پیر جی سید مشتاق علی شاہ
(۱۰) امام ابوحنیفہ سے مروی بعض احادیث کی تحقیق، پیر جی سید مشتاق علی شاہ
(۱۱) امام ابوحنیفہ پر اعتراضات کے جوابات، پیر جی سید مشتاق علی شاہ
(۱۲) امام ابوحنیفہ پر اعتراضات کا علمی جائزہ، پیر جی سید مشتاق علی شاہ
(۱۳) ثنایاتِ ابی حنیفہ، مفتی علی معاویہ بہاری
(۱۴) روایاتِ ابی حنیفہ، ۵ حصے، مفتی علی معاویہ بہاری

(۱۵) دفاع ابی حنیفہ، مفتی علی معاویہ بہاری

(۱۶) براۃ ابی حنیفہ، مفتی علی معاویہ بہاری

(۱۷) ثقاہت ابی حنیفہ، مفتی علی معاویہ بہاری

(۱۸) عقائد ابی حنیفہ، مفتی علی معاویہ بہاری

(۱۹) امام اعظم ابوحنیفہ اور حافظ ابوبکر ابن ابی شیبہ، مفتی علی معاویہ بہاری

(۲۰) کتاب السنہ پر ایک نظر، مفتی عبدالعلیم چترالی

ہم نے بیس کتابوں کے نام تحریر کر دیے ہیں۔

جس طرح آپ کی ذات پر اعتراض کیے گئے اسی طرح آپ کی فقہ پر بھی اعتراض کیے گئے، فقہ حنفی کے دفاع میں بھی بہترین کتابیں منظرِ عام پر آئیں جن میں سے بعض کتابوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) تنویر الحق، نواب قطب الدینؒ محدث دہلوی

(۲) ادلہ کاملہ، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ

(۳) ایضاح الادلہ، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ

(۴) اعلاء السنن ۲۲ جلدیں، مولانا ظفر احمد عثمانی (فقہ حنفی کے مطابق چار ہزار سے زیادہ احادیث و آثار کا مجموعہ)

(۵) دلائل القرآن فی المذہب النعمان ۱۵ جلدیں، مرتبین مولانا ظفر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع عثمانی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مفتی جمیل احمد تھانوی، تعلیق و نظر ثانی وغیرہ مفتی عبد الشکور ترمذی

(۶) آثار السنن، مولانا محمد ظہیر احسن شوق نیموی

(۷) القول الحسن بجواب ابکار المنن، ابن شوق نیموی

(۸) فقہ السنن والآثار، مفتی عمیم الاحسان مجددی

(۹) زجاجۃ المصابیح ۵ جلدیں، مولانا عبداللہ حیدر آبادی (اس میں بھی چار ہزار سے

زیادہ روایات موجود ہیں)

(۱۰) ہادی الانام فی احادیث خیر الانام

(۱۱) فتح المبین بر کشف مکائد غیر المقلدین، مولانا منصور علی خان مرادآبادی

(۱۲) نصرۃ الفقہ بجواب حقیقۃ الفقہ، مولانا محمود حسن چاٹگامی

(۱۳) حقائق الفقہ بجواب حقیقۃ الفقہ، پیر جی سید مشتاق علی شاہ

(۱۴) فتاویٰ عالمگیری پر اعتراضات کے جوابات، پیر جی سید مشتاق علی شاہ

(۱۵) بہشتی زیور پر اعتراضات کے جوابات، پیر جی سید مشتاق علی شاہ

(۱۶) آفتاب محمدی بجواب شمع محمدی (فقہ حنفی کے ۱۵۶ مسائل)، پیر جی سید مشتاق علی شاہ

(۱۷) ہدایہ پر اعتراضات کا علمی جائزہ، پیر جی سید مشتاق علی شاہ

(۱۸) نصرۃ المجتہدین، وکیل احمد سکندر پوری

(۱۹) فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات حصہ اول، پیر جی سید مشتاق علی شاہ

(۲۰) فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات حصہ دوم، پیر جی سید مشتاق علی شاہ

احقر نے کافی عرصہ پہلے ایک مجموعہ مختلف رسائل کو جمع کر کے بنام ''فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات'' کے نام سے شائع کیا تھا جس کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی اور بے شمار لوگوں لوگوں کو اس سے فائدہ ہوا، کئی اشخاص کے شکوک وشبہات دور ہوئے اور دوسری زبانوں میں اس کے تراجم کیے گئے۔ انگریزی اور پشتو زبان والے تراجم ہم نے دیکھے ہیں اور بہت سے اداروں نے اس کو شائع بھی کیا ہے۔ اور کئی ایڈیشن اس کے شائع ہو چکے ہیں۔

یہ مجموعہ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے اس میں بھی مختلف ادوار میں لکھے گئے چار رسالوں کو جمع کیا گیا ہے۔ چونکہ ان کا موضوع فقہ حنفی کے مسائل کی وضاحت سے تعلق رکھتا تھا اس لیے ہم نے مناسب خیال کیا کہ اس کو فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات حصہ دوم بنا دیا جائے۔ اس جلد دوم میں جو چار رسالے جمع کئے گئے ہیں ان کا مختصر مختصر تعارف ذیل میں لکھا جاتا ہے۔

پہلا رسالہ (احادیثِ مصطفیٰ ﷺ اور مسلک احناف):

یہ رسالہ 23X36/16 سائز کے 112 صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلی بار سن 2017ء میں صرف ایک سو کی تعداد میں شائع ہوا تھا۔ اب اس جلد میں دوبارہ شائع ہو رہا ہے۔

اس کے لکھنے کی وجہ یہ بنی کہ غیر مقلدین کی طرف سے کافی عرصہ پہلے ایک کتاب امام ابوحنیفہ اور فقہ حنفی کے خلاف شائع ہوئی تھی، اس کا نام ''الظفر المبین جدید حصہ دوم'' ہے اور مصنف اس کے حضرت مولانا محمد ابوالحسن سیالکوٹی شاگرد حضرت مولانا سید نذیر حسین دہلوی ہیں۔ اس کے مصنف اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں۔

علماء مقلدین اکثر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ امام اعظمؒ کا کوئی مسئلہ مخالف قرآن و حدیث نہیں ہے۔ لہٰذا احباب کی فرمائش پر ''الظفر المبین جدید'' لکھی گئی اور اس کو پانچ حصوں پر تقسیم کیا گیا لیکن اشد ضرورت کے تحت پہلے اس کا حصہ دوم لکھا گیا اور بطور نمونہ امام اعظم صاحب کے ایک سو مسائل جو جمہور علمائے سلف اور خلف کے خلاف ہیں اور ایک سو دیگر مسائل جو صحیح احادیث کے خلاف ہیں اس میں بیان کیے گئے ہیں اس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ حصہ اول لکھا جائے گا اور بعد ازاں دوسرے حصص تا کہ اہل اسلام کو فقہ حنفی کی حقیقت معلوم ہو جائے۔

(دیباچہ الظفر المبین جدید حصہ دوم، ص ۳، ۴، مطبوعہ اہل حدیث اکادمی، کشمیری بازار لاہور تاریخ طباعت جون ۱۹۷۶ء)

احقر نے جب اس کتاب کا مطالعہ کیا اور خاص کر مغالطہ دوم کا جس میں مصنف نے اپنے خیال کے مطابق امام ابوحنیفہ کے ایک سو مسائل قرآن و حدیث کے خلاف درج کیے ہیں تو احقر ان مسائل کو ایک ایک کر کے تحقیق کرتا رہا اور تحقیق کے دوران فقہ حنفی کے دلائل بھی کچھ جمع کرتا رہا، میں انصاف کے ساتھ چیک کرتا تھا کہ اگر واقعی ہمارے یہ مسائل قرآن و حدیث کے خلاف ہوں گے تو میں چھوڑ دوں گا مگر ان مسائل میں سے ایک بھی ایسا مسئلہ سامنے نہیں آیا جو قرآن و حدیث کے خلاف ہو یا احناف کے پاس ادلہ اربعہ میں سے کوئی دلیل اس مسئلہ کی موجود نہ ہو اس طرح یہ رسالہ اس تحقیق کے دوران جمع کیا گیا تھا مگر اس پر کافی کام ہونے والا تھا جو نہ ہو سکا۔ احقر نے عوام کے فائدہ کے لیے مسودہ کو اسی طرح شائع

کر دیا تھا۔اس دفعہ بھی اسی طرح شائع ہو رہا ہے۔جس کی وجہ صحت کی خرابی ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ احقر کو صحتِ کاملہ عطا فرمائے۔آمین

ایک شبہ کا ازالہ:

مولانا ابوالحسن سیالکوٹی نے اپنی کتاب کا نام جو ''الظفر المبین جدید'' رکھا ہے اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس نام کی پہلے بھی کوئی کتاب ہے جو اس سے پہلے شائع ہوئی ہے اس لیے اس کے ساتھ لفظ جدید لگایا گیا ہے۔تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں ایسا ہی ہے۔

اس نام کی ایک کتاب سن ۱۲۹۷ھ میں شائع ہوئی تھی۔اس کا نام ''الظفر المبین فی رد مغالطات المقلدین'' ہے۔اس کے مصنف شیخ محی الدین نومسلم تھے اس کتاب کا صرف حصہ اول ہی شائع ہوا تھا۔اور آج تک اس کا حصہ دوم شائع نہیں ہوا۔شیخ محی الدین نومسلم کی کتاب کے کئی جواب شائع ہوئے تھے مگر ان میں سے تین زیادہ مشہور ہوئے۔

(۱) نصرۃ المجتہدین برد ہفوات غیر المقلدین مصنف مولانا وکیل احمد سکندر پوری

(۲) فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین، مصنف مولانا محمد منصور علی خاں مراد آبادی

(۳) نصر المقلدین مصنف حافظ احمد علی بٹالوی

شیخ محی الدین نومسلم ظفر المبین حصہ اول کے علاوہ کئی کتابوں کے مصنف تھے اور ساتھ ساتھ کتابوں کے ناشر بھی تھے اور ان کے بیٹے بھی کتابوں کی اشاعت کا کام کرتے تھے۔مگر ان کے حالات بہت کم ملتے ہیں علماء اہل حدیث کے حالات میں بہت سی کتابیں شائع ہوگئی ہیں مگر ان کے حالات نہیں ملتے بہت کوشش سے احقر نے کچھ حالات جمع کیے ہیں وہ ہم یہاں پر نقل کرتے ہیں تا کہ اصل ظفر المبین کے جو مصنف ہیں ان کے حالات معلوم ہوسکیں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) تحفۃ الہند کے مصنف حضرت مولانا عبید اللہ نومسلم مالیر کوٹلوی المتوفی ۱۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

شیخ محی الدین۔نوجوان مرد صالح آگے ان کا نام ہری چند قوم کھتری ککڑ بڑے امیر کے

بیٹے ہیں متوطن علی گڑھ (جسے اکال گڑھ بھی کہتے تھے اوراب اس کا نام علی پور چٹھہ ہے) ضلع پنجاب ان کا باپ پنشن داراور بھائی سر رشتہ داراور یہ محرر تھے اول مدت تلک پردے میں مسلمان رہے آخر خورشید عشق محمدی چھپ نہ سکا بے اختیار اظہار اسلام کر دیا ان کے بھائی کو خبر ہوئی آیا اوران کو پکڑ کر اپنے مقام پر لے گیا اور ساری رات ان کو سمجھاتا اور دین اسلام سے پھرنے کی ترغیب دیتا رہا اوراس رات اس کے گھر میں کھانا بھی نہ پکا اور یہ صاحب یعنی میاں محی الدین صاحب ساری رات بھائی کے سامنے خاموش بیٹھے رہے اور بزبان حال یہ مضامین درد آمیز ادا کرتے رہے۔

ترا بر در و من رحمت نیاید — رفیقے من یکے پر درد باید

کہ با او قصہ گویم تا شب و روز — دو ہیزم را بہم خوشتر بود سوز

تندرستان را نبا شد در درویش — جز بہمدردے نگویم در وخویش

ناصح از حال ولم ہیچ خبردار نبود — کہ بجائے چومن خستہ ناصح گرفتار نبود

اٹھ جا طبیب یاں سے مرا کام ہو چکا — مت کر میری دوا مجھے آرام ہو چکا

روبکارِ خودا ے واعظ ایں چہ فریاداست — مرا افتادہ دل از کف ترا چہ افتاد است

اسی حال میں جب رات گزری صبح ہوئی بمضمون اس بیت کے

رخصت اے زندان جنوں زنجیر در کھڑکاے ہے

ثعردہ خار دشت پھر تلوا مرا کھجلائے ہے

ناصح مشفق نصیحت اپنی بس تہ کر رکھو

میں اسے سمجھوں ہوں دشمن جو مجھے سمجھائے ہے

بے اختیار وہاں سے اٹھے اور کہا کہ قضائے حاجت کو جاؤں گا ان کے برادر نامہربان نے ایک محافظ ان کے ساتھ کر دیا۔ یہ شہر سے دور آئے اوراس محافظ کی طرف دیکھا اور جانا کہ زور میں مجھ سے کمتر ہے تو کئی پتھر زمین سے اٹھا کر اس شیطان کو سنگسار کرنا شروع کیا جب وہ پیچھے کو بھاگا۔انہوں نے اس کا پیچھا چھوڑا اوراپنا پیچھا چھوڑا کر ایک طرف منہ کر کے

چلنا شروع کیا۔

یہ دل جو ہاتھ سے چھوٹے بمثل تیر جاتا ہے

اسے میں قید کر دیکھا مع زنجیر جاتا ہے

تمام دن اور ساری رات چلے صبح کو ایک مسجد میں قریب کنارہ دریائے سندھ ہے پہونچکر بسبب غلبہ نیند اور درماندگی راہ کے بیتاب ہو کر تھوڑی دیر آرام کیا وہاں سے اٹھ کر دریائے ابانسدہ سے پار ہو کر ایک درویش بزرگ کی خدمت میں چند مدت ٹھہرے پھر پشاور وغیرہ اضلاع کی سیر کری شاہجہاں آباد میں تشریف لائے اور قرآن شریف حفظ کرنا شروع کیا۔ اب چندروز سے پھر وطن کو تشریف لے گئے ہیں۔

مصرع ہر کجا ہست خدا لیش بسلامت دارد

(تحفۃ الہند باب چوتھا ص ۱۲۳، ۱۲۴، مطبوعہ مکتبہ مدنیہ باغبانپورہ جدید گوجرانوالہ)

مصنف نے چوتھے باب کے آخر میں لکھا ہے خاتمہ بیچ بیان خوبیوں دین اسلام کے (دیکھئے ص ۱۱۳) پھر ص ۱۱۹ پر پندرھویں خوبی کے تحت لکھتے ہیں چنانچہ اس زمانہ میں چند شہروں میں بہت سے لوگ ایمان لائے ہیں از انجملہ جو کہ میرے دوست اور آشنا ہیں ان کا ذکر خیر ہوتا ہے جن کے نام یہاں لکھے جاتے ہیں۔ پھر ص ۱۲۳ پر شیخ محی الدین کا ذکر کیا ہے۔

ہم نے تحفۃ الہند کی مکمل عبارت نقل کر دی ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ شیخ محی الدین نو مسلم تھے اور ان کا پہلا نام ہری چند تھا اور قوم کھتری ککڑ تھی نو مسلم ہونا کوئی عیب نہیں ہم نے صرف یہاں پر یہ بتانا ہے کہ ظفر المبین کے اصل مصنف شیخ محی الدین نو مسلم ہیں اب جو ظفر المبین شائع ہو رہی ہے۔ اس پر مصنف کا نام ابوالحسن لکھ دیا ہے اور ان کا نام بالکل ختم کر دیا ہے جو کہ درست نہیں۔

۲......شیخ محی الدین نو مسلم حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی غیر مقلد کی نظر میں:

(موصوف محمد احسن امروہی مرزائی کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں)

اس کی تمثیل میں ایسے بہت اشخاص کو پیش کر سکتے ہیں جن کو ہمارے مہربان منشی صاحب

بھی مولوی نہ کہیں گے اور معہذا وہ صاحب تصانیف ہیں۔ ازاں جملہ ایک شخص محی الدین مرحوم تاجر کتب لاہور ہیں جو بڑی بڑی ضخیم کتب ظفر المبین اور بلاغ المبین وغیرہ ہمارے شاگردوں غلام حسین لاہوری اور اردو تراجم کی مدد سے تصنیف کر کے تمام ملکوں میں شائع کر گئے ہیں اور ان تصانیف کو دیکھ کر پنجاب سے باہر اور بلاد ہندوستان، بنگال، مدراس، بمبئی، برہما، آسام رنگون وغیرہ کے لوگ ان کو مولوی و عالم سمجھتے ہیں، اور درحقیقت وہ بیچارے میزان، منشعب بھی پڑھے نہ تھے، اور ماضی مضارع کے معنی نہ جانتے تھے اور اس امر کو آپ بھی جانتے اور مانتے ہوں گے نہیں جانتے تو لاہور اور امرتسر کے لوگوں سے معلوم کر سکتے ہیں، اور خود بلاغ المبین کی مشمولہ اور ملحقہ تقریظ مولوی ابوعبداللہ غلام علی قصوری مرحوم کو دیکھ سکتے ہیں، اس میں مولوی صاحب مرحوم مقام تعریف کتاب میں اس امر کو جتا چکے ہیں۔

(اشاعت السنۃ، ج ۴، شمارہ نمبر ۱۲، ص ۳۵۴، بحوالہ حدیث اور اہل حدیث ص ۴۰، ۴۱)

مولانا بٹالوی کی اس تحریر سے ثابت ہوا کہ ظفر الدین کے مصنف شیخ محی الدین تھے۔

(۳) ظفر المبین کے جواب میں (سن ۱۳۰۱ھ میں) لکھی جانے والی کتاب ''فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین'' مصنف مولانا محمد منصور علی خان مراد آبادی میں بھی ظفر المبین کے مصنف کا نام شیخ غلام محی الدین لکھا ہوا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا منصور علی صاحب لکھتے ہیں:

امابعد خاکسار از لی محمد منصور علی بن مولانا حسن علی مراد آبادی غفر لہما اللہ ذوالایادی عرض کرتا ہے کہ ان دنوں ایک کتاب الظفر المبین فی رد مغالطات المقلدین مطبوع لاہور تصنیف ہری چند بن دیوان چند کھتری ساکن علی پور ضلع گوجرانوالہ ملک پنجاب کہ فی الحال برائے نام مسلمان ہو کر نام اپنا غلام محی الدین رکھا نظر سے گزری۔

(دیباچہ فتح المبین ص ۱۷، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی)

(۴) الظفر المبین حصہ اول کے دیباچہ میں خود مصنف شیخ محی الدین تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل سے ہمیں خالص اپنی توحید کی راہ دکھائی اور

اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدھی راہ پر چلایا اور تقلید شخصی کے مرض سے کہ جس میں ایک جہان مبتلا ہے اپنی مہربانی اور کرم سے بچایا اور آیت قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ کا مفہوم ہمارے دلوں میں جاگزین کیا اور اس پر چلنے کا شوق دیا۔

ازاں بعد محی الدین تاجر کتب لاہور کہتا ہے کہ فقہ کی کتابوں کی بہت سے مسائل کی طرف جب غور سے دیکھا جاتا ہے تو قرآن اور حدیث کے ساتھ ذرا بھی مطابقت رکھتے معلوم نہیں ہوتے ان کے بالکل برعکس نظر آتے ہیں۔ یعنی ائمہ اربعہ خصوصاً امام اعظمؒ تو کچھ کہتے ہیں اور قرآن اور حدیث میں کچھ ہے اور اکثر لوگ اپنے امام کے قول کے مقابلے میں قرآن کی صریح آیات اور صحیح احادیث کا صاف انکار کر دیتے ہیں اور طرح طرح کے شبہات اور مغالطّوں سے عوام کو کلام اللہ اور حدیث پر چلنے سے ہٹاتے ہیں اسی لئے نہایت کوشش اور سعی سے اُن کے بعض مغالطّوں کے جواب کتب معتبرہ سے نکال کر اس رسالہ میں نقل کر دیئے گئے ہیں اور نام اس کا الظفر المبین فی ردمغالطات المقلدین رکھا گیا تاکہ بے چارے بے علم لوگ مقلدین کی مغالطہ آمیزی سے بہک نہ جاویں اور ان کے دھوکے میں نہ آجاویں اور کلام اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے سے نہ ہٹ جائیں اور اپنے ایمان کو نہ کھو بیٹھیں۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

(الظفر المبین حصہ اول ص ۳ مطبوعہ اہل حدیث، اکادمی کشمیری بازار لاہور، طابع شیخ محمد اشرف، تاریخ طباعت جون ۱۹۷۶ء)

ان حوالہ جات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ظفر المبین حصہ اول کے مصنف شیخ محی الدین تھے جن کا نام مسلمان ہونے سے پہلے ہرچند بن دیوان چند کھتری تھا۔

ایک غلطی کا ازالہ:

ہم نے یہ بات اس لئے کی ہے کہ الظفر المبین (حصہ اول دوم یکجا) کا ایک نسخہ مکتبہ

محمد یہ قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور سے شائع ہوا ہے یہ 30X20 سائز کے 521 صفحات پر مشتمل ہے حصہ اول 279 صفحات پر ختم ہو جاتا ہے اور حصہ دوم ص 281 سے شروع ہو کر آخر تک ہے۔ حصہ اول کے ٹائٹل پر لکھا ہوا ہے۔ تالیف مولانا محمد ابوالحسن سیالکوٹی، تحقیق و نظر ثانی مولانا محمد زبیر عقیل فاضل مدینہ یونیورسٹی، تسہیل و تزئین عبدالرحمان عابد۔

اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ حصہ اول اور حصہ دوم دونوں کے مصنف مولانا ابوالحسن سیالکوٹی ہیں جبکہ یہ بات سو فی صد غلط ہے مولانا ابوالحسن سیالکوٹی صرف ظفر المبین جدید حصہ دوم کے مصنف ہیں جو ایک الگ کتاب ہے مگر انہوں نے بھی اپنی کتاب کا نام ظفر المبین تجویز کیا ہے اس لئے فرق کرنے کے لیے ظفر المبین جدید کے نام سے اس کا حصہ دوم سب سے پہلے شائع کیا۔ ہماری اس بات کی تصدیق خود ظفر المبین جدید حصہ دوم کے دیباچہ سے ہوتی ہے جو خود مولانا ابوالحسن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

مولانا ابوالحسن سیالکوٹی لکھتے ہیں:

ادھر علمائے مقلدین اکثر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ امام اعظمؒ کا کوئی مسئلہ مخالفِ قرآن و حدیث نہیں لہٰذا احباب کی فرمائش پر الظفر المبین جدید لکھی گئی اور اس کو پانچ حصوں پر تقسیم کیا گیا لیکن اشد ضرورت کے تحت پہلے اس کا حصہ دوم لکھا گیا اور بطورِ نمونہ امام امام اعظم صاحب کے ایک سو (۱۰۰) مسائل جو جمہور علمائے سلف اور خلف کے خلاف ہیں اور ایک سو (۱۰۰) دیگر مسائل جو صحیح احادیث کے خلاف ہیں اس میں بیان کیے گئے ہیں اس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ حصہ اول لکھا جائے گا اور بعد ازاں دوسرے حصص تا کہ اہل اسلام کو فقہ حنفی کی حقیقت معلوم ہو جائے۔

(دیباچہ ظفر المبین جدید حصہ دوم، ص ۳، مصنف ابوالحسن سیالکوٹی، مطبوعہ اہل حدیث اکادمی، کشمیری بازار لاہور)

اس عبارت سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ مولانا ابوالحسنؒ سیالکوٹی نے جوظفر المبین جدید لکھنا شروع کی تھی اس کے وہ پانچ حصے لکھنا چاہتے تھے اور حصہ دوم پہلے شائع کیا تھا حصہ اول تو انہوں نے شائع ہی نہیں کیا اور پھر ساری زندگی بقایا حصے شائع نہیں فرمائے۔ ظفر المبین کے ناشرین کو چاہیے تھا کہ حصہ اول پر شیخ محی الدینؒ صاحب کا نام لکھتے اور حصہ دوم پر جدید کا اضافہ کر کے مولانا ابوالحسن کا نام لکھتے انہوں نے دونوں حصوں پر نہ تو یہ فرق کیا کہ یہ ظفر المبین جدید کا حصہ دوم ہے اور نہ پہلے پر شیخ محی الدینؒ صاحب کا نام لکھا۔ دوسرے ایڈیشن میں اس کو درست کرنا چاہیے۔ اس طرح تو یہ دونوں حصے مولانا ابوالحسن کے شمار ہو رہے ہیں۔ جو کہ حقیقت کے خلاف ہے۔

ایک بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ یہ ہے کہ اس فرق کو واضح کرنے کے لیے کتاب میں شامل دونوں ظفر المبین (قدیم وجدید) میں دیباچہ یا آپ کہہ لیں وجہ تالیف موجود تھیں جو نسخہ اہل حدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور کا مطبوعہ ہے اس کے ص ۳ پر خود شیخ محی الدین کی تحریر موجود ہے۔ اور حصہ دوم ظفر المبین جدید ص ۳ پر مولانا ابوالحسن کی تحریر موجود ہے۔ ہر آدمی دیکھ سکتا ہے جس سے فرق آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے مگر مکتبہ محمدیہ والے نسخہ سے یہ دونوں تحریریں غائب ہیں۔ ہم کسی کی نیت پر حملہ نہیں کرتے معلوم نہیں کہ ایسے کیوں کیا گیا یہ کاروائی جان بوجھ کر کی گئی یا غلطی سے ہوئی اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

دوسرا رسالہ (قرآن وحدیث کی روشنی میں فقہ حنفی کے بائیس مسائل کی تحقیق):

اس مجموعہ میں دوسرا رسالہ جو شامل کیا گیا ہے اس کا نام قرآن وحدیث کی روشنی میں فقہ حنفی کے بائیس مسائل کی تحقیق ہے یہ 23X36/16 سائز کے 144 صفحات پر مشتمل ہے اور پہلی بار شائع ہو رہا ہے۔ اس رسالہ میں مولانا محمد صادقؒ سیالکوٹی غیر مقلد کے فقہ حنفی کے ایسے 22 مسائل کا جواب دیا گیا ہے جن کو انہوں نے قرآن وحدیث کے خلاف ثابت کرنے کی اپنی کتاب سبیل الرسول میں کوشش کی تھی۔

تیسرا رسالہ: (ہدایہ کے ایک سو مسائل کی تحقیق حصہ اول):

اس مجموعہ میں تیسرا رسالہ جو شامل کیا گیا ہے اس کا نام ''ہدایہ کے ایک سو مسائل کی تحقیق حصہ اول'' ہے اس پہلے حصہ میں 46 اعتراضوں کا جواب دیا گیا ہے بقایا کا ان شاء اللہ حصہ دوم میں دیا جائے گا۔ یہ اعتراض مولانا محمد جونا گڑھی غیر مقلد نے اپنی کتاب درایت محمدی میں کیے ہیں۔ شروع میں ہدایہ اور صاحب ہدایہ کا تعارف بھی تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ یہ بھی پہلی بار شائع ہو رہا ہے۔

چوتھا رسالہ (البرہان فی تائید فقہ النعمان):

اس مجموعہ میں چوتھا رسالہ جو شامل کیا گیا ہے اس کا نام ''البرہان فی تائید فقہ النعمان'' ہے یہ 23X36/16 سائز کے 32 صفحات پر مشتمل ہے اس رسالہ میں فقہ حنفی کے پانچ مسائل پر جو غیر مقلدین نے اعتراضات کیے تھے ان کے جوابات دیے گئے ہیں۔ یہ رسالہ بھی پہلی بار شائع ہو رہا ہے۔

فہرست مضامین ہر ایک رسالہ کے شروع میں لکھی ہوئی ہے تفصیل وہاں پر دیکھ لیں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

احقر سید مشتاق علی

بروز اتوار

مورخہ 25-02-2024

بمطابق 14 شعبان المعظم 1445ھ

احادیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اور

مسلک احناف

مولانا ابوالحسن سیالکوٹی غیر مقلد نے ظفر المبین جدید حصہ دوم میں فقہ حنفی کے 105 مسائل کے متعلق کہا ہے کہ یہ حدیث کے خلاف ہیں۔ ہم نے اس رسالہ میں ثابت کیا ہے کہ ایک مسئلہ بھی حدیث کے خلاف نہیں ہے

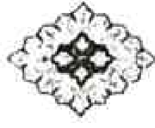
مرتب

پیر جی سید مشتاق علی شاہ

ناشر

پیر جی سید عبدالمبین

محلّہ گوبند گڑھ گلی نمبر ۸ مکان نمبر C/36 گوجرانوالہ



نام کتاب	..........:	احادیث مصطفیٰ ﷺ اور مسلک احناف
مرتب	..........:	پیر جی سید مشتاق علی شاہ
صفحات	..........:	112
قیمت	..........:	
تعداد	..........:	ایک سو100
تاریخ طبع اول	..........:	دسمبر ۲۰۱۷ء

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)...... بلی کا جوٹھا مکروہ ہے

حدیث نمبر۱:

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یُغْسَلُ الإِنَاءُ إِذَا وَلَغَ فِیهِ الْکَلْبُ سَبْعَ مَرَّاتٍ أُولَاهُنَّ أَوْ أُخْرَاهُنَّ بِالتُّرَابِ، وَإِذَا وَلَغَتْ فِیهِ الْهِرَّةُ غُسِلَ مَرَّةً.

روایت ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا نبی ﷺ نے دھویا جاوے برتن جب منہ ڈال دے اس میں کتا سات مرتبہ اول مرتبہ یا آخر مرتبہ مٹی سے مل کر اور جب بلی منہ ڈال دے تو ایک بار۔

(ترمذی مترجم جلد اول ص ۸۰ مطبوعہ محمد علی کارخانہ اسلامی کتب خان محل دستگیر کالونی کراچی نمبر ۳۸ مترجم علامہ بدیع الزمان غیر مقلد)

تشریح:

اس حدیث میں کتے کے جوٹھے اور بلی کے جوٹھے کا حکم بیان ہوا ہے۔ ہمارا استدلال بلی کے جوٹھے سے ہے کتے کے جوٹھے کا حکم اپنی جگہ پر بیان ہوگا وہاں پر ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر۲:

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ إِذَا وَلَغَ الْهِرُّ فِی الْإِنَاءِ فَاهْرِقْهُ وَاغْسِلْهُ مَرَّةً

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ جب بلی برتن میں منہ ڈال کر پی لے تو اس کے پانی کو گرا دے اور برتن کو ایک دفعہ دھو لے۔ (سنن دار قطنی ج ۱ ص ۶۷)

تشریح:

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بلی کے جوٹھے پانی کو گرا دینے کا حکم دیا اور جس برتن میں وہ پانی ہو اس برتن کو ایک بار دھونے کا حکم دیا بعض روایات میں دو بار دھونے کا حکم بھی آیا ہے اگر پانی بالکل پاک ہوتا تو پھر آپ دھونے کا حکم نہ فرماتے۔

(۲)......درندے چوپایوں کا جوٹھا نجس اور ناپاک ہے

حدیث نمبر ا:

ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ذی ناب درندہ کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔(بخاری، باب اکل کل ذی ناب من السباع)

حدیث نمبر ۲:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ دونوں حضرات ایک حوض کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے مالک حوض کیا تیرے اس پانی پر درندے آتے ہیں؟ (اس کے جواب دینے سے پہلے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے حوض کے مالک ہم کو خبر نہ دینا کیوں کہ اگر درندوں کی آمد کی خبر دی گئی تو ہم دونوں پر اس (پانی) کا استعمال متعذر ہو جائے گا کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے۔

(بحوالہ اشرف الہدایہ ج ا ص ۱۹۴)

حدیث نمبر ۳:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر کچلی دار درندے کا کھانا حرام ہے۔(ابن ماجة، باب اکل کل ذی ناب من السباع)

حدیث نمبر ۴:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہر کیلے والے درندہ سے۔(مسند امام اعظم مترجم ص ۳۳۸)

حدیث نمبر ۵:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہر دانت والے درندے کے کھانے سے اور ہر پنجے والے پرندے کے کھانے سے۔

(ابوداؤ، مترجم ج ۳ ص ۱۶۸ ترجمہ وحید الزماں غیر مقلد)

حدیث نمبر ۶:

مقدام بن معدیکرب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ ہو جاؤ نہیں حلال ہے دانت والا درندہ الخ۔ (ابوداؤ، مترجم ج ۳ ص ۱۶۸ ترجمہ وحید الزماں)

حدیث نمبر ۷:

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا خیبر میں سو یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور شکایت کرنے لگے کہ لوگوں نے جلدی کر کے ان کے بندھے جانور لوٹ لیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو خبردار ہو جو کافر تم سے عہد کر لیں ان کے مال لوٹنا درست نہیں مگر حق سے اور حرام ہیں تم پر بستی کے گدھے اور گھوڑے اور خچر اور ہر دانت والا درندہ اور ہر پنجے والا پرندہ۔

(ابوداؤ، مترجم ج۳ص ۱۶۸ ترجمہ وحید الزماں، باب ما جاء فی اکل السباع)

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ درندوں کا گوشت ناپاک ہے اور لعاب گوشت ہی سے پیدا ہوتا ہے اس لیے پاکی ناپاکی میں گوشت کا ہی اعتبار کیا جائے گا۔ ہم نے یہاں صرف سات روایات نقل کر دی ہیں ان کے علاوہ بھی احادیث موجود ہیں۔

(۳)...... گدھے کا جھوٹا مشکوک ہے

اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں جس کی وجہ سے گدھے کے جھوٹے کا مشکوک ہونے کا حکم نکلتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۱:

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ أَبَا إِدْرِيسَ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا ثَعْلَبَةَ قَالَ حَرَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لُحُومَ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ

ابن شہاب زہری سے روایت ہے ان کو خبر دی ابوادریس خولانی نے ان سے ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بستی کے گدھوں کا گوشت حرام کیا ہے۔

(بخاری لحوم الحمر الانسیة)

حدیث نمبر ۲:

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی الله علیه وسلم نَهَى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ خَيْبَرَ وَعَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الإِنْسِيَّةِ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا عورتوں کے ساتھ متعہ

کرنے سے خیبر کے دن اور بستی کے گدھوں کے گوشت سے بھی منع کیا۔
(مسلم، باب تحریم اکل لحم الحمر الانسیة)
ان دونوں روایات سے گدھوں کا گوشت کھانا حرام ثابت ہوتا ہے جب گوشت حرام ہوا تو لعاب بھی حرام ہوا کیوں کہ گوشت سے ہی لعاب پیدا ہوتا ہے جب لعاب حرام ہے تو اس کا جوٹھا بھی ناپاک ہوا۔ مگر یہ ایسا جانور ہے کہ گھروں میں بندھا رہتا ہے اور ادھر ادھر منہ مارتا رہتا ہے۔ اس سے بچنا بہت مشکل ہے۔ اس وجہ سے اس کے جوٹھے کو مشکوک کہا جائے گا۔ دوسری وجہ پہلے اس کا گوشت حلال تھا پھر حرام ہوا اور بعض روایات میں مجبوری کا ذکر بھی آیا ہے۔

(۴)......حلال جانوروں کا پیشاب ناپاک ہے

حدیث نمبرا:

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَنْزِهُوْا مِنَ الْبَوْلِ فَإِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پیشاب سے بچا کرو، کیوں کہ اکثر عذاب قبر اسی وجہ سے ہوتا ہے۔
(سنن دارقطنی ج۱ص۷۔۱۲۷۔ مستدرک حاکم ج۱ص۱۸۳)

تشریح:

اس حدیث میں ہر قسم کے پیشاب سے مطلقاً منع کیا گیا ہے اور کسی بھی جانور کے پیشاب کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔

حدیث نمبر۲:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ رَسُولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم عَلَی قَبْرَیْنِ فَقَالَ أَمَا إِنَّهُمَا لَیُعَذَّبَانِ وَمَا یُعَذَّبَانِ فِی کَبِیرٍ أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ یَمْشِی بِالنَّمِیمَةِ وَأَمَّا الآخَرُ فَكَانَ لاَ یَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ

(مسلم، الطهارة، باب الدَّلِیلِ عَلَی نَجَاسَةِ الْبَوْلِ وَوُجُوبِ الاسْتِبْرَاءِ مِنْهُ)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا دو قبروں سے گزر ہوا۔

آپ ﷺ نے فرمایا ان قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور یہ عذاب کچھ بڑے گناہ پر نہیں ہو رہا بلکہ ان میں سے ایک شخص چغلی کھایا کرتا تھا اور دوسرا پیشاب سے بچنے سے احتیاط نہیں کرتا تھا۔

تشریح:

اگر پیشاب پاک ہوتا تو پھر عذاب نہ ہوتا۔ اس حدیث میں بھی مطلقاً پیشاب کا حکم ہے۔

حدیث نمبر۳:

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ صَحَابِیٍّ صَالِحٍ اَبْتَلِیَ بِعَذَابِ الْقَبْرِ جَآءَ اِلٰی اِمْرَأَتِہٖ فَسَأَلَھَا عَنْ اَعْمَالِہٖ فَقَالَتْ کَانَ یَرْعِی الْغَنَمَ وَلاَ یَتَنَزَّہُ مِنْ بَوْلِہٖ فَحِیْنَئِذٍ قَالَ عَلَیْہِ السَّلاَمُ اِسْتَنْزِھُوْا مِنَ الْبَوْلِ فَاِنَّ عَامَّۃَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْہُ. (مستدرک حاکم ج۱ بحوالہ زجاجۃ المصابیح مترجم ج۱ ص ۳۴۷)

جب رسول اللہ ﷺ ایک نیک صحابی کے دفن سے فارغ ہو کر جو عذاب قبر میں مبتلا ہوئے تھے ان صحابی کی بیوی کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے ان صحابی کے اعمال کے متعلق دریافت فرمایا تو ان کی بیوی نے جواب دیا کہ وہ بکریاں چرایا کرتے تھے اور ان کے پیشاب سے پرہیز نہیں کرتے تھے تو اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پیشاب سے بچا کرو کیوں کہ عموماً عذاب قبر اسی سے ہوتا ہے۔

حدیث نمبر۴:

عَنِ الْحَسَنِ اَنَّہُ کَرِہَ اَبْوَالَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ.

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اونٹ، گائے، بیل اور بکریوں کے پیشاب کو مکروہ (تحریمی) قرار دیا ہے۔ (طحاوی)

(۵)......اذان میں ترجیع

حدیث نمبر۱:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِی لَیْلَی عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ زَیْدٍ قَالَ کَانَ أَذَانُ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَفْعًا شَفْعًا فِی الْأَذَانِ وَالْإِقَامَۃِ

(الترمذی، ج۱ ص ۲۷، بابَ ما جاء ان الاقامۃ مثنیٰ مثنیٰ)

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ کی اذان واقامت دو مرتبہ تھی۔

حدیث نمبر۲:

عن عون بن أبی جحیفة عن أبیه أن بلالا کان یؤذن للنبی صلی الله علیه و سلم مثنی مثنی ویقیم مثنی مثنی (دار قطنی ج۱ص۲۴۲)

عون بن ابی جحیفہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے اذان واقامت کے کلمات دودو دفعہ کہتے تھے۔۔

حدیث نمبر۳:

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو نماز کی اطلاع نے فکرمند کر رکھا تھا یہاں تک کہ آپ نے ارادہ فرمالیا کہ لوگوں کو حکم دیں وہ ٹیلوں پر چڑھ کر ہاتھ کھڑے کر کے اشاروں سے لوگوں کو نماز کی اطلاع دیں حتی کہ میں نے خواب میں دیکھا گویا ایک آدمی ہے جس کے اوپر دو سبز کپڑے ہیں مسجد کی دیوار پر کھڑا ہو کر کہہ رہا ہے اللہ اکبر چار دفعہ اشہد ان لا الہ الا اللہ دو دفعہ اشہد ان محمدا رسول اللہ دو دفعہ حی علی الصلوٰۃ دو دفعہ حی علی الفلاح دو دفعہ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ پھر اس نے اقامت پڑھی وہ بھی اسی طرح اور اس کے آخر میں قد قامت الصلوٰۃ قد قامت الصلوٰۃ کہا یعنی تحقیق نماز کھڑی ہوگئی پس میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا جا بلال کے سامنے اسے بیان کر میں نے بیان کر دیا تو لوگ دوڑے ہوئے آئے مگر کچھ سمجھ نہ سکے اتنے میں وہ فارغ بھی ہو چکا تھا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے اگر وہ مجھ سے سبقت نہ لے گیا ہوتا تو میں آپ ﷺ کو بتلاتا کہ میرے ساتھ بھی یہی گزری ہے۔ جو اس کے ساتھ گزری۔ (نصب الرایہ ج۱ص۲۷۵)

(۲)......اکہری اقامت

حدیث نمبر۱:

حضرت ابو محذورہ فرماتے ہیں مجھے آنحضرت ﷺ نے اذان واقامت دو دو مرتبہ سکھائی۔ (مصنف عبدالرزاق ج۱ص۴۵۸)

حدیث نمبر۲:

عبدالعزیز بن رفیع فرماتے ہیں میں نے ابو محذورہ کی اذان واقامت سنی دونوں دو دو مرتبہ تھیں۔ (طحاوی ج۱ص۹۳)

حدیث نمبر۳:

حضرت ابراہیم فرماتے ہیں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی اذان واقامت دہری دہری ہوتی تھی۔(مصنف عبدالرزاق ج۲ص۴۶۲)

حدیث نمبر۴:

حضرت سوید بن غفلہ فرماتے ہیں میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان واقامت کہتے سنا ان کی اذان واقامت دو دو مرتبہ ہوتی تھی۔(طحاوی ج۱ص۹۴)

حدیث نمبر۵:

حضرت سعد بن قیس کہتے ہیں بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ اذان واقامت دو دو مرتبہ کہا کرتے تھے ایک دن ایک مؤذن کو سنا جس نے (اقامت) ایک مرتبہ کہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تونے دو دو مرتبہ کیوں نہ کہی تیری ماں مرجائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ص۱۳۸)

حدیث نمبر۶:

ابواسحاق کہتے ہیں اصحاب علی اور اصحاب عبداللہ بن مسعود سب کے سب اذان اور اقامت دو دو مرتبہ کہا کرتے تھے۔(مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ص۱۳۸)

حدیث نمبر۷:

حضرت امام سفیان ثوری نے منیٰ میں اذان واقامت کہی جو دو دو مرتبہ تھی۔
(مصنف عبدالرزاق ج۱ص۴۶۲)

حدیث نمبر۸:

حضرت علی کا مؤذن اقامت دو دو مرتبہ کہا کرتا تھا۔(مصنف عبدالرزاق ج۱ص۴۶۳)

(۷)...... پیشاب اور پاخانہ کے وقت قبلے کی طرف منہ کرنا یا پیٹھ کرنا عمارتوں کے اندر بھی جائز نہیں، میدان اور عمارتیں حرمت میں برابر ہیں

عَنْ أَبِی أَيُّوبَ الْأَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الْغَائِطَ فَلَا يَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا يُوَلِّهَا ظَهْرَهُ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ایک قضائے حاجت کے لیے آئے تو نہ وہ قبلہ کی طرف منہ کرے اور نہ اپنی پیٹھ کرے بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرو۔ (بخاری ج ا ص ۲۶، باب لا تستقبل القبلة)

تشریح:

یہ اہل مدینہ کے لیے حکم ہے کیوں کہ مدینہ سے مکہ شمال کی جانب ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم (مشرق مغرب والا) مدینہ والوں کو دیا۔ جن مقامات پر قبلہ مشرق یا مغرب میں ہے وہاں مشرق یا مغرب میں بھی قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا منع ہے کیوں کہ اصل علت احترام قبلہ ہے اور حدیث کے اندر عام حکم ہے۔ میدان اور عمارتوں دونوں کو شامل ہے۔

(۸)......تکبیر اللہ اکبر سے کہنی چاہیے

حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے قبلہ کی طرف رخ کرتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور اللہ اکبر کہتے۔

(ابن ماجہ ص ۵۸)

(۹)......نماز میں دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھے

حدیث نمبرا:

عن زياد بن السوائی عن ابی جحيفة عن علی قال ان من السنة فی الصلاة وضع الكف على الاكف تحت السرة.

(مسند احمد ص ۱۱۰، حاشيه ابو داؤد ص ۱۱۷، تحت باب: وضع اليمنى على اليسرى فی الصلوٰة)

حضرت زیاد بن زید السوائی روایت کرتے ہیں ابوجحیفہ سے، وہ حضرت علی سے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہتھیلی کو ہتھیلی پر رکھنا ناف کے نیچے یہ سنت ہے۔

حدیث نمبر۲:

عن علقمة بن وائل بن حجر عن ابيه قال رايت النبی صلی الله عليه

وسلم یضع یمینه علی شماله فی الصلوٰة تحت السرة.
(مصنف ابن ابی شیبة ج۱ ص۳۹۰، باب وضع الیمین علی الشمال)
علقمہ بن وائل بن حجر سے روایت ہے کہ میرے والد نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کے اوپر ناف کے نیچے رکھا۔

حدیث نمبر۳:

عن ابی هریرة قال من السنة ان یضع الرجل یده الیمنٰی علی الیسریٰ تحت السرة فی الصلاة وبه قال سفیان الثوری، واسحاق وقال اسحاق تحت السرة أقوی فی الحدیث وأقرب الی التواضع.
(الاوسط فی السنن والاجماع والاختلاف ج۳ ص۹٤، حدیث نمبر۱۲۹۱ ابن المنذر)
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز کی سنت دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا ہے۔ یہی قول حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اور اسحاق بن راہویہ نے فرمایا کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث زیادہ قوی ہے۔ اور تواضع کے بھی زیادہ قریب ہے۔

حدیث نمبر۴:

اخبرنا ابو الحسین الفضل ببغداد انبأ ابو عمرو بن السماك ثنا محمد بن عبید الله بن المناری ثنا ابو حذیفة ثنا سعید بن زربی عن ثابت عن انس قال: من اخلاق النبوة تعجیل الافطار وتاخیر السحور و وضع یمینك علی شمالك فی الصلوٰة تحت السرة. (الخلاقیات للبیهقی ج۱ ص۳۷، محلی ابن حزم ج۳ ص۳۰)
حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں نبوت کے اخلاق میں سے ہیں۔ ① افطار جلدی کرنا، ② سحری دیر سے کھانا، ③ اور دورانِ نماز دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔

حدیث نمبر۵:

حجاج بن حسان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ابومجلز رضی اللہ عنہ سے سنایا ان سے پوچھا کہ نماز میں ہاتھ کس طرح رکھوں؟ تو انہوں نے بتایا کہ دائیں ہتھیلی کے اندرونی حصہ کو بائیں ہتھیلی کے بیرونی حصہ پر رکھ کر ناف کے نیچے رکھے۔ **(مصنف ابن ابی شیبة ج۱ ص۳۹۱)**

حدیث نمبر۶:

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نمازی نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔ **(مصنف ابن ابی شیبة ج۱ ص۳۹۱)**

حدیث نمبر۷:

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہی ہمارا مذہب ہے ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔

(کتاب الآثار امام محمد باب الصلاۃ قاعدًا حدیث نمبر ۱۲۱ ص۲۸)

حدیث نمبر۸:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق میں سے ہیں۔ ① افطار جلدی کرنا، ② سحری دیر سے کھانا، ③ ہتھیلی کو ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا۔

(منتخب کنز العمال بر مسند احمد ج۲ ص۳۵۰)

لہٰذا فقہ حنفی کا یہ مسئلہ حدیث کے مطابق ہے نہ کہ خلاف۔

(۱۰)......نابالغ لڑکے کی امامت جائز نہیں

حدیث نمبر۱:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الإِمَامُ ضَامِنٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام ضامن ہے۔ (نابالغ بچہ کسی چیز کا ضامن نہیں بن سکتا) (ابوداؤد ج۱ ص۷۷، ترمذی ص۵۷)

حدیث نمبر۲:

عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ أَبِي سُوَيْدٍ أَقَامَهُ لِلنَّاسِ وَهُوَ غُلَامٌ بِالطَّائِفِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ يَؤُمُّهُمْ فَكَتَبَ بِذٰلِكَ إِلٰى عُمَرَ

يُبَشِّرُهُ فَغَضِبَ عُمَرُ وَكَتَبَ إِلَيْهِ مَا كَانَ نَوْلُكَ أَنْ تُقَدِّمَ لِلنَّاسِ غُلَامًا لَمْ تَجِبْ عَلَيْهِ الْحُدُوْدُ (مصنف عبدالرزاق ج۲ص ۳۹۸)

حضرت عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ محمد بن سوید نے مجھے لوگوں کے لیے نماز پڑھانے کے لیے کھڑا کر دیا اور یہ ابھی بچے ہی تھے طائف کے اندر یہ رمضان کے مہینہ میں لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے تو سوید نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا اور مبارک دی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اس پر ناراض ہو گئے اور سوید کو خط لکھا تمہارے لیے مناسب نہیں تھا کہ تم ایک بچے کو نماز پڑھانے کے لیے کھڑا کرتے جس پر حدود واجب نہیں۔

حدیث نمبر۳:

عَنْ عَطَاءٍ قَالَ لَا يَؤُمَّ الْغُلَامُ الَّذِيْ لَمْ يَحْتَلِمْ

(مصنف عبدالرزاق ج۲ص ۳۹۸)

حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بچہ جو بالغ نہیں ہوا وہ لوگوں کو امامت نہ کرائے۔

(۱۱)......فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے

حدیث نمبر۱:

عَنْ معاذ بن رفاعة الزرقى ان رجلا من بنى سلمة يقال له سليم اتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال انا نظل فى اعمال فناتى حين نمسى فنصلى فيأتى معاذ بن جبل فينادى بالصلوٰة فناتيه فيطول علينا فقال له النبى صلى الله عليه وسلم يا معاذ لا تكن فتانا اما ان تصلى معى واما ان تخفف عن قومك.

حضرت معاذ بن رفاعہ رزقی سے روایت ہے کہ ایک آدمی تھا بنی سلمہ میں سے جس کو سُلیم کہتے تھے وہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ہم دن میں کام کرتے ہیں اور شام کو واپس لوٹتے ہیں۔ معاذ بن جبل ہمیں نماز پڑھاتے ہیں تو بہت لمبی نماز پڑھاتے ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے معاذ کہ تو فتنہ نہ بن۔ تو یا میرے ساتھ نماز پڑھ یا پھر اپنی قوم کو

ہلکی (مختصر) نماز پڑھاؤ۔

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد امام طحاوی فرماتے ہیں۔ تو نبی ﷺ کا یہ فرمان حضرت معاذ کو دلالت کرتا ہے کہ یا تو میرے ساتھ نماز پڑھ یا مختصر نماز پڑھایا کر یعنی دو کاموں سے ایک کریں۔ (طحاوی ج۱ ص ۲۷۸، باب الرجل یصلی الفریضة خلف من یصلی تطوعا)

(۱۲)......سجدہ میں دونوں ہاتھوں اور گھٹنوں کا زمین پر رکھنا

حدیث:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات اعضاء (سات ہڈیوں) پر سجدہ کروں پیشانی بمع ناک، دو ہاتھ، دو گھٹنے، دو پاؤں۔ اور یہ بھی حکم ہے کہ ہم نماز میں کپڑوں اور بالوں کو نہ سمیٹا کریں۔

(بخاری ج۱ص ۱۱۲، مسلم ج۱ص ۱۹۳)

(۱۳)......نماز میں بھول کر کلام کرنے سے بھی نماز باطل ہو جاتی ہے

حدیث نمبر۱:

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ كُنَّا نَتَكَلَّمُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ فَنَزَلَتْ وَقُومُوْا لِلّٰهِ قَانِتِينَ فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوتِ وَ نُهِيْنَا عَنِ الْكَلَامِ. (بخاری ج۱ص ۱۶۰، مسلم ج۱ص ۲۰۴، ترمذی ج۱ص ۸۵)

حضرت زید بن ارقم کہتے ہیں کہ ہم لوگ پہلے حضور ﷺ کے زمانہ میں نماز میں کلام کرتے تھے۔ پس جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ﴾ تو ہم کو خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور ہر قسم کے کلام سے منع کر دیا گیا۔

حدیث نمبر۲:

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ السُّلَمِيِّ قَالَ بَيْنَا أَنَا أُصَلِّيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ عَطَسَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَقُلْتُ يَرْحَمُكَ اللهُ فَرَمَانِى الْقَوْمُ بِأَبْصَارِهِمْ فَقُلْتُ وَاثُكْلَ أُمِيَاهُ مَا شَأْنُكُمْ تَنْظُرُوْنَ إِلَيَّ فَجَعَلُوْا يَضْرِبُوْنَ بِأَيْدِيهِمْ عَلٰى أَفْخَاذِهِمْ فَلَمَّا رَأَيْتُهُمْ يُصَمِّتُونَنِي لٰكِنِّي سَكَتُّ فَلَمَّا صَلّٰى

رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَانِىْ فَبِأَبِى هُوَ وَأُمِّىْ مَا رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهُ وَلاَ بَعْدَهُ أَحْسَنَ تَعْلِيمًا مِنْهُ فَوَاللّٰهِ مَا كَهَرَنِى وَلاَ ضَرَبَنِى وَلاَ شَتَمَنِى قَالَ إِنَّ هٰذِهِ الصَّلاَةَ لاَ يَصْلُحُ فِيهَا شَىْءٌ مِنْ كَلاَمِ النَّاسِ إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَائَةُ الْقُرْآنِ. (مسلم ص ۲۰۳ ج ۱، باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ)

حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز میں شریک تھا کہ جماعت میں کسی شخص کو چھینک آئی میں نے کہا ''یرحمک اللہ'' لوگوں نے مجھے گھورنا شروع کر دیا، میں نے کہا کاش یہ کہ میں مر چکا ہوتا تم مجھے کیوں گھور رہے ہو۔ یہ سن کر انہوں نے اپنی رانوں پر ہاتھ مارنا شروع کر دیا جب میں نے سمجھا وہ مجھے خاموش کرانا چاہتے ہیں میں خاموش ہو گیا، رسول اللہ ﷺ پر میرے ماں باپ فدا ہوں میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد آپ سے بہتر کوئی سمجھانے والا نہیں دیکھا۔ خدا کی قسم آپ ﷺ نے نہ مجھے جھڑکا نہ برا بھلا کہا نہ مارا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: نماز میں باتیں نہیں کرنی چاہییں۔ نماز میں صرف تسبیح تکبیر اور تلاوت کرنی چاہیے۔

(۱۴)...... مسئلہ عمل کثیر یعنی نماز میں تین قدم پے در پے چلنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے

دوران نماز بے ہودہ افعال اور کثیر حرکات ایسی آفت ہے کہ جس سے بہت ہی کم نمازی محفوظ رہے ہوں گے کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل نہیں کرتے جس میں کہا گیا ہے:

﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ﴾ (البقرۃ: ۲۳۸)

''(نماز کی حالت میں) اللہ تعالیٰ کے سامنے باادب کھڑے ہوا کرو۔''

اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی پر کان نہیں دھرتے جس میں بتایا گیا ہے کہ:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِىْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ○﴾ (المومنون: ۱-۲)

''یقیناً ایسے مومنوں نے نجات حاصل کر لی۔ جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں۔ یعنی ظاہری اعضاء اور دل کی یکسوئی سے نماز میں توجہ کرتے ہیں۔''

دورانِ نماز ان کے دل میں خوف و ہیبت طاری ہوتا ہے اور ان کے ظاہری اعضا بھی پُرسکون ہوتے ہیں، وہ نہ تو داڑھی وغیرہ سے کھیلتے اور نہ اِدھر اُدھر جھانکتے ہیں' بلکہ ان پر خوف وخشیت کی ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے جیسے عام طور پر کسی بادشاہ یا کسی بڑے شخص کے سامنے پیش ہونے سے ہوتی ہے۔

نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ اگر زمین ہموار نہ ہونے کی وجہ سے سجدہ کرنے میں دقت پیش آئے تو سجدہ کی خاطر پیشانی رکھنے کے لیے مٹی کو برابر کیا جا سکتا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لاَ تَمْسَحْ وَأَنْتَ تُصَلِّي فَإِنْ كُنْتَ لاَ بُدَّ فَاعِلاً فَوَاحِدَةٌ تَسْوِيَةَ الْحَصَى

(ابوداؤد، ج ا ص ۵۸۱۔ صحیح الجامع الصغیر البانی، حدیث نمبر ۷۴۵۲۔ (اس حدیث کی اصل صحیح مسلم میں بھی موجود ہے)

''دوران نماز مٹی وغیرہ کو سیدھا نہ کرو' اگر بہت ہی ضروری ہو تو صرف ایک مرتبہ کنکریاں برابر کر سکتے ہو (تاکہ پیشانی رکھنے کے لیے جگہ ہموار ہو جائے)''

علماء کرام نے ذکر کیا ہے کہ نماز میں بلاضرورت مسلسل حرکات کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے' جو لوگ دوران نماز بے مقصد حرکات کرتے ہیں کبھی ٹائم دیکھتے ہیں' کبھی کپڑوں کو ٹھیک کرتے ہیں' کبھی انگلی ناک میں ڈالتے ہیں' کبھی اپنی نگاہ کو دائیں بائیں گھماتے ہیں' اوپر نیچے دیکھتے ہیں۔

اور ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر پیدا نہیں ہوتا کہ ان کی اس کی حرکت کی وجہ سے کہیں ان کی بینائی نہ اچک لی جائے یا شیطان موقع پا کر ان کی نماز کا کچھ حصہ لوٹ کر نہ لے جائے۔

آج کل ایک نئی وباء موبائل فون کی شکل میں چل نکلی ہے جو کہ تقریباً ہر نمازی کی جیب میں ہوتا ہے اور دورانِ نماز اکثر نمازی حضرات موبائل فون کی بیل ہونے پر اس کو جیب میں نکال کر نمبر دیکھتے اور پھر اس کو جیب میں رکھ لیتے ہیں، جب کہ ہونا تو یہ چاہیے کہ جب نماز کے لیے آئیں تو اس کو بند کر دیں اور اگر کوئی شخص بھول جائے اور نماز کے دوران بیل ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ اس کو فوراً بند کر دے، اگر وہ بیل کرنے والے کا نام اور نمبر دیکھنے میں

مصروف ہو گیا جیسا کہ عام لوگوں کا وطیرہ ہے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، کیوں کہ یہ ایک لغو کام ہے اور اللہ تعالیٰ نے سورہ مومنون میں فلاح پانے والوں کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ لغویات سے بچتے ہیں اور یہ بھی لغویات میں سے ہے، اگر چہ یہ ایک ضرورت ہے مگر جو چیز نماز میں خلل کا باعث بنے تو وہ نماز کو ضائع کرنے کا ایک سبب ہے اور اسی طرح اگر مساجد میں سامنے کی دیوار پر کوئی اشتہار یا کعبۃ اللہ یا مسجد نبوی کی تصاویر ہوں یا دیواروں پر نقش نگاری ہو تو ایسی تمام چیزیں نماز میں کوتاہی کا سبب بن سکتی ہیں، لہٰذا ہر نمازی کو اور خاص طور پر ائمہ وخطباء حضرات کو اس طرف خاص توجہ دینا چاہیے۔

(۱۵)......امامت کے لائق وہ شخص ہے جو زیادہ علم والا ہو

حدیث:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک لمبی حدیث نقل کی ہے جس میں آتا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری شدید ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ الحدیث

(بخاری ج ا ص ۹۳۔ ومسلم ج ا ص ۱۷۹ باب اهل العلم والفضل احق بالامامة)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرضِ وفات میں امامت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی۔ حالانکہ صحابہ میں حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سب سے بڑے قاری تھے۔

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے قاری ہونے کا ثبوت ملاحظہ فرمائیں:

روایت ہے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ رحم کرنے والے میری امت پر ابوبکر ہیں یعنی نرم دل اور سب سے زیادہ سخت اللہ کے کام بجا لانے میں عمر اور سب سے زیادہ سچے عثمان بن عفان اور سب سے زیادہ حلال وحرام سے واقف معاذ بن جبل اور سب سے زیادہ فرائض جاننے والے زید بن ثابت اور سب سے زیادہ قرأت جاننے والے اُبی بن کعب اور ہر امت کا ایک امین ہے اور اس امت کا امین ابو عبیدہ بن جراح ہیں۔ (ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، ج ۲ ص ۲۴۳)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو باب قائم کیا ہے اس سے بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تائید ہوتی ہے۔

(۱۶)......غلام کی امامت مکروہ ہے

اس مسئلہ میں محدثین اور ائمہ کرام کا اختلاف ہے کہ غلام امامت کرا سکتا ہے یا نہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ کرا سکتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ چند شرائط کے ساتھ کرا سکتا ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ مکروہ تنزیہی ہے اگر کوئی غلام کے پیچھے نماز پڑھ لے تو ہو جاتی ہے۔ علمائے کرام کے اس اختلاف کی اصل وجہ احادیث مبارکہ میں اختلاف ہے جن احادیث میں امام کی صفات کا ذکر آیا ہے۔ ان میں سے چند احادیث ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کا وقت آ جائے تو تم میں سے ایک شخص اذان پکارے اور تم میں سے زیادہ قرآن پڑھنے والا امامت کرائے۔ (مصابیح ص ۷۶)

اس حدیث میں اقراء کا ذکر ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مسلک ہے۔

حدیث نمبر ۲:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری شدید ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو بکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ (بخاری ج ۱ ص ۹۳، مسلم ج ۱ ص ۱۷۹)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت سپرد فرمائی۔ حالانکہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق زیادہ اقرأ تھے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے **واقرؤھم ابی بن کعب** (ترمذی جلد ۲ ص ۲۴۳) ظاہر ہے کہ یہاں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بجائے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو امام بناتے کیوں کہ وہ زیادہ قاری تھے مگر ایسا نہیں ہوا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے پیش نظر افقہ کو اقراء پر مقدم رکھتے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی یہی ہے جیسا کہ آپ نے بخاری شریف میں باب قائم کیا ہے۔ اَھْلُ الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ اَحَقُّ بِالْاَمَامَةِ یعنی امامت کے زیادہ حق دار علم اور فضل والے

حضرات ہیں۔ پھر اس باب کے تحت وہ مرض الوفات میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امام بنانے والی حدیث لائے۔ امام نووی شافعی فرماتے ہیں، امام مالک امام شافعی اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ امامت کے لیے زیادہ فقاہت رکھنے والا مقدم ہے۔ زیادہ تجوید سے پڑھنے والے سے۔ (نووی شرح مسلم جلد ا ص ۲۳۶)

حدیث نمبر ۳:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے میں سے بہترین لوگوں کو امام بنایا کرو کیوں کہ وہ تمہارے اور خدا کے درمیان وکیل اور نمائندے ہوتے ہیں۔ (دار قطنی ج ا ص ۳۴۶)

حدیث نمبر ۴:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری نمازیں قبول ہوں تو اچھے اور پرہیزگار لوگوں کو امام بناؤ۔ (دار قطنی ج ا ص ۳۴۶)

حدیث نمبر ۵:

مسلم میں ایک حدیث آتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوم کا امام وہ شخص ہو جو سب سے قرآن اچھا پڑھتا ہو اور اگر قرآن کے پڑھنے میں سب برابر ہوں تو وہ شخص امام بنے جو سنت کو سب سے زیادہ جانتا ہو اگر علم میں بھی سب برابر ہوں تو وہ شخص امام بننے کا زیادہ استحقاق رکھتا ہے جس نے ہجرت پہلے کی ہو اگر ہجرت میں سارے برابر ہوں تو پھر وہ نماز پڑھائے جو اسلام پہلے لایا ہو۔ اور ایک روایت میں اسلام کی بجائے سن کا ذکر ہے۔ (یعنی جس کی عمر زیادہ ہو۔) (مسلم ج ا ص ۲۳۶)

حدیث نمبر ۶:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کی نماز مقبول نہیں ہوتی، ان میں ایک وہ امام ہے جو کسی قوم کا امام ہو اور وہ لوگ اس کو ناپسند کرتے ہوں۔ دوسری وہ عورت جس سے اس کا خاوند ناراض ہو (بغیر کسی شرعی عذر کے اگر عورت خاوند کو ناراض کرے) تیسرے وہ دو مسلمان جو باہم رنجش رکھتے ہوں اور تین دن سے زیادہ سلام کلام وغیرہ ترک کر دیں۔ (ابوداؤد ص ۷، مصابیح ج ا ص ۸۷)

حدیث نمبر ۷:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔نے فرمایا تین آدمیوں کی نماز قبول نہیں ہوتی ۔ایک اس شخص کی نماز قبول نہیں ہوتی جو ایسے لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے جو اسے ناپسند کرتے ہیں ۔(ابن ماجہ ص ۶۸)

حدیث نمبر ۸:

حضرت حماد کہتے ہیں میں نے حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ ولد الزنا اور اعرابی (دیہاتی) اور غلام اور نابینا کے بارہ میں کہ یہ امامت کرا سکتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا ہاں بشرطیکہ وہ اچھی طرح نماز قائم کر سکتے ہوں۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۲۹۷، کتاب الآثار مترجم ص ۸۷ حدیث نمبر ۹۲، مسند امام اعظم مترجم ص ۱۵۶، جامع المسانید ج ۱ ص ۵۵۲، ۵۳۶)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر یہ لوگ علم رکھتے ہوں نماز کے احکام و مسائل سے واقف ہوں تو ہم بھی یہی کہتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

(کتاب الآثار مترجم ص ۸۷ ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۱۶، سنن الکبریٰ بیہقی ج ۳ ص ۸۶، شرح السنہ ج ۳ ص ۴۰۰)

امامت سے متعلق مختلف روایات آپ نے دیکھ لیں ان کے علاوہ بھی روایات موجود ہیں۔ان جیسی روایات کی وجہ سے بعض فقہائے احناف نے غلام کی امامت کو مکروہ کہا ہے۔ علامہ مرغینانی صاحب ہدایہ نے لکھا ہے۔

غلام کو امام بنانا مکروہ ہے کیوں کہ وہ احکام نماز کی تعلیم کے لیے فارغ نہیں ہوتا۔

(ہدایہ اولین ص ۱۰۱)

یہاں پر مکروہ سے مراد مکروہ تنزیہی ہے جیسا کہ علامہ عینی نے کہا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ غلام کی امامت مکروہ تنزیہی ہے کیوں کہ وہ اپنے مولیٰ کی خدمت میں مشغول رہتا ہے۔المبسوط میں مذکور ہے کہ غلام کی امامت جائز ہے اور اس کے غیر کی امامت مستحب ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آزاد اس سے اولیٰ ہے کیوں کہ

امامت بہت عظیم منصب ہے اور آزاد اس سے زیادہ لائق ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۲۹)

یہاں پر یہ یاد رہے کہ احناف کے ہاں مکروہ تنزیہی بھی ایسے غلام کی امامت ہے جو قاری یا عالم وغیرہ نہ ہو جو غلام قاری ہو اور نماز کے مسائل وغیرہ جانتا ہو تو ایسے غلام کی امامت جائز ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ مکروہ تنزیہی کہنے کی ایک وجہ تو صاحب ہدایہ نے لکھ دی ہے کہ غلام اپنے آقا کی خدمت میں ہوتا ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر علم وغیرہ حاصل نہیں کر سکتا اور نماز پڑھانے کے لیے علم کی ضرورت ہوتی ہے جب علم ہی نہیں تو نماز کس طرح پڑھائے گا۔ اور اہل علم حضرات اس کے پیچھے نماز پڑھنے کو پسند نہیں کریں گے۔ اور جس کو نمازی پسند نہ کریں اس کو نماز پڑھانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے۔ اس وجہ سے مکروہ ہے۔ دوسری وجہ آزاد اور غلام کا فرق بھی ہے۔ جس کی وجہ سے آزاد اس غلام کے پیچھے نماز پڑھنے کو عار محسوس کریں گے۔

(۱۷)...... جو شخص کہ بے وضو ہوا رکوع میں یا سجود میں تو وضو کرے اور بنا کرے

حدیث نمبر ۱:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے نماز میں قے، نکسیر، یا مذی آ جائے وہ لوٹ کر وضو کرے اور جہاں سے نماز کو چھوڑا تھا وہیں سے شروع کر دے لیکن اس درمیان میں کلام نہ کرے۔

(سنن ابن ماجہ ص ۸۷ کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی البناء علی الصلوٰۃ)

حدیث نمبر ۲:

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی جب نکسیر پھوٹتی تو نماز چھوڑ کر وضو کرتے پھر واپس آ کر باقی نماز کو پڑھتے اور کلام نہیں کرتے تھے۔

(موطا امام مالک ص ۲۷ کتاب الطہارۃ باب ماجاء فی الرعاف)

حدیث نمبر۳:

امام مالک کو یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی جب نکسیر پھوٹتی تو باہر جا کر خون کو دھو لیتے اور واپس لوٹنے پر پڑھی ہوئی نماز کے علاوہ نماز پڑھ لیتے۔

(موطا امام مالک ص ۲۷ کتاب الطہارۃ باب ما جاء فی الرعاف)

حدیث نمبر۴:

یزید بن عبداللہ بن قسیط لیثی نے سعید بن مسیب کو دیکھا کہ نماز میں ان کی نکسیر پھوٹ نکلی تو وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے میں گئے۔ انہیں پانی دیا گیا توانہوں نے وضو کیا پھر واپس آ کر پڑھی ہوئی کے علاوہ باقی نماز پڑھی۔

(موطا امام مالک ص ۲۸ کتاب الطہارت باب ما جاء فی الرعاف)

ان روایات و آثار کے علاوہ ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں حضرت ابوبکر، عمر، علی ابن مسعود، ابن عمر اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم کے آثار بھی ان آثار سے ملتے جلتے نقل کیے ہیں۔

(دیکھیے: مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶)

حنفیہ نے ان احادیث کی وجہ سے بناء کا جواز ثابت کیا ہے۔ اور دوسری قسم کی روایات سے استیناف کا استحباب تسلیم کیا ہے پہلی روایات بیان جواز کے لیے ہیں اور دوسری بیان استحباب کے لیے۔ اس تقریر کے مطابق دونوں قسم کی روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے اور دونوں پر عمل بھی ہوسکتا ہے۔

(۱۸)......نماز میں ہاتھ کے ساتھ اشارہ سے بھی سلام کرنا منع ہے

حدیث نمبر۱:

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا لِي أَرَاكُمْ رَافِعِي أَيْدِيكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ اسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ. (مسلم ج ۱ ص ۱۸۱، باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا ہے مجھے کہ میں دیکھتا ہوں تمہیں نماز میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے گویا کہ وہ سرکش گھوڑوں کی دمیں ہیں۔ نماز میں سکون اختیار کرو۔

حدیث نمبر۲:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَيَرُدُّ عَلَيْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِ النَّجَاشِيِّ سَلَّمْنَا عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْنَا وَقَالَ إِنَّ فِي الصَّلَاةِ شُغْلًا

(بخاری، ج۱ص۱۶۲،باب لا یرد السلام فی الصلوٰة. ومسلم ج۱ص۲۰۳،باب تحریم الکلام فی الصلوٰة)

حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نبی ﷺ پر سلام کہتا تھا اور آپ ﷺ نماز کی حالت میں ہوتے تو آپ ﷺ مجھے سلام کا جواب دیتے جب ہم واپس لوٹے (حبشہ سے) تو میں نے آپ ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے مجھے جواب نہ دیا اور آپ ﷺ نے (نماز سے فارغ ہونے کے بعد) فرمایا کہ بے شک نماز میں مصروفیت ہے۔

(۱۹)......رمضان کے سوا اور تمام برس میں جماعت کے ساتھ وتر نہ پڑھے

ہدایہ میں ہے وَلَا يُصَلِّى الْوِتْرَ بِجَمَاعَةٍ فِيْ غَيْرِ شَهْرِ رَمَضَانَ عَلَيْهِ اِجْمَاعِ الْمُسْلِمِيْنَ.

اور ماہ رمضان کے علاوہ میں وتر با جماعت نہ پڑھے۔اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

(احسن الہدایہ ترجمہ وشرح ہدایہ جلد۲ص۲۳۱ فصل فی قیام رمضان)

مسئلہ کی وضاحت:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ ماہ رمضان کے علاوہ میں جماعت کے ساتھ وتر نہ پڑھی جائے۔ کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف ماہ رمضان میں با جماعت وتر پڑھائی تھی۔ اور اس کے علاوہ میں چوں کہ با جماعت وتر پڑھنا ثابت نہیں ہے اس لیے غیر رمضان میں با جماعت وتر پڑھنا خلاف اولیٰ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ، تابعین وتبع تابعین رحمہم اللہ اور سلف صالحین سے

ماہ رمضان کے علاوہ وتر جماعت سے پڑھنا ثابت نہیں۔ جس طرح نماز پنجگانہ یعنی فرض نمازوں کے لیے جماعت ہوتی ہے۔ جمعۃ المبارک، عید الفطر، عید الاضحیٰ وغیرہ کے لیے جماعت ہوتی ہے اور قرآن وسنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان نمازوں کی جماعت کا ثبوت کتب احادیث میں ملتا ہے اس طرح کا ثبوت وتر کی جماعت کا غیر رمضان میں نہیں ملتا۔ جس طرح تراویح کی جماعت صرف رمضان سے خاص ہے، رمضان کے علاوہ تراویح کی جماعت نہیں ہوتی اسی طرح وتر ہیں۔ یہ ایک الگ نماز ہے جو واجب ہے اور رات کے آخری حصہ میں اس کو نماز تہجد کے بعد بغیر جماعت کے گھر پر پڑھا جاتا ہے۔ صرف رمضان کے مہینے میں نماز تراویح کے بعد اس کو جماعت کے ساتھ پڑھنا سلف سے ثابت ہے۔ جس کو صاحب ہدایہ نے اجماع سے تعبیر کیا ہے۔

(۲۰)......امام جمعہ کے دن منبر پر خطبہ بیٹھ کر پڑھے یا بے وضو پڑھے تو جائز ہے

ہدایہ کی مکمل عبارت کا ترجمہ اس طرح ہے:

اور خطیب باوضو ہو کر اور کھڑے ہو کر خطبہ دے کیوں کہ اس میں توارث کے ساتھ قیام منقول ہے پھر خطبہ نماز کی شرط ہے لہٰذا اذان کی طرح اس میں بھی طہارت شرط ہوگی اور اگر کسی نے بیٹھ کر یا بے وضو خطبہ دے دیا تو جائز ہے۔ اس لیے کہ مقصود حاصل ہے۔ البتہ مخالفت توارث کی وجہ سے اور خطبہ اور نماز کے مابین فصل کی وجہ سے ایسا کرنا مکروہ ہے۔

ناظرین ہدایہ کی مکمل عبارت آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ فقہ حنفی میں باوضو اور کھڑے ہو کر خطبہ دینے ہی کا ذکر ہے۔ اور اس کے خلاف کرنے کو مکروہ لکھا ہے۔ ہاں اگر کسی نے اس کے خلاف کیا تو پھر کیا حکم ہے ایسا خطبہ ادا ہوا کہ نہیں؟ ہمارے ہاں کراہت کے ساتھ خطبہ ادا ہو جائے گا کیوں کہ قرآن وسنت میں ایسا کوئی صریح حکم موجود نہیں، جس سے یہ ثابت ہوتا کہ بیٹھ کر جو خطبہ دیا وہ ادا نہیں ہوا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرمایا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب بہت بوڑھے اور کمزور ہو گئے تو پہلا خطبہ بیٹھ کر پڑھتے تھے اور دوسرا خطبہ

کھڑے ہو کر۔ نیز حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی دوران خطبہ میں تھک کر بیٹھ جاتے تھے کچھ دیر بیٹھ کر خطبہ دیتے پھر کھڑے ہو جاتے ان دونوں بزرگوں کے عمل مجبوراً تھے۔ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک۔

جب یہ عمل صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہو گیا تو پھر نا جائز کیسے کہیں۔

(۲۱)...... جمعہ کے دن منبر پر کھڑا ہو کر اگر فقط ذکر اللہ یعنی سبحان اللہ یا اللہ اکبر خطبہ کی جگہ کہہ دے تو بس کافی اور جائز ہے۔ دو خطبے پڑھنے کی کچھ حاجت نہیں

خطبہ جمعہ کا حکم:

فقہ حنفی میں خطبہ جمعۃ المبارک سے متعلق مسائل:

نمبر۱: جمعہ کے لیے خطبے دو پڑھے جائیں۔

نمبر۲: خطبہ میں قرآن کریم کی آیت بھی تلاوت کی جائے۔

نمبر۳: خطبے میں وعظ و نصیحت کے الفاظ بھی ہوں۔

نمبر۴: خطبہ نہ بہت دراز ہو نہ بہت مختصر۔

نمبر۵: دو خطبوں کے درمیان منبر پر بیٹھ کر فاصلہ کرے۔

نمبر۶: دونوں خطبے عربی زبان میں ہوں۔

نمبر۷: خطبہ کے دوران کسی قسم کا کلام نہ کرے۔

نمبر۸: خطبہ کے دوران کسی قسم کی نماز نہ پڑھے۔

(مراۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح جلد دوم)

اس مسئلہ میں فقہ حنفی میں عمل امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طویل ذکر اور پند و نصیحت کہ جسے عرف عام میں خطبہ کہا جاتا ہے ضروری ہے۔ محض سبحان اللہ یا الحمد للہ کہہ لینا خطبہ نہیں کہا جا سکتا۔ (مظاہر حق شرح مشکوٰۃ ص ۹۰۸ جلد نمبر ۱)

غایۃ السعایہ شرح ہدایہ ج ۴ ص ۲۲۱ میں ہے:

خطبہ میں دو چیزیں فرض ہیں اور باقی سنن وآداب۔

پہلا فرض یہ ہے کہ خطبہ نماز سے پہلے اور زوال کے بعد ہو، اگر زوال سے بیشتر یا نماز کے بعد پڑھا تو جائز نہ ہوگا۔

دوم یہ کہ خطبہ میں اللہ کا ذکر ہو۔

خطبہ میں تقریباً پندرہ سنتیں ہیں۔

(۱) طہارت کا ہونا۔

(۲) بحالت قیام ہونا۔

(۳) دو خطبوں کے درمیان ایک بیٹھک کا ہونا۔

(۴) اتنی آواز سے پڑھنا کہ قوم سن لے۔

(۵) الحمد للہ سے شروع کرنا۔

(۶) شہادتین کو ادا کرنا۔

(۷) درود پڑھنا۔

(۸) وعظ ونصیحت کرنا۔

(۹) قرآن کریم کی کم از کم ایک آیت یا تین چھوٹی آیتیں پڑھنا وغیرہ۔

ان حوالہ جات سے فقہ حنفی کا نظریہ اچھی طرح معلوم ہو گیا ہوگا۔ فقہ حنفی میں دو خطبوں کا سنت ہونا بھی ثابت ہو گیا۔ اور حنفی مذہب میں جس قول پر عمل ہے وہ بھی واضح ہو گیا۔ فقہ حنفی کا مسئلہ حدیث کے بالکل مطابق ہے نہ کہ خلاف۔

(۲۲)...... خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد پڑھنا جائز نہیں

حدیث:

طبرانی کبیر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اذا دخل احدکم المسجد والامام علی المنبر فلا صلوٰة ولا کلام حتی یفرغ الامام))

جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں اس وقت داخل ہو جب کہ امام ممبر پر ہو تو نماز کلام نہیں جب تک امام فارغ نہ ہو جائے۔ (بحوالہ مجمع الزوائد ج۲ ص۱۸۴)

(۲۳)......نماز عید میں چھ تکبیریں زائد ہیں پہلی رکعت میں تکبیر اولیٰ کے بعد اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد

حدیث نمبر ۱:

عن علقمة والأسود بن يزيد أن بن مسعود كان يكبر فی العيدين تسعا تسعاً أربعا قبل القراءة ثم كبر فركع وفی الثانية يقرأ فإذا فرغ كبر أربعا ثم ركع. (مصنف عبدالرزاق ج۳ ص۲۹۳، باب التكبير فی الصلوٰة يوم العيد)

حضرت علقمہ اور اسود سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ عیدیں (عید الاضحیٰ والفطر) میں نو نو تکبیریں کہتے تھے چار تکبیریں کہتے قرأت سے پہلے پھر ایک تکبیر کہتے اور رکوع کرتے، پھر کھڑے ہو جاتے۔ دوسری رکعت میں قرأت کرتے۔ پس جب قرأت سے فارغ ہوتے تو چار تکبیریں کہتے پھر رکوع کرتے۔

(۲۴)......میت کے بالوں کو نہ کنگھا کیا جائے اور نہ اس کی داڑھی کو

ہدایہ میں ہے:

اور میت کے بال اور اس کی داڑھی میں کنگھی نہ کی جائے اور نہ اس کے ناخن کاٹے جائیں اور نہ اس کے بال کاٹے جائیں۔ اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد گرامی ہے کہ آخر کیوں تم لوگ اپنے مردے کی پیشانی کھینچتے ہو۔

اور اس لیے بھی کہ یہ چیزیں زینت کے لیے ہیں اور میت تو ان چیزوں سے بے نیاز ہو چکی ہے البتہ زندہ شخص میں یہ عمل نظافت کے لیے ہے۔ کیوں کہ بال کے نیچے میل جمع ہو جاتا ہے اور یہ ختنہ کرنے کی طرح ہو گیا۔

(احسن الہدایہ ترجمہ وشرح ہدایہ ج۲ ص۴۰۰، ۴۰۱)

صاحب ہدایہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جس حدیث کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہے۔

محمد قال اخبرنا ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم ان عائشة ام المؤمنين رضی الله عنها رأت ميتًا يسرح رأسه فقالت: علام نتصون ميتكم، قال محمد: وبهٖ نأخذ لا نری ان يسرح رأس الميت ولا يؤخذ من شعره ولا يقلم أظفاره وهو قول أبی حنيفة رحمه الله تعالٰی.

(كتاب الآثار مترجم ص ۱۷۰، حديث نمبر ۲۲۷، جامع المسانيد جلد نمبر۱ ص ۵۵۷، حديث نمبر ۷۶۲، كتاب الآثار امام ابی يوسف حديث نمبر ۷۸، مصنف عبدالرزاق حديث نمبر ۶۲۳۲، سنن الكبری جلد نمبر۳ ص ۳۹۰، كتاب الجنائز باب المريض يأخذ من أظفاره وعانته)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ہمیں خبر دی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے، امام حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حماد رحمۃ اللہ علیہ سے اور حماد رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مردہ عورت کو دیکھا کہ لوگ اس کے بالوں میں کنگھی کر رہے ہیں۔ تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تم لوگ کس کے لیے اپنے مردے کی پیشانی پکڑ کر کھینچتے ہو۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہم اسے ہی اختیار کرتے ہیں۔ یہ مناسب نہیں سمجھتے کہ اس کی مانگ نکالی جائے یا اس کے بال یا ناخن کاٹے جائیں یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

ابوعبید قاسم کہتے ہیں کہ لفظ تنصون نصوت الرجل انصوه نصوًا سے ماخوذ ہے بمعنی پیشانی پکڑ کر کھینچنا، پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس فعل کو مکروہ ہونے میں ایسا کر دیا جیسے کسی کی پیشانی پکڑ کر گھسیٹا جائے۔ پھر یوں بھی کہ مذکورہ چیزیں برائے زینت ہوتی ہیں اور مردہ ان تمام چیزوں سے مستغنی ہو چکا۔ (غایۃ السعایہ جلد نمبر ۴ ص ۳۱۸)

(۲۵)......میت کو کفن میں کرتہ دینا

ہدایہ میں ہے:

سنت یہ ہے کہ کفنایا جائے مرد کو تین کپڑوں میں یعنی ازار، قمیص، اور لفافہ میں، کیوں کہ مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سمولیہ کے تین سفید کپڑوں میں کفنایا گیا۔

(غایۃ السعایہ شرح ہدایہ ج ۴ ص ۳۱۹)

اس کی شرح میں مفتی عبدالحلیم قاسمی بستوی لکھتے ہیں:

اور مرد ہو اس کے لیے تین کپڑے کفن مسنون ہیں۔ ① ازار، ② قمیص، ③ لفافہ۔ ازار سر سے پیر تک ہوگا۔ قمیص بغیر سلی ہوئی اور بغیر آستین و کلی کی ہوگی۔ اور ایک لفافہ ہوگا جو سر سے پیر تک اوپر سے لپیٹا جائے گا۔ (احسن الہدایہ ج ۲ ص ۴۰۲)

اس عبارت میں جن تین کپڑوں کا ذکر آیا ہے ان کی کچھ وضاحت کی جاتی ہے۔

①......ازار: اس کا مطلب ہے کہ نچلے دھڑ کا لباس۔ یعنی تہبند۔ آپ یہ سمجھ لیں کہ ازار جو ہے وہ تہبند کے قائم مقام ہے۔

②......قمیص: لفظ قمیص تو معروف ہے مگر یہاں پر قمیص سے ایسی قمیص مراد ہے جو بغیر سلی ہوئی ہو اور بغیر آستین و بغیر کلی وغیرہ کے ہو۔ جس کو کفنی اور الفی بھی کہتے ہیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

بعض حضرات کہتے ہیں کہ حدیث میں قمیص کی نفی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نفی کا مطلب یہ ہے کہ سلا ہوا، قمیص نہ ہو جیسے زندگی میں سلی ہوئی قمیص پہنتا تھا۔ زندہ کی قمیص اور ہے اور مردہ کی اور ہے۔ کیوں کہ دوسری حدیث میں قمیص کی صراحت موجود ہے۔

ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۱:

عبدالرحمٰن بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ مردہ قمیص پہنایا جائے اور تہ بند پہنایا جائے پھر تیسرے کپڑے میں لپیٹ دیا جائے اگر ایک ہی کپڑا ہو تو اسی میں کفن دیا جائے۔

(موطا امام مالک مترجم باب ما جاء فی کفن المیت ص ۱۸۵، ترجمہ وحید الزماں)

حدیث نمبر ۲:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے بیان کیا ابن شہاب رضی اللہ عنہ نے حمید بن عبدالرحمٰن سے کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص نے کہا کہ میت کو قمیص، تہبند اور تیسرے کپڑے میں ملفوف کیا جائے۔ اگر تین کپڑے نہ ہوں تو ایک ہی کپڑے کا کفن دے دیا جائے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے۔ ہمارے نزدیک بہتر ہے کہ تہبند لفافہ کی

طرح پہنایا جائے اس کے بجائے کہ زندوں کی طرح تہ بند باندھا جائے اور ہمارے نزدیک یہ بھی پسندیدہ نہیں کہ میت کا کفن دو کپڑوں سے کم کیا جائے سوائے اس کے کہ مجبوری ہو اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

(موطا امام محمد مترجم ص ۱۵۳، ما یکفن به المیت)

حدیث نمبر ۳:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ قمیص، ازار اور لفافہ۔

(الکامل ابن عدی ج۷ ص ۲۵۱۱، المکتبه الاثریه پاکستان)

حدیث نمبر ۴:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین نجرانی کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ دو کپڑے حلہ تھے اور ایک وہ قمیص تھی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تھے۔ (سنن ابوداؤد حدیث نمبر ۳۱۵۳، سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۱۴۷۱)

حدیث نمبر ۵:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف میں ایک باب اس طرح قائم کیا ہے۔ **بَابُ الْكَفَنِ فِي الْقَمِيْصِ الَّذِيْ يُكَفُّ وَمَنْ كَفِّنَ بِغَيْرِ قَمِيْصٍ** ترجمہ: اس قمیص میں کفن دینا جس کا حاشیہ سلا ہوا ہو یا بے سلا اور بغیر قمیص کے کفن دینا۔

حدیث نمبر ۶:

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یمنی پوشاک اور قمیص میں کفن دیا گیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں مرد کے کفن میں تین کپڑے ہوں گے دو کپڑے بھی کافی ہیں یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

(کتاب الآثار مترجم ص ۱۷۱، حدیث نمبر ۲۲۸)

(۲۶)...... فجر کی نماز اُجالے میں پڑھنا

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ

أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ

(ترمذی ج۱ ص۴۹، باب ما جاء فی الاسفار بالفجر)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فجر کو خوب اچھی طرح روشن کر کے نماز پڑھو اس میں زیادہ اجر و ثواب ہے۔

حدیث نمبر۲:

عَنْ عاصم بن عمر بن قتادة عن ابيه عن جده قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اسفروا بالفجر فانه اعظم لاجركم او للاجر رواه البزار ورجاله ثقات (مجمع الزوائد ج۱ ص۳۱۵)

حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ سے مروی ہے یہ اپنے والد سے اور یہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فجر کی نماز کو روشن کر کے پڑھو بے شک یہ تمہارے اجر و ثواب کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہے۔ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا کہ یہ ثواب کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہے۔

(۲۷)...... مسجد کو سیمنٹ اور سونے کے پانی سے نقش کرنا

عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَخْبَرَهُ أَنَّ الْمَسْجِدَ كَانَ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَبْنِيًّا بِاللَّبِنِ وَسَقْفُهُ الْجَرِيدُ وَعُمُدُهُ خَشَبُ النَّخْلِ فَلَمْ يَزِدْ فِيهِ أَبُو بَكْرٍ شَيْئًا وَزَادَ فِيهِ عُمَرُ وَبَنَاهُ عَلَى بُنْيَانِهِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّبِنِ وَالْجَرِيدِ وَأَعَادَ عُمُدَهُ خَشَبًا ثُمَّ غَيَّرَهُ عُثْمَانُ فَزَادَ فِيهِ زِيَادَةً كَثِيرَةً وَبَنٰى جِدَارَهُ بِالْحِجَارَةِ الْمَنْقُوشَةِ وَالْقَصَّةِ وَجَعَلَ عُمُدَهُ مِنْ حِجَارَةٍ مَنْقُوشَةٍ وَسَقَفَهُ بِالسَّاجِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں مسجد نبوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کچی اینٹوں کی بنی ہوئی تھی اور اس کی چھت کھجور کی شاخوں کی تھی اور اس کے ستون کھجور کے تنوں کے تھے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں اضافہ کیا اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی بنا پر تعمیر کیا کچی اینٹوں اور

شاخوں سے بنایا اور اس کے ستون دوبارہ لکڑی کے بنا دیئے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس میں تبدیلی کی اور اس میں بہت اضافہ کیا۔ اس کی دیواریں نقش و نگار والے پتھروں اور چونے کی بنائیں اور اس کے ستون بھی منقش پتھروں کے بنائے اور اس کی چھت ساگوان کی لکڑی کی بنائی۔ (بخاری جلد ا ص ۶۴ باب بنیان المسجد کتاب الصلوٰۃ)

(۲۸)...... جب امام منبر پر چڑھنے کے واسطے نکلے تو اس وقت نہ نماز پڑھے اور نہ کلام کرے

حدیث نمبر ا:

عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا قلت لصاحبك انفت والامام يخطب فقد لغوت.

(طحاوی ج ا ص ۲۵۲، باب الصلوٰة عند الخطبة)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تو اپنے ساتھی سے کہے کہ خاموش ہو جا اس حال میں کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو نے لغو کام کیا۔

حدیث نمبر ۲:

عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يخطب يوم الجمعة فقرأ سورة فقال ابو ذر لأُبَی بن كعب متٰی نزلت هذه السورة فاعرض عنه فلما قضٰی رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوته قال أُبَی لِأَبِیْ ذرٍّ مالك من صلٰوتك الا ما لغوت فدخل أبو ذرٍّ على النبى صلى الله عليه وسلم فأخبرهُ بذٰلك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم صدق أُبَی

امام طحاوی فرماتے ہیں:

فقد أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بالانصات عند الخطبة وجعل حكمها فى ذٰلك كحكم الصلٰوة وجعل الكلام فيها لغوًا (طحاوی ج ا ص ۲۵۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی سورۃ پڑھی تو حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے اُبی بن

کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ سورۃ کب نازل ہوئی تو آپ نے کلام کرنے سے ان سے اعراض کیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز مکمل کی تو اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تو نے نہیں کیا اپنی نماز سے مگر لغو کام۔ تو ابوذر رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے پاس آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی اس واقعہ کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُبی بن کعب نے سچ کہا ہے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں:

پس نبی علیہ السلام نے حکم دیا خطبہ کے وقت خاموش رہنے کا اور اس کے حکم کو بنایا ہے نماز کے حکم کی طرح اور کلام کو اس میں لغو قرار دیا ہے۔ کہ جس طرح نماز میں کلام کرنا لغو ہے اسی طرح خطبہ کے وقت بھی۔

حدیث نمبر۳:

عن سلمان الخير ان النبي عليه السلام قال لان يغتسل الرجل يوم الجمعة ويتطهر بها استطاع من طهر ثم ادهن من دهن او مس من طيب بيته ثم راح فلم يفرق بين اثنين وصلى ما كتب الله له ثم إذا تكلم الإمام غفر له ما بينه وبين الجمعة الاخرى. (طحاوی ج۱ص۲۵۴)

سلمان الخیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل کر کے اچھی طرح طہارت حاصل کر کے تیل لگائے خوشبو ملے پھر نماز کے لیے نکلے اور کسی دو شخصوں کے درمیان تفریق نہ کرے پھر سنتیں وغیرہ پڑھے اور خطبہ کے وقت خاموش بیٹھا رہے تو اس سے اگلے جمعہ تک اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

(۲۹)......مرد اور عورت کا جنازہ پڑھنے کے لیے امام میت کے سینے کے برابر کھڑا ہو

حدیث نمبر۱:

عن ابی غالب قال صليت خلف انس رضى الله عنه على جنازة فقام حيال صدره. (فتح القدیر ج۲ص۸۹۔شرح نقایہ ج۱ص۱۳۵)

ابو غالب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی تو آپ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چرنے والے گھوڑوں میں سے ہر گھوڑے میں ایک دینار ہے۔

حدیث نمبر۲:

سائب بن یزید نے زہری کو خبر دی کہ میں نے اپنے والد کو دیکھا کہ وہ گھوڑے کی قیمت لگا کر اس کی زکوٰۃ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیتے ہیں۔(دار قطنی ج۲ص۱۲۶)

(۳۳)......تجارتی غلاموں کی طرف سے آقا صدقہ فطرادانہ کرے

جو غلام تجارت کے لیے ہوں احناف کے یہاں ان کا صدقہ فطر آقا نہیں نکالے گا کیونکہ ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔عطاء، سفیان ثوری اور ابراہیم نخعی رحمہم اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

ہمارے نزدیک آقا پر صدقہ فطر کا وجوب اپنے مملوک کے سبب سے ہوتا ہے جیسے زکوٰۃ کا وجوب اس پر ممالیک تجارت کی وجہ سے ہوتا ہے۔اب اگر تجارتی ممالیک کے سبب سے آقا پر صدقہ فطر واجب کیا جائے تو اس کو زکوٰۃ اور صدقہ فطر دونوں کا بار اٹھانا پڑے گا حالانکہ ایک سال میں مکرر خرچہ (یعنی دوبار صدقہ دینا) شرعاً ممنوع ہے۔چنانچہ ابن ابی شیبہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لاثناء فی الصدقة

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ ایک سال میں (مکرر) دوبارہ نہ لیا جائے گا۔

اور یہ ظاہر ہے کہ تجارتی ممالیک کچھ رکھنے کے واسطے عیال نہیں کیے گئے بلکہ مانند نفیس اموال تجارت کے ہیں۔

(۳۴)......صدقہ فطر کی مقدار

حدیث نمبر۱:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لوگ صدقہ فطر لگاتے تھے ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع کشمش۔جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت آیا اور گندم بہ کثرت ہوگئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان دو چیزوں کا بدل نصف صاع گندم کر دیا۔(سنن ابوداؤد، سنن نسائی)

میت کے سینہ کے برابر کھڑے ہوئے۔

حدیث نمبر۲:

عن ابراهیم قال یقوم الرجل الذی یصلی علی الجنازة عند صدرها.

ابراہیم نخعی نے فرمایا مرد کے جنازہ میں نماز کے لیے سینہ کے برابر کھڑا ہونا چاہیے۔

(طحاوی باب الرجل یصلی علی المیت این ینبغی ان یقوم منه)

(۳۰)......شہید کا جنازہ پڑھا جائے

حدیث نمبر۱:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أُتِيَ بِهِمْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ فَجَعَلَ يُصَلِّي عَلَى عَشَرَةٍ عَشَرَةٍ وَحَمْزَةُ هُوَ كَمَا هُوَ وَيُرْفَعُونَ وَهُوَ كَمَا هُوَ مَوْضُوعٌ (ابن ماجہ، ص ۱۱۰ باب ما جاء فی الصلوٰة علی الشهداء)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لایا جاتا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (شہداء احد کو) احد کے دن، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر دس دس کر کے نماز جنازہ پڑھتے رہے۔ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ وہ اسی طرح رکھا رہا۔ لوگ دوسروں کو اٹھاتے (یعنی جن کی نماز جنازہ ادا ہو چکی تھی) اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ (یعنی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جنازہ کو اٹھایا نہیں گیا تھا سب سے آخر میں اٹھایا گیا)۔

حدیث نمبر۲:

عن ابی مالك الغفاری ان النبی صلی الله علیه وسلم صلّٰی علٰی قتلٰی احد عشرةً عشرة فی کل عشرة حمزة حتی صلّٰی علیه سبعین صلوٰة.

(مراسیل ابوداؤد، ص ۱۸۔ طحاوی، ج ۱ ص ۳۳۸، باب الصلوٰۃ علی الشہداء)

حضرت ابو مالک الغفاری سے مروی ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد پر دس دس (اکٹھا) کر کے نماز جنازہ پڑھائی۔ ہر دس میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی ہوتے تھے۔ حتی کہ ان پر ستر مرتبہ نماز جنازہ پڑھی گئی۔

(۳۱)......اونٹوں کی زکوٰۃ کا طریقہ

حدیث نمبر ا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر اونٹ ایک سو بیس سے بڑھ جائیں تو حساب نئے سرے سے شروع ہوگا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۲۵۔ بیہقی ج ۴ ص ۹۲ کتاب الزکاۃ۔ فتح القدیر ج ا ص ۴۹۸ باب صدقہ السوام کتاب الاموال ابوعبید ص ۳۶۳)

حدیث نمبر ۲:

حماد بن سلمہ فرماتے ہیں کہ میں نے قیس بن سعد سے کہا کہ آپ میرے لیے محمد بن عمرو کی کتاب لیں، تو اس نے مجھے ایک کتاب دی اور یہ بھی کہا کہ اس نے یہ کتاب ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے لی ہے۔ اور یہ کتاب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دادا کے لیے لکھوائی تھی۔ حماد بن سلمہ کہتے ہیں کہ جب میں نے اسے پڑھا تو اس میں اونٹوں کی زکوٰۃ کے نصاب کا بیان تھا۔ پھر حدیث کو بیان کرتے ہوئے ایک سو بیس اونٹوں کے نصاب تک پہنچ گئے (آگے یوں تھا) اور اگر اس مقدار سے زیادہ ہو جائے تو ہر پچاس اونٹوں میں ایک حقہ ہوگا (یعنی تین سال کی اونٹنی ہوگی) اور جو زیادہ ہوگا تو اسے اونٹوں کے پہلے حساب کی طرف لوٹایا جائے گا اور اگر اونٹ پچیس سے کم ہوں تو ان میں بکری ہے، یعنی ہر پانچ اونٹوں میں ایک بکری ہوگی۔ اور زکوٰۃ میں زیادہ بوڑھا اور عیب دار جانور دینا درست نہیں۔

(مراسیل ابوداؤد۔ شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۳۴۸، ۳۴۹ کتاب الزیادات باب الزکاۃ فی الابل السائمہ)

(۳۲)......گھوڑوں کی زکوٰۃ (اگر کسی نے نسل کشی کے لیے نر اور مادہ اکٹھے کیے ہوں تو اس پر ان کی زکوٰۃ لازم ہوگئی)

حدیث نمبر ا:

عَنْ جابر قال قال رسول الله صلی علیه وسلم فی الخیل السائمة فی کل فرس دینار. (نصب الرایہ، ج ۲ ص ۳۵۷۔ دارقطنی ج ۲ ص ۱۲۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ چرنے والے گھوڑوں میں سے ہر گھوڑے میں ایک دینار ہے۔

حدیث نمبر۲:

سائب بن یزید نے زہری کو خبر دی کہ میں نے اپنے والد کو دیکھا کہ وہ گھوڑے کی قیمت لگا کر اس کی زکوٰۃ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیتے ہیں۔ (دارقطنی ج ۲ ص ۱۲۶)

(۳۳)......تجارتی غلاموں کی طرف سے آقا صدقہ فطر ادا نہ کرے

جو غلام تجارت کے لیے ہوں احناف کے یہاں ان کا صدقہ فطر آقا نہیں نکالے گا کیونکہ ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔ عطاء، سفیان ثوری اور ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

ہمارے نزدیک آقا پر صدقہ فطر کا وجوب اپنے مملوک کے سبب سے ہوتا ہے جیسے زکوٰۃ کا وجوب اس پر ممالیک تجارت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اب اگر تجارتی ممالیک کے سبب سے آقا پر صدقہ فطر واجب کیا جائے تو اس کو زکوٰۃ اور صدقہ فطر دونوں کا بار اٹھانا پڑے گا حالانکہ ایک سال میں مکرر خرچہ (یعنی دو بار صدقہ دینا) شرعاً ممنوع ہے۔ چنانچہ ابن ابی شیبہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لاثناء فی الصدقۃ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ ایک سال میں (مکرر) دوبارہ نہ لیا جائے گا۔

اور یہ ظاہر ہے کہ تجارتی ممالیک کچھ رکھنے کے واسطے عیال نہیں کیے گئے بلکہ مانند نفیس اموال تجارت کے ہیں۔

(۳۴)......صدقہ فطر کی مقدار

حدیث نمبر۱:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں لوگ صدقہ فطر لگاتے تھے ایک صاع جَو یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع کشمش۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت آیا اور گندم بہ کثرت ہوگئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان دو چیزوں کا بدل نصف صاع گندم کر دیا۔ (سنن ابوداؤد، سنن نسائی)

حدیث نمبر۲:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا نصف صاع گندم یا ایک صاع کھجور یا جو (صدقہ فطر ہے)۔(مصنف ابن ابی شیبہ ج۴ص۳۶)

(۳۵)......عورت اپنے خاوند کوزکوٰۃ نہ دے

حدیث نمبر۱:

ابراہیم بن ابوحفصہ بیان کرتے ہیں میں نے سعید بن جبیر سے دریافت کیا کیا میں زکوٰۃ میں سے اپنی خالہ کوادائیگی کرسکتا ہوں انہوں نے جواب دیا جی ہاں جب کہ تم ان پر دوازہ بند نہیں کرتے ان کی مراد یہ تھی کہ جب وہ تمہارے زیر کفالت نہ ہوں۔

(مصنف عبدالرزاق مترجم ج۳ص۱۲۳)

حدیث نمبر۲:

عن ابن عباس قال لا بأس ان تعجل زكوتك في ذوي قرابتك مالم يكونوا في عيالك.

(مصنف ابن ابی شیبة ج۲ ص۴۱۲، مصنف عبدالرزاق ج٤ ص۱۱۲)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جو قریب کے رشتہ دار ہوں اور ااس کی قدرتی طور پر کفالت بھی کرتا ہوتو اس کوزکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

نوٹ: باپ، دادا، دادی، ماں، نانا، نانی اصول ہیں، اور بیٹا، پوتا، فروع ہیں۔آسان بات یہ ہے کہ آدمی کی نہ اوپر نسل میں زکوٰۃ لگتی ہے اور نہ نیچے نسل میں۔اسی طرح خاوند اپنی بیوی کواور بیوی اپنے خاوند کوزکوٰۃ نہیں دے سکتی۔

(تفصیل کے لیے دیکھئے **شرح معانی الآثار طحاوی جلد اول باب المرأة هَلْ يَجُوْزُ لَهَا اَنْ تُعْطِيَ زَوجَهَا مِن زَكٰوةِ مَا لَهَا اَم لاَ**)

حدیث نمبر۳:

سفیان ثوری بیان کرتے ہیں آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ ایسے شخص کونہیں دے گا جس کے اخراجات وہ ادا کرتا ہوجس کا تعلق اس کے رشتہ داروں سے ہو۔الحدیث

(مصنف عبدالرزاق مترجم جلد۳ص۱۲۴)

(۳۶)......صدقہ فطر صاحب نصاب (یعنی مال دار) پر واجب ہے

حدیث:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو ان سے فرمایا: تم عنقریب اہل کتاب کی قوم کی طرف جاؤ گے سو جب تم ان کے پاس جاؤ تو پہلے ان کو یہ دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ پس اگر وہ اس دعوت میں تمہاری اطاعت کرلیں تو پھر ان کو یہ خبر دینا کہ اللہ نے ان پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، پس اگر وہ اس میں تمہاری اطاعت کرلیں تو پھر ان کو یہ خبر دینا کہ اللہ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مال دار لوگوں سے لی جائے گی اور ان کے فقرا کی طرف لوٹا دی جائے گی۔ پس اگر وہ اس میں تمہاری اطاعت کرلیں تو تم ان کے اموال میں عمدہ چیزوں سے اجتناب کرنا اور مظلوم کی دعا سے ڈرنا کیوں کہ مظلوم کی دعا اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔ (بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب اخذ الصدقۃ من الاغنیاء)

(۳۷)......مسلمان آقا اپنے کافر غلام کی طرف سے بھی صدقہ فطر ادا کرے

حدیث نمبر ا:

عبداللہ بن ثعلبہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صدقہ فطر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو یا نصف صاع گندم ہر چھوٹے اور بڑے مرد اور عورت آزاد اور غلام کی طرف سے ادا کرو۔

(سنن دار قطنی مترجم جلد سوم ص ۳۴۹ حدیث نمبر ۲۰۷۸، سنن ابوداؤد مترجم جلد اول ص ۶۰۷، حدیث نمبر ۱۶۰۸)

یہ حدیث مطلق ہے اس میں مسلم اور کافر کی کوئی تمیز نہیں ہے لہٰذا جس طرح مولیٰ پر مسلمان غلام کی طرف سے صدقہ فطر نکالنا واجب ہے اسی طرح عبد کافر کی طرف سے نکالنا بھی واجب ہے۔

حدیث نمبر۲:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ فطر ہر چھوٹے اور بڑے مرد اور عورت یہودی اور عیسائی (غلام) آزاد اور غلام کی طرف سے ادا کیا جائے گا۔ جو گندم کا نصف صاع ہوگا یا کھجور کا ایک صاع ہوگا یا جو کا ایک صاع ہوگا۔ (سنن دار قطنی کتاب زکوٰۃ الفطر)

اس حدیث میں یہودی اور عیسائی سے غلام مراد ہے۔

حدیث نمبر۳:

حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں آدمی اپنے غلام کی طرف سے بھی صدقہ فطر ادا کرے گا خواہ وہ غلام مجوسی ہو۔ (سنن دار قطنی مترجم جلد سوم ص ۳۵۵)

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ فقہ حنفی کا مسئلہ حدیث کے مطابق ہے نہ کہ مخالف۔

(۳۸)......شک کے دن نفلی روزہ رکھنا

حدیث:

روایت ہے ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ رکھو روزہ ایک دن یا دو دن پیشتر رمضان سے بہ نیت استقبال مگر یہ کہ موافق ہو جاویں وہ دن یعنی آخر شعبان کے کسی روزے کے کہ ہمیشہ رکھتا تھا اور آخر شعبان میں وہی دن واقع ہو تو کچھ مضائقہ نہیں اور روزہ رکھو چاند رمضان کا دیکھ کر اور افطار کرو شوال کا چاند دیکھ کر سو اگر بدلی ہو جاوے تو پورے تیس گن لو پھر روزہ موقوف کرو۔

امام ترمذی یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: حدیث ابو ہریرہ کی حسن ہے صحیح ہے اسی پر عمل ہے اہل علم کا مکروہ کہتے ہیں ایک دو دن رمضان سے پہلے رمضان کی تعظیم اور اقبال کی نیت سے روزے رکھنے کو اور اگر کوئی دن ایسا آ جائے کہ اس میں ہمیشہ روزہ رکھتا ہو تو مضائقہ نہیں ان کے نزدیک۔ (ترمذی باب ما جاء لا تقدم الشھر بصوم)

(۳۹)......فقہ حنفی میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنا حرام ہے اگر کسی نے قربانی کے دن روزہ رکھنے کی نذر مانی پھر اگر نہ رکھا تو اس کی قضا کرے

یہاں پر دو مسئلہ ہیں ایک یہ کہ عید کے روز روزہ رکھنا حرام ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر کسی نے اس دن کے روزے کی نذر مانی تو اس کا کیا حکم ہے؟

حدیث نمبر ا:

ابوعبید مولیٰ ابن ازہر بیان کرتے ہیں کہ میں عید کے دن حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ آئے، نماز پڑھی، پھر فارغ ہو کر لوگوں کو خطبہ دیا اور کہا ان دو دنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ ایک وہ دن جس میں تم روزوں کے بعد افطار کرتے ہو۔ ایک وہ دن جس میں تم اپنی قربانیوں کا گوشت کھاتے ہو۔

(مسلم کتاب الصیام، باب تحریم صوم یومی العیدین)

حدیث نمبر ۲:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم اضحیٰ اور یوم فطر دو دن کے روزوں سے منع فرمایا۔ (مسلم کتاب الصیام)

حدیث نمبر ۳:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ دو دن کے روزوں سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم کتاب الصیام)

حدیث نمبر ۴:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دن کے روزے رکھنے سے منع فرمایا۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ (مسلم کتاب الصیام)

ان احادیث کے پیش نظر حنفی علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا روزہ رکھنا حرام ہے۔

دوسرا مسئلہ:

اگر کسی نے بقر عید کے دن روزہ رکھنے کی نذر مانی تو اس کا حکم کیا ہے۔

اما ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نذر تو منعقد ہو جائے گی مگر اس کی قضاء لازم ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے پیر کے دن روزے کی نذر مانی (کیوں کہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیر کا روزہ رکھا کرتے تھے) اور اتفاق سے اس دن عید ہوگئی تو اس دن روزہ رکھنا بالاجماع جائز نہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس روزے کی بھی کسی اور دن قضاء لازم ہے۔ (امام صاحب کا یہ مسئلہ ان چار احادیث کے مطابق ہے جو اوپر گزریں۔

مسئلہ کی وضاحت:

اگر کسی نے لاعلمی کی وجہ سے یا اتفاقیہ اس دن عید کا دن آ گیا تو وہ شخص اپنی نذر اس دن پوری نہ کرے اس نذر کا روزہ اس کے ذمہ ہے۔ کیوں کہ جب نذر مان لی تو اس کے ذمہ واجب ہوگئی۔ اور نذر کا پورا کرنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ ''اور اپنی نذریں پوری کریں'' (الحج:۲۹)

مسلم شریف کتاب النذر کی حدیث میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی نذر مانی وہ شخص اس عبادت کو کرے اور جس شخص نے گناہ کرنے کی نذر مانی وہ اس گناہ کو نہ کرے۔

نذر کو پورا کرنے کا ذکر بہت سی احادیث میں موجود ہے ہم نے جو حدیث ذکر کی ہے۔ اس میں صراحت موجود ہے کہ جس شخص نے عبادت کی نذر مانی تو وہ اس کو پورا کرے تو روزہ عبادت ہے۔ لہٰذا ایسا شخص جس نے روزے کی نذر مانی ہو وہ اس کو پورا کرے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ جس دن کی اس نے نذر مانی تھی اس دن عیدالاضحیٰ ہے۔ (یا اس دن عیدالاضحیٰ اتفاقیہ آ گئی ہے) تو وہ شخص کیا کرے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے مسئلے کا حل قرآن وحدیث کی

روشنی میں یہ بتایا ہے کہ وہ شخص بقرعید کے روز روزہ نہ رکھے کیوں کہ حدیث میں منع ہے۔اور اس روزے کی قضا کسی اور دن کرلے۔ایسے اس کی وہ نذر پوری ہو جائے گی۔ بالفرض محال اگر کسی نے لاعلمی کی وجہ سے یا غلط فہمی کی بنا پر جیسا کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کام پورا ہوتے ہی وہ نذر ادا کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اور اسی شکل میں پورا کرنے کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ جس طرح انہوں نے مانی تھی۔اوران کا نظریہ یہ ہوتا ہے کہ اگر ہم نے ایسانہ کیا تو سارا کام خراب ہو جائے گا۔ایسا شخص اگر اپنی نذر پورا کرنے کے لیے بقرعید کے دن ہی روزہ رکھ لیتا ہے۔تو اس کی نذر پوری ہوئی یا نہیں۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کو ایسا کرنا نہیں چاہیے تھا۔اب یہ کر چکا تو اس کی نذر پوری ہوگئی۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مسئلہ قرآن وحدیث کے مطابق ہے اگر کوئی شخص اس بات کو تسلیم نہیں کرتا اس کے ذمہ ہے کہ وہ قرآن وحدیث سے ایسے شخص کا حکم واضح کرے اور یہ بتائے کہ اس کی نذر ادا نہیں ہوئی۔ مسلم شریف کے اس باب میں کئی احادیث موجود ہیں جن میں آتا ہے نذر نہیں ماننی چاہیے۔مثلاً یہ احادیث۔

حدیث نمبر ۱:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نذر مت مانا کرو کیوں کہ نذر تقدیر کو ٹال نہیں سکتی یہ صرف بخیل سے مال نکلوانے کا ذریعہ ہے۔

(مسلم کتاب النذر)

حدیث نمبر ۲:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر سے منع کیا اور فرمایا نذر کسی خیر کو نہیں لا سکتی۔ یہ صرف بخیل سے مال نکلوانے کا ذریعہ ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نذر ماننے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔مگر دوسری احادیث میں نذر پوری کرنے کا حکم بھی موجود ہے۔

(دیکھئے حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما مسلم کتاب النذر حدیث نمبر ۴۱۲۲)

یہ یاد رہے کہ فقہ حنفی میں ایسے روزے کی قضا کا فتویٰ ہے۔

(۴۰)......نفلی نماز اور روزہ اگر شروع کر کے توڑ لے تو قضا کرے

قرآن پاک سے ثبوت:

پہلی آیت:

وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ ''اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔'' (سورۃ محمد: ۳۳)

دوسری آیت:

وَرَهْبَانِيَّةَ ۣ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (الحدید: ۲۷)

''انہوں نے رہبانیت کو از خود محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے شروع کیا، ہم نے ان پر رہبانیت فرض نہیں کی تھی، پھر انہوں نے اس کی وہ رعایت نہ کی جو رعایت کرنے کا حق تھا۔

حدیث:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَنَا وَحَفْصَةُ صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اشْتَهَيْنَاهُ فَأَكَلْنَا مِنْهُ فَجَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَدَرَتْنِي إِلَيْهِ حَفْصَةُ وَكَانَتْ ابْنَةَ أَبِيهَا فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّا كُنَّا صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اشْتَهَيْنَاهُ فَأَكَلْنَا مِنْهُ قَالَ اقْضِيَا يَوْمًا آخَرَ مَكَانَهُ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا (نفلی) روزے سے تھیں۔ ہمارے پاس ایک کھانا آیا جسے کھانے کے لیے ہمارا جی چاہا، ہم نے اس سے کچھ کھا لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ یہ واقعہ بیان کرنے میں حضرت حفصہ نے مجھ سے سبقت کی اور آخر وہ اپنے باپ کی بیٹی تھیں۔ کہنے لگیں یا رسول اللہ ہم دونوں روزے سے تھیں ہمارے پاس کھانا آیا، اسے کھانے کے لیے ہمارا جی چاہا اور ہم نے اس میں سے کچھ کھا لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں اس روزے کے بدلہ ایک روزہ رکھو۔

(ترمذی ص ۱۲۹۔ ابوداؤد ج ۱ ص ۲۳۳)

اس حدیث پر امام ترمذی نے اس طرح باب باندھا ہے بَابٌ مَا جَاءَ فِي إِيجَابِ

الْقَضَاءِ عَلَیْہِ اس کا ترجمہ علامہ بدیع الزماں غیر مقلد اس طرح کرتے ہیں: ''باب اس بیان میں کہ جو نفل روزہ توڑ ڈالے اسے قضا واجب ہے۔'' (ترمذی مترجم جلد اول ص ۲۸۵)

(۴۱)......عورت اپنے گھر میں اعتکاف کرے

کتب احادیث سے بعض ازواج مطہرات کا مسجد نبوی میں ایک بار اعتکاف کرنا ثابت ہوا ہے اور یہ حنفیہ کے نزدیک بھی جائز ہے۔ اگرچہ اولیٰ وافضل یہی ہے کہ عورتیں بجائے مسجد جماعت کے اپنے گھر کی مسجد (عورت کی مسجد اس کا گھر ہے یہ مسئلہ حدیث سے ثابت ہے) میں اعتکاف کریں گویا مسجد جماعت میں اعتکاف ان کے لیے مکروہ تنزیہی کے درجہ میں ہوگا۔ اور یہ چیز حنفیہ نے اس واقعہ سے سمجھی ہے۔ جو صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

پہلی حدیث:

امام بخاری روایت کرتے ہیں ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عمرہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے مہینہ کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے۔ پس میں آپ کے لیے (مسجد میں) خیمہ لگا دیتی سو آپ صبح کی نماز پڑھ کر اس خیمہ میں داخل ہوتے پھر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنے لیے خیمہ لگانے کی اجازت مانگی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو اجازت دے دی تو انہوں نے خیمہ لگا لیا۔ پھر جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے اس خیمہ کو دیکھا تو انہوں نے بھی ایک خیمہ لگا لیا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کو یہ خیمے دیکھے تو پوچھا یہ کیا ہیں؟ تو آپ کو بتایا گیا آپ نے فرمایا کیا تمہاری رائے میں ان خیموں کو نیکی کے ارادہ کی وجہ سے لگایا گیا پھر آپ نے اس مہینہ اعتکاف کو ترک کر دیا۔ پھر شوال میں دس دن اعتکاف کیا۔

(بخاری کتاب الاعتکاف)

اس حدیث سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے شوال میں دوبارہ اعتکاف فرمایا مگر کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کی ازواج مطہرات نے بھی دوبارہ اعتکاف فرمایا۔

شیخ ابوبکر رازی کا حوالہ:

اس حدیث کی شرح میں شیخ ابوبکر رازی نے لکھا ہے کہ یہ خیموں والی حدیث بتلاتی ہے کہ عورتوں کے لیے مسجد جماعت میں اعتکاف کرنا مکروہ ہے۔اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ابر ترون بھن (یعنی یہ نیکی وخیر کی بات نہیں ہے) فرمانا پھر آپ کا اس مہینے میں اعتکاف کو بھی ترک کر دینا اپنا خیمہ اٹھوا دینا (جس کے نتیجہ میں انہوں نے بھی اٹھوا لیے) یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناپسندیدگی ہی کی دلیل ہے۔اگر اس طرح اعتکاف میں کوئی حرج نہ ہوتا تو آپ عزم اعتکاف کے بعد نہ خود ترک فرماتے اور نہ ان سے ترک کراتے اس سے واضح ہوا کہ عورتوں کے لیے مساجد میں اعتکاف مکروہ ہے۔

قاضی عیاض مالکی کا حوالہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فعل مذکور پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اس کی مختلف وجوہات بیان کی گئی ہے۔قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ ازواج مطہرات کے اس عمل میں اخلاص کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقرب کا مقصد یا باہمی غیرت، حرص، ریس کا جذبہ یا فخر و مباہات کا خیال بھی شامل ہو گیا ہے۔یا سوچا کہ مسجد میں عام لوگ دیہاتی اور منافقین سب ہی آتے ہیں۔ازواج مطہرات کو ضروری حوائج کے لیے اپنے معتکف سے باہر بھی نکلنا پڑے گا۔اس طرح وہ سب کے سامنے ہوں گی۔ممکن ہے یہ بھی خیال فرمایا ہو کہ ان کے ساتھ رہنے سے اعتکاف کا بڑا مقصد فوت ہو جائے گا جو گھر کے ماحول سے جدا اور تعلقات دنیوی سے کنارہ کش رہنے میں ہے۔پھر ان کے خیمے لگ جانے سے مسجد میں جگہ کی تنگی ہو گئی ہوگی۔اس لیے آپ نے اپنی ناخوشی کا اظہار مجمل جملہ سے فرمایا۔ابر ترون بھن: مطلب یہ ہے کہ جس خیر کے ساتھ بہت سی برائیاں بھی سمٹ آئی ہوں۔وہ ان برائیوں کے ساتھ لائق نہیں۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج٤ ص١٥٥، بحواله غاية السعاية فى حل ما فى الهداية ج٥ ص٣٧٨. ٣٧٩)

علامہ بدرالدین عینی حنفی شارح بخاری کا حوالہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا تھا کہ کیا انہوں نے کسی نیک کام کا ارادہ کیا ہے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ خواتین کے لیے مسجد میں اعتکاف کرنا جائز نہیں ہے کیوں کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ خواتین کا مسجد میں اعتکاف کرنا نیکی اور طاعت نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج۱ص ۲۱۱۔۲۱۲)

دوسری حدیث:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت کا گھر میں نماز پڑھنا اس کے حجرہ میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اور اس کا کوٹھڑی میں نماز پڑھنا اس کے گھر میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

(سنن ابوداؤد ص۵۷۰، سنن الکبریٰ بیہقی ج۳ ص۱۳۱، مستدرک حاکم ج۱ص۲۰۶، مشکوٰۃ شریف حدیث نمبر ۱۰۶۳، ترغیب وترہیب ج۱ ص۲۲۷، کنز العمال حدیث نمبر ۴۵۱۸۸، مجمع الزوائد ج۲ص۳۴)

جب عورت کا گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے تو اعتکاف بھی گھر ہی میں افضل ہوا۔
فقہ حنفی کا یہ مسئلہ شریعت کے عین مطابق ہے اور کسی حدیث کے خلاف نہیں۔ آج کل کے ماحول کے مطابق تو اس مسئلہ کی بالکل اجازت نہیں دینی چاہیے۔ اخبارات میں ایسی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں کہ اعتکاف میں عورت بیٹھی اور اور کوئی مرد نکال کر لے گیا۔ یا عورت خود نکل گئی۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔

(۴۲)......عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے تین دن رات کی مسافت کا

حدیث نمبر۱:

عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تسافر المرأة ثلاثا الا و معها ذو محرم (مسلم ج۱ ص۴۳۲، باب سفر المرأة مع محرم الى حج وغيره)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت نہ سفر کرے تین دن کا مگر اس کے ساتھ اس کا محرم ہو۔

حدیث نمبر۲:

عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یحل لامرأة تؤمن باللہ والیوم الآخر تسافر مسیرة ثلاث لیال الا و معھا ذو محرم. (مسلم ج۱ص۴۳۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال نہیں ہے کسی عورت کے لیے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے کہ وہ تین راتوں کی مسافت کا (اکیلے) سفر کرے۔ مگر اس کے ساتھ اس کا محرم ہو۔ (یعنی محرم کے ساتھ سفر کرے تنہا سفر نہ کرے)

حدیث نمبر۳:

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل لامرأة تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تسافر سفرًا یکون ثلاثة ایام فصاعدً الا و معھا ابوھا او ابنھا او زوجھا او اخوھا او ذو محرم منھا.

(مسلم ج۱ ص٤٣٤، ترمذی ج۱ ص۱۸۸ باب ما جاء فی کراھیة ان تسافر المرأة وحدھا)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر یقین رکھتی ہو اس کے لیے اس کے باپ بیٹے، بھائی، خاوند یا کسی اور محرم کے بغیر تین دن کا سفر جائز نہیں ہے۔

(۴۳)......احرام کی حالت میں مرنے والے کا سر ڈھانپنا

حدیث:

عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَفَّنَ ابْنَهُ وَاقِدَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ وَقَدْ مَاتَ مُحْرِمًا بِالْجُحْفَةِ وَخَمَّرَ رَأْسَهُ

(مؤطا إمام محمد، باب تكفين المحرم، ص۲۳۷)

حضرت نافع سے مروی ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹے واقد بن عبداللہ کو کفن دیا جو کہ حالت احرام میں جحفہ مقام میں فوت ہو گئے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ نے ان کا سر ڈھانپا۔

(۴۴)......قارن دو طواف کرے اور دو سعی کرے

حدیث نمبر ۱:

ابی نصر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں میں نے حج کا احرام باندھا پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملا تو میں نے آپ سے دریافت کیا کہ میں نے حج کا احرام باندھا ہے تو کیا میں اس پر عمرہ کا احرام اضافہ کر سکتا ہوں؟ فرمایا نہیں ہاں اگر تم نے عمرہ کا احرام باندھا ہوتا تو اس پر حج کا احرام اضافہ کر سکتے تھے۔ ابی نصر بیان کرتے ہیں کہ پھر میں نے آپ سے پوچھا کہ پھر جب میرا حج وعمرہ دونوں کا ارادہ ہو تو مجھے کیا کرنا چاہیے۔ فرمایا اول غسل کر لو پھر دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھو اور اہر ایک کے لیے ایک ایک طواف کرو۔ (طحاوی، باب طواف القارن، ج ۱ ص ۴۷۲)

حدیث نمبر ۲:

عن زیاد بن مالك عن علي وعبد الله قالا القارن يطوف طوافين ويسعٰى سعيين. (طحاوی ج ۱ ص ۴۷۲)

زیاد بن مالک حضرت علی اور عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ دونوں نے فرمایا کہ قارن دو طواف کرے اور دو سعی کرے۔

(۴۵)......ذمی کافر کا مسجد میں داخلہ

حدیث نمبر ۱:

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ثقیف کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد میں ٹھہرایا تا کہ ان کے دل نرم ہوں، انہوں نے یہ شرط رکھی کہ وہ جہاد میں شریک نہیں ہوں گے، زکوٰۃ نہیں دیں گے اور نماز نہیں پڑھیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہاد میں نہ شریک ہونے اور زکوٰۃ نہ دینے کی تمہیں رخصت ہے۔ لیکن اس دین میں کوئی خیر نہیں جس میں نماز نہ ہو۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۷۲)

حدیث نمبر۲:

حسن بصری سے روایت ہے کہ ثقیف کا وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مسجد کے پچھلے حصہ میں ان کے لیے خیمہ لگوادیا تاکہ وہ مسلمانوں کی نماز اور ان کے رکوع اور سجود کو ملاحظہ کریں۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ آپ انہیں مسجد میں ٹھہرا رہے ہیں، حالانکہ یہ مشرکین ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: بنوآدم نجس ہوتے ہیں زمین نجس نہیں ہوتی۔
(مراسیل ابی داؤد ص ۶، شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۷)

حدیث نمبر۳:

ابوالزبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ کی تفسیر میں فرماتے تھے کہ غلام یا ذمی مسجد حرام میں جاسکتا ہے۔
(مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۵۳)

حدیث نمبر۴:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس سال کے بعد ہماری اس مسجد میں کوئی مشرک داخل نہ ہو۔ البتہ جن مشرکوں سے معاہدہ ہے یا ان کے خدام۔ وہ داخل ہوسکتے ہیں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۹۲)

(۴۶)......رمی طلوع فجر کے بعد کرے

روایت ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم بنی عبدالمطلب کے بچوں کو خچروں پر سوار کر کے آگے روانہ کر دیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری رانوں کو ہاتھ لگاتے اور فرماتے تھے۔ بچو سورج نکلنے سے پہلے جمرہ کو کنکر نہ ماریو۔
(ابو داؤد، نسائی، ابن ماجه (مشکوٰة باب: الدفع من عرفة فصل ثانی)

تشریح:

یعنی تم اگرچہ رات ہی میں منیٰ پہنچ جاؤ گے مگر جمرہ کی رمی آفتاب نکلنے کے بعد کرنا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں پو پھٹنے کے بعد رمی جائز ہے مگر امام صاحب کے ہاں مستحب یہی ہے کہ آفتاب نکلنے کے بعد رمی کی جائے یہ حدیث امام صاحب کی دلیل ہے۔

(۴۷)......بکری کو قلادہ ڈالنا سنت نہیں

اس مسئلہ میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے بعض فرماتے ہیں کہ بکری کو قلادہ ڈالنا سنت ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ سنت تو نہیں صرف جائز ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ بکری کو قلادہ ڈالنا تو ثابت ہے مگر وہ ہدی کی نہیں تھی۔ فقہائے کرام کے درمیان اختلاف کی وجہ اس مسئلہ میں قرآن وحدیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو چیز مروی ہے اس کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اس وجہ سے علمائے احناف میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ سنت ہے اور بعض مستحب و جواز کے قائل ہیں۔ اس مقام پر صاحب ہدایہ نے صرف سنت ہونے کی نفی کی ہے۔ مستحب یا جواز کی نہیں۔ کیوں کہ جس حدیث میں بکری کو قلادہ ڈالنے کا ذکر ہے حنفیہ اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اس روایت میں غنم کا ذکر اسود بن یزید رضی اللہ عنہ کا تفرد ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حج میں صرف بکریاں لے جانا ہی ثابت نہیں بلکہ اونٹ لے جانا بھی ثابت ہے۔ دوسرے علامہ انور شاہ صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہ قلادے بکریوں کے لیے تیار ہورہے تھے تب بھی اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ تقلید سے مراد تقلید نعلین ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ نعلین کے بغیر محض اون کے قلادہ ڈالنا بھی پیش نظر تھا اور عندالحنفیہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

(بحوالہ درس ترمذی جلد۳ ص ۱۷۵۔۱۷۶)

نوٹ:

اس روایت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرنے والے متعدد حضرات تابعین ہیں۔ عروہ بن زبیر، عمرہ بنت عبدالرحمٰن، قاسم ابوقلابہ، مسروق اور اسود رحمہم اللہ ان تمام حضرات میں صرف اسود ہی غنم کا ذکر کرتے ہیں اور کسی بھی روایت میں غنم کا ذکر نہیں ہے بلکہ **کنت أفتل قلائد هدی رسول الله صلی الله علیه وسلم** یا اس جیسے الفاظ مروی ہیں۔ تمام روایات کے لیے دیکھئے صحیح مسلم ج ا ص ۴۲۵ باب استحباب بعث الهدی الی الحرم، جو لوگ اسود کا تفرد نہیں مانتے وہ سنت کے قائل نہیں۔

علامہ شامی حنفی نے لکھا ہے کہ شکرانے کی قربانی مثلاً تمتع میں بکری کو ہار ڈالنا مستحب ہے۔ (رد المحتار ج۲ ص۳٤)

علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں: ثانیاً احناف نے اس کے سنت ہونے کی نفی کی ہے جواز کی نفی نہیں کی۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج۱۰ ص۴۲)

بہرحال کچھ بھی ہو حنفی بکری کے قلادہ ڈالنے کے قائل ہیں اور حنفی مذہب حدیث کے مطابق ہے مخالف نہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے درس ترمذی جلد۳ ص۱۷۴ تا ۱۷۷)

(۴۸)......محرم اگر زیتون کا تیل لگائے تو دم واجب ہوگا

حدیث:

ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو احرام کی حالت میں خوشبو استعمال نہ کرو۔ مہندی کو ہاتھ نہ لگا اس لیے کہ یہ بھی خوشبو ہے۔

(معجم کبیر طبرانی، معرفت السنن والآثار للبیہقی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خوشبو کا استعمال حالت احرام میں ممنوع ہے۔ اس حدیث کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث میں آیا ہے کہ حالت احرام میں خوشبو لگانا منع ہے۔

علامہ کاسانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ جو چیزیں بدن پر لگائی جاتی ہیں وہ تین قسم کی ہیں۔

(۱)......ایک قسم وہ ہے جو محض خوشبو ہے اور وہ خوشبو لگانے کے لیے تیار کی جاتی ہے۔ مثلاً کستوری، کافور، عنبر وغیرہ۔ ایسی چیزوں کا استعمال خواہ کسی طرح ہو، کفارہ واجب ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ فقہاء رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے کہ اگر کسی (محرم) نے کسی خوشبو کو بطور دوا آنکھ میں بھی لگایا تو اس پر کفارہ واجب ہوگا۔ (یہ اصل خوشبو کا حکم ہے)

(۲)......ان چیزوں کی ایک قسم وہ ہے کہ وہ فی نفسہٖ خوشبو نہیں، نہ اس پر خوشبو کا حکم ہوتا ہے اور نہ کسی طرح خوشبو بنتی ہے۔ (جب تک کہ خود اس میں خوشبو ملا کر اس کو تیار نہ کیا جائے) مثلاً چربی، پس ایسی چیز کو (محرم شخص) خواہ کھائے یا ملے یا پاؤں کے پھٹنوں میں ڈالے تو کفارہ واجب نہ ہوگا۔

③......اوران کی ایک قسم وہ ہے کہ فی نفسہٖ تو خوشبو نہیں لیکن وہ خوشبو کی بنیاد (یعنی مادہ) ہے وہ خوشبو کے طور پر بھی استعمال کی جاتی ہے اور دوا کے طور پر بھی استعمال کی جاتی ہے (بلکہ کھانے پینے میں بھی استعمال کی جاتی ہے) مثلاً روغن زیتون (یعنی زیتون کا تیل) تلوں کا تیل، ایسی چیزوں میں استعمال کا اعتبار ہے۔ پس اگر اسے بدن پر تیل استعمال کرنے کے طور پر استعمال کیا گیا تو وہ خوشبو کے حکم میں قرار دیا جائے گا اور اگر اسے خوراک میں یا پاؤں کے پھٹنوں میں استعمال کیا گیا تو وہ خوشبو کے حکم میں نہیں قرار دیا جائے گا۔
(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۲ ص ۱۹۰)

ہدایہ باب الجنایات میں ہے:

پھر اگر محرم نے زیتون کا تیل لگایا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس پر دم واجب ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ روغن زیتون خوشبو کی اصل ہے اور ایک طرح کی خوشبو سے خالی نہیں ہے اور یہ تیل جوں کو مار ڈالتا ہے۔ بالوں کو نرم کرتا ہے اور میل کچیل و پراگندگی کو ختم کرتا ہے لہٰذا ان تمام سے مل کر جنایت کامل ہو جائے گی اور دم واجب کر دے گی اور اس کا مطعوم ہونا خوشبو ہونے کے منافی نہیں ہے جیسے زعفران۔

اور یہ اختلاف خالص زیتون اور خالص تلی کے تیل میں ہے، رہی وہ چیز جیسے روغن زیتون سے خوشبو دار کیا گیا ہو جیسے بنفشہ اور چمبیلی وغیرہ تو اس کے استعمال سے بالاتفاق دم واجب ہوگا۔ اس لیے کہ وہ خوشبو ہے۔ اور یہ حکم اس صورت میں ہے جب اسے خوشبو لگانے کے طور پر استعمال کیا ہو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۰۸)

ان عبارات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زیتون کا تیل خوشبو ہے اور خوشبو لگانا محرم کے لیے بہت سی احادیث میں منع ہے۔

حدیث:

حضرت عطاء فرماتے ہیں جب محرم کسی تیل پر ہاتھ رکھے جس میں خوشبو ہو تو اس پر کفارہ لازم ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۰۸)

مولانا صلاح الدین یوسف غیر مقلد لکھتے ہیں:

(۵) یعنی ۱۰ ذوالحجہ کو جمرہ کبریٰ (یا عقبہ) کو کنکریاں مارنے کے بعد حاجی کو تحلل اول (یا اصغر) حاصل ہو جاتا ہے۔ جس کے بعد وہ احرام کھول دیتا ہے اور بیوی سے مباشرت کے سوا دیگر وہ تمام کام اس کے لیے جائز ہو جاتے ہیں جو حالت احرام میں ممنوع ہوتے ہیں۔ میل کچیل دور کرنے کا مطلب یہی ہے کہ پھر وہ بالوں، ناخنوں وغیرہ کو صاف کر لے، تیل، خوشبو استعمال کر لے اور سلے ہوئے کپڑے پہن لے وغیرہ۔ (سعودی قرآن ص ۹۲۰)

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ حالت احرام میں تیل لگانا منع ہے۔

(۴۹)...... تیرہویں ذی الحجہ کے دن زوال سے پہلے رمی کرنے میں کوئی حرج نہیں

حدیث:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اِذَا انْتَفَجَ النَّھَارُ مِنْ یَوْمِ النَّفَرِ فَقَدْ حَلَّ الرَّمْیُ وَالصَّدْرُ. (بیھقی، درایة ص۱۹۹)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تیرہ ذوالحجہ کو جب سورج بلند ہو جائے تو جمرات کی رمی کرنا اور وہاں سے چلے جانا جائز ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تیرہ ذوالحجہ کو رمی کا وقت طلوع شمس کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔

(بحواله اعلاء السنن مترجم جلد۳ ص۱۲۱، غاية السعاية جلد نمبر۶ ص۱۳۲)

(۵۰)......طواف زیارت بارہ ذی الحجہ تک جائز ہے

قرآن مجید میں ہے:

فَکُلُوْا مِنْھَا وَاَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِیْرَ ثُمَّ لْیَقْضُوا تَفَثَھُمْ وَلْیُوفُوْا نُذُوْرَھُمْ وَلْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ (الحج: ۲۸، ۲۹)

پس کھاؤ اس میں سے اور کھلاؤ مصیبت زدہ محتاج کو پھر چاہیے کہ وہ دور کریں اپنے میل کچیل اور پورا کریں۔ اپنی نذروں کو اور طواف کریں اللہ کے پرانے گھر کا۔

ذی الحجہ کی دسویں، گیارہویں اور بارہویں تاریخیں قربانی کے ایام ہیں اور یہی ایام طوافِ زیارت کے بھی ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قربانی پر طواف کا عطف کیا ہے اور معطوف اور معطوف علیہ کا وقت ایک ہوتا ہے لہٰذا جو قربانی کا وقت ہے وہی طوافِ زیارت کا بھی وقت ہوگا اور چوں کہ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲ کی تاریخوں میں قربانی کی جا سکتی ہے۔ اس لیے ان تاریخوں میں طوافِ زیارت بھی کیا جا سکتا ہے۔ ہدایہ میں ہے اور طوافِ زیارت کا اول وقت یوم النحر (یعنی دسویں ذی الحجہ بقرہ عید کا دن) کی طلوع فجر کے بعد ہے۔ کیوں کہ اس سے پہلے رات کا وقت وقوف عرف کا وقت ہے اور طواف اس پر مرتب ہے اور ان ایام میں پہلا دن افضل ہے جیسا کہ قربانی میں ہے اور حدیث میں ہے کہ ان ایام میں پہلا دن افضل ہے۔ فقہ حنفی میں سنت تو یہی ہے کہ دس ذی الحجہ کو طواف زیارۃ کرے۔ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے نہ کر سکے تو ایسا شخص بارہ (۱۲) ذی الحجہ تک کر سکتا ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اور بعضوں نے رخصت دی ہے تاخیر کی اگرچہ آخر ایام منیٰ تک تاخیر کرے۔

(ترمذی ابواب الحج باب ماجاء فی طواف الزیارۃ باللیل)

اس عبارت سے فقہ حنفی کے مسئلہ کی تائید ہوتی ہے اور ایام منیٰ عام حالات میں ۱۲ ذی الحجہ کو ختم ہو جاتے ہیں اکثر حجاج آج کل بھی ۱۲ تاریخ کو حج ختم کر کے گھر آ جاتے ہیں۔

(۵۱)......عرفات کے دن خطبہ حج سے پہلے اذان دینا

ہدایہ میں ہے:

اور ظاہر مذہب (یعنی ظاهر الروایة) میں ہے کہ جب امام منبر پر چڑھ کر بیٹھ جائے تو مؤذن اذان دیں جیسا کہ جمعہ میں ہوتا ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ امام کے نکلنے سے پہلے موذن اذان دے اور انہی سے مروی ہے کہ خطبہ کے بعد اذان دے اور صحیح وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ یعنی (ظاہر الروایت والا مسئلہ) اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب خیمہ سے نکل کر اپنی اونٹنی پر اطمینان سے بیٹھ گئے تھے تو موذنوں نے آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کے سامنے اذان دی تھی اور خطبہ سے فراغت کے بعد موذن اقامت کہے کیوں کہ یہ نماز شروع کرنے کا وقت ہے لہٰذا یہ جمعہ کے مشابہ ہوگا۔

(ہدایہ مترجم ص۲۹۲، جلد۳)

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار لکھتے ہیں:

زوال شمس کے بعد موذن منبر کے سامنے ان دونوں نمازوں کے لیے ایک اذان دے گا اذان کے بعد امام کھڑے ہوکر جمعہ کی طرح خطبہ دے گا پہلے ظہر پڑھے گا پھر وہ عصر کو بلا اذان ظہر کے وقت میں اقامت (تکبیر) کے ساتھ پڑھے گا۔

(المختار شرح کتاب الآثار مترجم ص۲۴۴ حدیث نمبر۳۴۳ کی شرح)

فقہ حنفی کا مسئلہ بالکل صاف ہے اور ہمارا اس مسئلہ پر عمل ہے وہ مولانا حبیب اللہ صاحب نے لکھ دیا ہے اور ہدایہ میں بھی راجح اسی کو کہا گیا ہے۔

(۵۲)......میقات کے اندر اور حدود حرم سے باہر رہنے والے جس جگہ سے چاہیں احرام باندھ سکتے ہیں

ہدایہ میں ہے: جو شخص میقات کے اندر ہو تو اس کا میقات حل ہے یعنی وہ حِل جو مواقیت اور حرم کے درمیان ہے۔ کیوں کہ اس کے لیے اپنے گھروں سے احرام باندھنا جائز ہے اور میقات کے اندر سے حرم تک ایک ہی جگہ ہے۔

مسئلہ کی وضاحت:

حج اور عمرہ کرنے والے اشخاص کی تین قسمیں ہیں:

① آفاقی، آفاقی وہ آدمی ہے جو میقات کی حدود سے باہر رہتا ہو۔ جیسے پاکستانی، مصری، شامی، عراقی، یمنی وغیرہ۔ آفاقی آدمی میقات سے پہلے پہلے احرام باندھے گا۔ بہتر تو یہ ہے کہ وہ اپنے گھر میں سے احرام باندھ لے۔

② حلی: حلی وہ آدمی ہے جو مقام حل میں رہتا ہے۔ حِل کہتے ہیں حدود حرم سے باہر اور میقات کے اندر والی زمین کو، حل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں وہ چیزیں حلال ہیں جو حرم کے

اندرحرام تھیں۔ حِلی آدمی جب حج یا عمرہ کرے گا تو اس کو اپنے گھر ہی سے احرام باندھنا جائز ہے۔ یا حل کے اندر جہاں سے وہ چاہے احرام باندھ سکتا ہے۔

صاحب ہدایہ نے جو یہ مسئلہ لکھا ہے وہ حلی کے لیے ہی لکھا ہے۔ اور فقہ حنفی کا یہ مسئلہ قرآن وحدیث کے مطابق ہے اگر کسی کو اعتراض ہو تو وہ قرآن وحدیث سے اس کے خلاف دلیل پیش کرے۔

③ حَرَمِیْ: حَرَمِی وہ شخص ہے جو زمین حرم میں رہنے والا ہو۔ خواہ مکہ مکرمہ میں رہتا ہو یا مکہ مکرمہ سے باہر حدود حرم میں رہتا ہو حرمی اگر حج کا احرام باندھے گا تو حدود حرم کے اندر ہی سے باندھ لے گا یعنی اپنے گھر سے۔ اور اگر عمرے کا احرام باندھے گا تو اسے حدود حرم سے باہر جانا ہوگا۔ تنعیم یعنی مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا یا جعرانہ کیوں کہ حدیث میں آتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ اپنی بہن کو حرم سے باہر لے جاؤ۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۱۲)

(۵۳)......حالت احرام میں نکاح کرنا جائز ہے

حدیث نمبر ۱:

عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُونَةَ بِنْتَ الْحَارِثِ وَهُوَ مُحْرِمٌ.

(طحاوی، باب نکاح المحرم، ج ۱ ص ۴۶۴۔ نسائی ج ۲ ص ۳۶)

حضرت عطا سے مروی ہے یہ روایت کرتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ بنت حارث سے نکاح کیا اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم محرم (حالت احرام میں) تھے۔

حدیث نمبر ۲:

عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ تَزَوَّجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ. (طحاوی ج ۴ ص ۴۶۵)

حضرت ابو صالح سے مروی ہے یہ روایت کرتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا اس حال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالت احرام میں تھے۔

حدیث نمبر۳:

عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُونَةَ وَهُمَا مُحْرِمَانِ (طحاوی ج۱ص۴۶۵۔نسائی ج۲ص۱۲۶الرخصه فی النکاح للمحرم)

حضرت مجاہد سے روایت ہے یہ روایت کرتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے نکاح اس حال میں کیا کہ دونوں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہ) حالت احرام میں تھے۔

(۵۴)......حالت احرام میں عورت زعفران، عصفر، ورس کے ساتھ رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے

حدیث نمبر۱:

عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلْبَسُوا ثَوْبًا مَسَّهُ وَرْسٌ اَوْ زَعْفَرَانٌ يَعْنِيْ فِي الْاَحْرَامِ

(طحاوی، باب لبس الثوب الذی قد مسه ورس او زعفران فی الاحرام، ج۱ ص۳۹۶)

حضرت سالم سے مروی ہے یہ بیان کرتے ہیں ابن عمر سے یہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مت پہنو ایسا کپڑا جس کو ورس یا زعفران سے رنگا ہو یعنی حالت احرام میں۔

حدیث نمبر۲:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَلْبَسَ مَصْبُوغًا بِزَعْفَرَانٍ أَوْ وَرْسٍ

(نسائی، بَاب النَّهْيُ عَنِ الثِّيَابِ الْمَصْبُوغَةِ بِالْوَرْسِ وَالزَّعْفَرَانِ فِي الْإِحْرَامِ، ج۲ص۷)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ منع فرمایا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ محرم پہنے ایسا کپڑا جو رنگا ہوا ہو ورس سے اور زعفران سے حالت احرام میں۔

حدیث نمبر۳:

عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ قَالَ لَا يَلْبَسُ الْقَمِيصَ وَلَا الْبُرْنُسَ وَلَا السَّرَاوِيلَ وَلَا الْعِمَامَةَ وَلَا ثَوْبًا مَسَّهُ وَرْسٌ وَلَا زَعْفَرَانٌ. (نسائی ج۲ ص۷)

حضرت سالم اپنے والد سے بیان کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ محرم کون سے کپڑے پہنے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ محرم نہ پہنے قمیص اور نہ ٹوپی اور نہ شلوار اور نہ عمامہ اور نہ کوئی ایسا کپڑا کہ چھوا ہو اس کو ورس نے یا زعفران نے۔

(۵۵)......ضبع (بجو) کا گوشت کھانا حرام ہے

عن عاصم بن ضمرة عن علی بن ابی طالب قال نهٰی رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عن کل ذی ناب من السباع وعن کل ذی مخلب من الطیر

(طحاوی ج۲ ص۲۸۳)

حضرت عاصم بن ضمرہ سے مروی ہے یہ روایت کرتے ہیں حضرت علی بن ابی طالب سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے ہر ناخن والے درندے سے اور ہر چونچ والے پرندے سے۔ (طحاوی ج۲ ص۲۸۴)

عن مجاهد عن ابن عباس قال نهٰی رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عن اکل کل ذی ناب من السباع

حضرت مجاہد سے مروی ہے یہ بیان کرتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے ہر ناخن والے درندے کے کھانے سے۔

اور ضبع (بجو) کا شمار ناخن والے درندوں میں ہوتا ہے لہٰذا یہ کھانا منع ہے۔

(۵۶)......آفاقی کے لیے بغیر احرام کے مکہ میں داخلہ منع ہے چاہے حج اور عمرہ کا ارادہ نہ ہو پھر بھی احرام ضروری ہے

مسئلہ کی وضاحت:

آفاقی جب مکہ میں داخل ہونے کے ارادے سے میقات پر پہنچے تو ہمارے یہاں اس پر

احرام باندھنا واجب ہے خواہ وہ حج یا عمرہ کا ارادہ کرے یا نہ کرے اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ کوئی بھی شخص احرام کے بغیر میقات سے تجاوز نہ کرے۔

(بيهقي، سنن الكبرىٰ في كتاب الحج باب من مر بالميقات يريد حجًا او عمرة رقم:٨٩٨٤)

اوراس لیے بھی کہ احرام کا وجوب اس بقعہ شریفہ کی تعظیم کے لیے ہے لہٰذا اس میں حج اور عمرہ کرنے والے اوران کے علاوہ سب برابر ہوں گے۔(احسن الھدایہ)

حدیث نمبر ۱:

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لاَ تَجَاوِزُوا الْمَوَاقِيْتَ بِاِحْرَامٍ

کہ ان مواقیت سے بغیر احرام کے نہ گزرو (ابن ابی شیبہ)

حدیث نمبر ۲:

ابوالشعثاء فرماتے ہیں کہ انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ جو بغیر احرام کے میقات سے گزرتا، ابن عباس رضی اللہ عنہما اسے واپس کر دیتے۔(نصب الرایہ ج ۱ص ۱۷۳)

فقہ حنفی کا یہ مسئلہ ان احادیث کے مطابق ہے۔

(۵۷)......حج اور عمرہ سے رک جانے والا راستے میں ہدی ذبح نہ کرے حرم روانہ کردے

مسئلہ کی وضاحت:

احصار حصر سے بنا بمعنی روکنا و باز رکھنا رب تعالیٰ فرماتا ہے۔اُحصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ جو اللہ کی راہ میں روک دیئے گئے۔(البقرہ:۲۷۳)

شریعت میں احصار یہ ہے کہ انسان بعد احرام حج کرنے پر قادر نہ ہو، مسئلہ احصار میں تین قسم کا اختلاف ہے۔ایک یہ ہے کہ ہمارے امام اعظم کے ہاں دشمن، مرض، خرچہ۔ ہلاک ہو جانے، راستہ میں عورت محرمہ کے محرم مر جانے سے احصار ہو جاتا ہے۔دیگر اماموں کے ہاں احصار صرف دشمن کافر سے ہوگا۔اور کسی وجہ سے نہیں۔دوسری یہ کہ ہمارے مذہب میں

احصار کی قربانی حرم شریف میں ہی بھیجی جائے گی کہ وہاں ذبح ہو دیگر ائمہ کے ہاں جہاں احصار ہو وہاں ہی ذبح کر دی جائے وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانی حدیبیہ میں ہی کر دی تھی۔ ہم کہتے ہیں کہ وہ مجبوراً ہوا کہ وہاں سے حرم تک قربانی لے جانے والا کوئی نہ تھا سب ہی روک دیئے گئے تھے۔ ایسی مجبوری میں ہم بھی کہتے ہیں کہ حِل میں قربانی کر دے یا حدیبیہ کا بعض حصہ حرم میں بھی داخل ہے۔ یہ قربانیاں داخل حرم والے حصہ میں ہوئیں۔ تیسرے یہ کہ ہمارے ہاں محصر پر قضا واجب ہے امام شافعی کے ہاں نہیں مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمرہ قضا ہماری تائید کرتا ہے۔

اس تمہید کے بعد ہدایہ شریف کا یہ مسئلہ آسانی سے سمجھ آ جاتا ہے مگر ہم یہاں اس مسئلہ کے بعض دلائل کا ذکر بھی کرتے ہیں۔

پہلی آیت:

قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ (المائدہ:۹۵)

اور جو تم میں سے جان کر شکار کو قتل کرے تو اس کا بدلہ اس کے مثل ہے جو قتل کیا جانور میں سے اس کا فیصلہ کرے دو انصاف ور آدمی تم میں سے ہدی جو کعبہ تک پہنچنے والی ہو۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

(۴) یہ فدیہ، جانور یا اس کی قیمت کعبہ پہنچائی جائے گی اور کعبہ سے مراد حرم ہے۔ (فتح القدیر) یعنی ان کی تقسیم حرم مکہ کی حدود میں رہنے والے مساکین پر ہو گی۔

دوسری آیت:

فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ

پھر اگر تم روک دیئے جاؤ تو جو میسر ہو اسے بھیج کر حلال ہو جاؤ اور نہ تم منڈواؤ اپنے سر یہاں تک کہ پہنچ جائے ہدی (جانور) اپنے حلال ہونے کی جگہ پر۔ (البقرہ:۱۹۶)

اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے کیوں کہ ہدی اس جانور کا نام ہے جو حرم میں ہدیہ بھیجا جائے۔

تیسری آیت:

لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ''تمہارے ان چوپایوں میں منافع ہیں ایک مقرر وقت تک پھر ان کے حلال (ذبح) ہونے کی جگہ قدیم گھر بیت اللہ کی طرف ہے۔'' (الحج:۳۳)

اس آیت میں بھی ہدی کا محل بیت اللہ بتلایا ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے مراد بعینہٖ بیت اللہ شریف نہیں ہوسکتا کیوں کہ بیت اللہ میں خون نہیں بہایا جاتا معلوم ہوا کہ اس سے مراد حرم محترم ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ ہدی ذبح کرنے کی جگہ حدودِ حرم ہے۔

حدیث:

میمون بن مہربان سے روایت ہے کہ میں عمرہ کرنے کو نکلا جس سال شام والوں نے محاصرہ کیا تھا۔ عبداللہ بن الزبیر کا مکے میں اور میرے ساتھ کئی لوگوں نے میری قوم میں سے ہدی بھیجی تھی جب ہم مکے کے قریب پہنچے تو اہل شام نے منع کیا۔ ہم کو حرم میں جانے سے میں نے اس جگہ اپنی ہدی نحر کی اور احرام کھول ڈالا اور لوٹ آیا۔ جب دوسرا سال ہوا تو پھر میں نکلا اپنا عمرہ قضا کرنے کے واسطے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور ان سے پوچھا انہوں نے کہا ہدی بھی بدل ڈال یعنی دوسری ہدی لا۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو حکم کیا تھا کہ بدل دو عمرہ قضاء میں اس ہدی کا جو انہوں نے نحر کی تھی حدیبیہ میں۔

اس کی شرح میں علامہ وحید الزماں صاحب لکھتے ہیں:

ف۱۰: کیوں کہ وہ ہدی حرم میں ذبح نہیں ہوئی تھی بلکہ باہر حرم کے ذبح ہوئی تھی یہ حدیث بظاہر موید ہے مذہب حنفیہ کو کہ احصار کی حالت میں ہدی ذبح کرنے کے لیے حرم میں بھیجی جائے اور شافعی کے نزدیک جہاں روکا جائے وہیں ذبح کرے۔

(سنن ابوداؤد مترجم جلد دوم ص۶۲ باب الاحصار)

حدیث:

عبدالرحمٰن بن یزید نے فرمایا ہمارے ساتھ ایک آدمی نے عمرہ کا احرام باندھا پس اس کو

بچھو نے کاٹ لیا پس کچھ سوار ظاہر ہوئے ان میں عبداللہ بن مسعود تھے ان سے لوگوں نے پوچھا تو انہوں نے فرمایا ہدی بھیجو اور تمہارے اور ان کے درمیان ایک دن متعین کرلو۔ پس جب وہ دن گزر جائے تو حلال ہو جانا۔ (سنن الکبریٰ بیہقی ج ۵ ص ۳۶۱)

اس اثر سے معلوم ہوا کہ مکہ جانے والے کو ہدی دے دے اور کسی خاص دن کا وعدہ لے لے اور اس دن حلال ہو جائے۔

ان تمام دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ فقہ حنفی کا مسئلہ قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے۔

(۵۸)......حج اور عمرہ سے رک جانے والے کے لیے حلق کرانا مباح ہے

مسئلہ کی وضاحت:

حضراتِ طرفین (امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ) کی دلیل یہ ہے کہ حلق یا قصر حج کی ایک قربت اور عبادت ہے۔ لیکن یہ اسی صورت میں عبادت متحقق ہوتی ہے جب افعال حج پر مرتب ہوتی ہے اور ترتیب کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اور محصر چوں کہ افعال حج ادا ہی نہیں کرتا اس لیے اس کے حق میں حلق یا قصر عبادت نہیں ہوگا اور نہ ہی اسے بجالانا اس پر ضروری (یعنی واجب) ہوگا۔

رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا حدیبیہ کے سال حلق کرانا تو وہ اس وجہ سے تھا کہ مشرکین اور مسلمانوں کے درمیان جو صلح ہوئی ہے وہ موکد ہو جائے اور مشرکین مسلمانوں کی واپسی کے ارادے کو پکا اور مستحکم سمجھ کر اپنے آپ کو مومنین سے مامون سمجھیں اور کسی بھی طرح کی سازش وغیرہ میں نہ ملوث ہوں۔ لہٰذا اس واقعہ کو دلیل بنا کر محصر کے حلال ہونے کے لیے وجوب حلق کا دعویٰ کرنا درست نہیں ہے۔

(احسن الہدایہ جلد ۳ ص ۵۲۵)

دوسرے کافی (حاکم شہید) وغیرہ میں ہے کہ طرفین کے نزدیک حلق نہ کرانا اس صورت میں ہے جب مقام احصار خارج حرم ہو۔ اگر حدودِ حرم میں محصر ہو تو حلق کرائے کیوں کہ ان

کے یہاں حلق موقت بالحرم ہے۔

(غاية السعاية فی حل ما فی الهدایه جلد نمبر ٦ ص ٣٦٠)

(۵۹)......حرم سے باہر اگر جرم کرلے پھر حرم میں آجائے تو حد نہیں ہے

حنفی مسلک کے دلائل:

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ فِيْهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ اِبْرَاهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ آمِنًا

بلاشبہ پہلا گھر جو مقرر کیا گیا لوگوں کے لیے البتہ وہ ہے جو مکہ میں ہے بڑی برکت والا اور ہدایت ہے جہانوں کے لیے اس میں کئی نشانیاں ہیں واضح مقام ابراہیم (وغیرہ) اور جو کوئی داخل ہوا اس میں وہ ہو گیا امن والا۔ (آل عمران: ٩٦۔٩٧)

اس آیت کے تحت مولانا صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

اس میں قتال، خون ریزی، شکار حتی کہ درخت تک کا کاٹنا ممنوع ہے۔ (صحیحین)

(سعودی تفسیر ص ۱۶۲)

مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی لکھتے ہیں:

حرم پاک کی یہ حرمت قانونی ہے کیوں کہ علماء نے اسے صرف خبر کے درجہ میں نہیں بلکہ حکم کے درجے میں رکھ کر یہ قانون نکالا ہے کہ خونی اور قاتل بھی اگر خانہ کعبہ کے اندر پناہ گزین ہو جائے تو اسے وہاں قتل نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن حالات ایسے پیدا کیے جائیں گے کہ وہ حرم کے علاقہ سے نکلے۔ ہاں اگر کوئی شخص حرم ہی میں ارتکاب جرم کرے تو پھر اسے حرم ہی میں سزا دی جا سکتی ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، ان کے صاحبین امام زفر، حسن بن زیاد کی رائے ہے اور یہی صحابہ میں عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر اور عبید اللہ بن عمیر رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سعید بن جبیر، عطاء، طاؤس اور امام شعبی رحمۃ اللہ علیہم کا موقف ہے۔

(تفسیر معالم القرآن پارہ چہارم ص ۹۰)

حدیث نمبر ا:

روایت ہے حضرت ابو شریح رحمۃ اللہ علیہ عدوی سے انہوں نے عمرو بن سعید سے فرمایا جب کہ وہ مکہ معظّمہ پر لشکر بھیج رہا تھا کہ اے امیر مجھے اجازت دے کہ میں تجھے وہ فرمان پاک سناؤں جسے کل فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر فرمایا۔ جسے میرے کانوں نے سنا اور میرے دل نے محفوظ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے آنکھوں نے کلام کرتے وقت دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا کہ مکہ کو اللہ نے حرم بنایا ہے۔ کسی انسان نے نہ بنایا تو کسی بھی اس شخص کو جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو یہ جائز نہیں کہ وہاں خون بہائے اور نہ وہاں کا درخت کاٹے اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاد سے اجازت سمجھے تو اسے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کی اجازت دے دی تھی اور تم کو نہ دی (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا) رب نے مجھے دن کی ایک گھڑی (علماء فرماتے ہیں کہ صبح سے عصر تک) اجازت دی تھی اب آج اس کی حرمت کل کی طرح لوٹ آئی۔ حاضرین غائبین کو پہنچا دیں۔ الحدیث الخ۔ (مشکوٰۃ دم مکہ باب ثالث)

حدیث نمبر ۲:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا سرکش وہ شخص ہے کہ جس نے کسی کو خانہ کعبہ میں قتل کیا یا اپنے قاتل کے سوا کسی دوسرے کو قتل کیا یا جاہلیت کے قتل کے بدلے میں کسی کو قتل کیا۔

(مسند احمد، نیل الاوطار مترجم جلد نمبر ۴ ص ۴۵)

حدیث نمبر ۳:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اگر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قاتل کو خانہ کعبہ میں پکڑ لیتے تو وہ اسے قتل نہ کرتے۔ (نیل الاوطار ج ۴ ص ۴۵)

حدیث نمبر ۴:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس بارے میں یہ تصریح کی ہے کہ اگر کسی مجرم پر شرعی حد نافذ کرنے کا فیصلہ ہو جائے اور وہ اس حد سے بچنے کے لیے خانہ کعبہ میں پناہ لے تو اس کے باوجود اس پر حد قائم کی جائے گی لیکن یہ حد اس وقت قائم کی جائے گی جب حدود حرم سے باہر

آ جائے گا۔ (مسند احمد، بحوالہ نیل الاوطار)

امام شوکانی اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جہاں تک ایسے مجرموں کا تعلق ہے کہ جنہوں نے خانہ کعبہ سے باہر جرائم کا ارتکاب کیا اور شرعی حد سے بچنے کے لیے خانہ کعبہ میں پناہ لی تو اس کے متعلق جمہور علماء کا یہی مسلک ہے کہ ایسے مجرموں پر شرعی حدود کا نفاذ اس وقت کیا جائے کہ جب وہ خانہ کعبہ سے باہر نکلیں۔

(نیل الاوطار اردو جلد نمبر ۴ ص ۴۶)

قرآن وحدیث کے ان دلائل سے واضح ہوا کہ فقہ حنفی کا یہ مسئلہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

(۶۰)......لفظ ہبہ اور تملیک سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے

حدیث نمبر ۱:

ہشام بن عروہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایسی عورتوں کو عار دلایا کرتی تھیں جنہوں نے اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے (بغیر مہر) ہبہ کر رکھا تھا۔ اور فرماتیں کیا عورت کو اس بات سے شرم نہیں آتی کہ وہ اپنے آپ کو بغیر مہر کے (خاوند کے لیے) پیش کر دیتی ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ الآیۃ (الاحزاب:۵۱) نازل فرمائی۔ (یعنی ان میں سے آپ جس کو چاہیں اور جب تک چاہیں اپنے سے دور رکھیں اور جس کو چاہیں اور جب تک چاہیں اپنے نزدیک رکھیں اور جن کو دور کر رکھا تھا ان میں سے پھر کسی کو طلب کریں تب بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں۔ اس میں زیادہ توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی اور وہ غمزدہ نہیں ہوں گی اور جو کچھ بھی آپ ان کو دے دیں گے اس پر سب راضی ہو جائیں گی۔ (مسند احمد) اس کی سند شرط شیخین پر ہے۔ (جوہر النقی)

فائدہ: یعنی یہ آیت ان عورتوں کی حمایت میں اتری جنہوں نے اپنے آپ کو ہبہ کر دیا تھا۔ لہٰذا اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہبہ کرنے سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

حدیث نمبر۲:

ہشام اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے یہ مسئلہ سنایا جاتا (کہ بعض عورتوں نے اپنے آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کر دیا ہے) تو میں کہا کرتی تھی مجھے اس بات سے شرم آتی ہے کہ کوئی عورت اپنے آپ کو بغیر مہر کے کسی مرد کے لیے ہبہ کر دے۔ (طحاوی)

فائدہ:

حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے معلوم ہوتا ہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے محض ترک مہر پر انکار کیا تھا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح بغیر مہر کے بھی منعقد ہو جاتا ہے۔ اس لیے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی کو یہ اعتراض کرنے کا حق نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار سے زائد نکاح کیے اور مہر کے بغیر بھی نکاح کیا۔ کیوں کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہیں۔ اسی طرح صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا اور عتق کو مہر بنایا یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ الغرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت بغیر مہر کے نکاح درست ہونا ہے لیکن لفظ ہبہ سے نکاح کا انعقاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت نہیں۔ اس لیے کوئی اور آدمی لفظ ہبہ سے نکاح کرے تو نکاح منعقد ہو جائے گا (جیسا کہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ کتاب النکاح میں ہے) لیکن مہر بھی لازم ہوگا۔

حدیث نمبر۳:

ابو قلابہ سے مروی ہے کہ ابن مسیب اور دوسرے اہل علم فرمایا کرتے تھے کہ کسی عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور کے لیے ہبہ کر دے ہاں اگر وہ ایک کوڑے کی مقدار مہر پر بھی نکاح کرے تو حلال ہے۔
(مصنف عبد الرزاق)

حدیث نمبر۴:

طاؤس فرماتے ہیں کہ کسی آدمی کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ اپنی بیٹی کو بغیر مہر کے ہبہ کر

دے البتہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کرنا جائز ہے۔

حدیث نمبر ۵:

مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان

وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ (الاحزاب:۵۰)

(یعنی مسلمان عورت اپنے آپ کو بغیر عوض کے پیغمبر کو دے دے۔) میں مراد بغیر مہر کے ہبہ کرنا ہے۔

حدیث نمبر ۶:

عطاء سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی عورت اپنے آپ کو کسی مرد کے لیے ہبہ کر دے تو اس کا کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ مہر کے ساتھ ہی درست ہوگا۔ اور عطاء ہی فرماتے ہیں کہ بغیر مہر کے ہبہ کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص تھا۔

حدیث نمبر ۷:

حکم اور حماد سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیٹی کسی شخص کو بغیر عوض کے دے دے تو اس کا کیا حکم ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ مہر کے ساتھ ہی جائز ہے۔

نوٹ:

اوپر کی پانچ روایات کو ابن ابی شیبہ نے بھی مصنف میں روایت کیا ہے۔

حدیث نمبر ۸:

سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگی یا رسول اللہ! میں اپنے آپ کو آپ کے لیے ہبہ کرنے آئی ہوں۔ لیکن جب عورت نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مسئلہ میں کوئی فیصلہ نہیں فرما رہے تو بیٹھ گئی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ کو اس کی حاجت نہیں تو میرا اس سے نکاح کر دیجیے (طویل حدیث ذکر کرنے کے بعد راوی کہتے ہیں کہ) تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جا میں نے تجھے اس کا مالک بنایا اس قرآن کے عوض جو تیرے پاس ہے۔

فائدہ:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لفظ ہبہ اور لفظ تملیک سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے لیکن مہر لازم ہوگا۔ (ماخوذ اعلاء السنن مترجم جلد نمبر ۳ ص ۳۳۴، ۳۳۶)

(۶۱)......نکاح کے گواہوں میں عدالت شرط نہیں

فقہ حنفی میں عام قانون تو عادل ہی کی گواہی قبول کرنے کا ہے کیونکہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے: وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ذٰلِكُمْ یُوْعَظُ بِهٖ (الطلاق:۲) اور تم گواہ بنالو دو صاحبِ عدل آدمی اپنوں میں سے اور قائم کرو گواہی اللہ کے لیے یہ حکم ہے وہ کہ نصیحت کی جاتی ہے اس کی۔

اور حدیث شریف میں ہے:

عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیانت کرنے والے مرد خیانت کرنے والی عورت اور اپنے بھائی سے بغض و کینہ رکھنے والے کی گواہی کو رد کیا اور گھر کے خادم کی گواہی گھر والے کے لیے اور اس کے علاوہ کی گواہی جائز قرار دی۔ (سنن ابوداؤد، کتاب القضاء باب من ترد شہادتہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عادل کی گواہی قبول کرنی چاہیے۔ خائن اور فاسق کی گواہی قبول نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن نکاح کا معاملہ تھوڑا آسان ہے کہ اکثر و بیشتر گواہ بنتا ہے۔ لیکن قاضی کے سامنے شادی کی گواہی دینے کی ضرورت نہیں پڑھتی۔ اس لیے اگر کسی نکاح میں فاسق بھی گواہ بن جائے تو نکاح درست ہو جائے گا۔

حجاج بن یوسف فاسق تھا پھر بھی حاکم بنا اور دوسروں کو قاضی بھی بنایا تو یہ جائز ہو گیا اس لیے فاسق کی گواہی جائز ہو جائے گی۔

فاسق کا مطلب یہ ہے کہ نماز چھوڑنے یا زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی وجہ سے فاسق ہو تو گواہی قبول ہے۔ لیکن اگر جھوٹ بولنے کی وجہ سے فاسق ہوا تو اس کی گواہی قابل قبول نہیں۔ کیوں کہ جھوٹ کی وجہ سے اس بات کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیوں کہ قرآن مجید کی اس آیت میں جھوٹ بولنے سے منع فرمایا گیا ہے: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ

الـــزُّور (الحج: ۳۰) لہٰذا تم بچو بتوں کی ناپاکی سے اور تم بچو جھوٹی بات سے۔ اس آیت میں جھوٹی گواہی کو شرک کے برابر قرار دیا ہے۔

حدیث پاک میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کبیرہ گناہوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، ناحق قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا۔ **(بخاری کتاب الشهادات، باب ما قیل فی شهادة الزور)**

اس حدیث میں بھی جھوٹی گواہی سے منع فرمایا گیا ہے۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں ہم نے فقہ حنفی کے مسئلہ کی کچھ وضاحت کردی ہے۔ فقہ حنفی کا مسئلہ بالکل درست ہے اور آج کل اسی پر عمل ہو رہا ہے اگر نکاح کے گواہ میں عدالت کو شرط قرار دے دیا جائے کہ اس کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا تو بہت مشکلات پیش آئیں گی۔ ہم کہتے ہیں کہ گواہ عادل ہی ہونے چاہییں۔ ہم صرف اس کو شرط قرار نہیں دیتے۔ اور لفظ فاسق کی بھی وضاحت کردی بعض لوگ لفظ فاسق سے دھوکہ دیتے ہیں۔

(۶۲)......دسویں ذی الحجہ کو خطبہ دینا ضروری نہیں

یہاں پر اصل مسئلہ یہ ہے کہ ایام حج میں کل خطبے جو مسنون ہیں وہ کتنے ہیں اور کس کس تاریخ میں ہیں۔ اور خطبہ دینے کا وقت کون سا ہے۔ ان تینوں مسئلوں میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے کیوں کہ اس مسئلہ میں احادیث بہت مختلف ہیں۔ جس کی وجہ سے محدثین میں اختلاف واقع ہوا۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں فقہائے احناف نے جو نظریہ قائم کیا ہے۔ وہ فقہ حنفی کی کتابوں میں دلائل کے ساتھ لکھا ہوا موجود ہے۔

غاية السعاية فی حِل ما فی الهدایه ج نمبر ۶ ص ۸۲ میں ہے:

ایام حج میں کتنے خطبے ہیں؟ اس میں اختلاف ہے، احناف ومالک کے نزدیک تین خطبے ہیں، پہلا خطبہ ذی الحجہ کی ساتویں تاریخ کو مکہ میں دوپہر ڈھلے ظہر کی نماز کے بعد ہے۔ ابن المنذر کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے

ساتویں تاریخ میں خطبہ اور سورۃ براۃ پڑھی۔ (رواہ ابن عمر) (سنن الکبریٰ بیہقی جلد ۵ ص ۱۱۱)

دوسرا خطبہ نویں تاریخ کو عرفات میں ہوتا ہے اس میں وقوف عرفہ، وقوف مزدلفہ۔ ان دونوں سے واپسی، رمی جمرہ عقبہ، ذبح، حلق اور طواف زیارت وغیرہ کی تعلیم ہوتی ہے۔ امام مسلم نے باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے حَتّٰـی اِذَا رَاغَتِ الشَّمْسُ اَمَرَ بِالْقَصْوَآءِ فَرُحِلَتْ لَهٗ فَاَتٰی بَطْنَ الْوَادِیْ فَخَطَبَ حتیٰ کہ سورج ڈھل گیا پھر آپ نے (اپنی اونٹنی) قصواء کو تیار کرنے کا حکم دیا پھر آپ نے بطن وادی میں آ کر لوگوں کو خطبہ دیا۔

تیسرا خطبہ گیارہویں تاریخ کو منیٰ میں ہوتا ہے۔ یہ تینوں خطبے ایک ایک روز کے فصل سے پڑھے جاتے ہیں۔ اور سوائے خطبہ عرفات کے دونوں خطبے دوپہر ڈھلے ظہر کی نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں صرف عرفات کے دن یہ زوال کے بعد ظہر کی نماز سے پہلے ہوتا ہے اور اس میں بین الخطبتین نشست بھی ہوتی ہے۔

بخلاف ساتویں اور گیارہویں تاریخ کے خطبہ کے کہ یہ دونوں مفرد خطبے ہیں یعنی ان میں نشست نہیں ہے۔ شیخ الاسلام کی مبسوط اور شرح طحاوی میں ایسا ہی ہے۔ پھر ان تینوں خطبوں کی ابتدا خطبہ عیدین کی طرح تکبیر کے ساتھ پھر تلبیہ پھر تحمید کے ساتھ واجب ہے اور دیگر تین خطبوں میں یعنی خطبہ جمعہ، خطبہ استسقاء اور خطبہ نکاح میں تحمید سے ابتدا کرنا لازم ہے۔ (منح، طحاوی، منتقی) (ترمیم واضافہ کے ساتھ)

سنن ابوداؤد باب اَیَّ یَوْمٍ یُخْطَبُ بِمِنًی میں سرابنت نبہان سے روایت ہے وہ ایک گھر والی تھی جاہلیت میں (جس میں بت رہا کرتے تھے) کہا خطبہ سنایا ہم کو آپ نے یوم الرؤس یعنی دوسرے دن قربانی کے۔ الحدیث

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے ایام تشریق میں منی کے اندر خطبہ دینے پر استدلال فرمایا ہے۔ (دیکھئے نیل الاوطار اردو جلد نمبر ۳ ص ۸۵)

بعض روایات میں ان تین خطبوں کے علاوہ اور خطبوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ہمارے ہاں ان کا جواب یہ ہے کہ حج کی مختلف روایات کو سامنے رکھتے ہوئے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہی ہے

جوفقہاء احناف نے اخذ کیا ہے کہ حج کے تین خطبے مسنون ہیں۔ جن کا تعلق زیادہ تر حج کے احکام سے ہے۔ باقی جو خطبات ہیں وہ اصل میں ان تین خطبوں کی طرح نہیں ہیں۔ جیسا کہ یوم النحر کا خطبہ یہ خطبہ بمعنی وعظ و نصیحت ہے نہ کہ وہ خطبہ مسنونہ جو حج میں ہوتا ہے کہ وہ گیارہویں ذی الحجہ کو منی میں دیا جاتا ہے اس میں بقیہ ارکان حج کی تعلیم ہوتی ہے۔ الحمدللہ فقہ حنفی کا یہ مسئلہ قرآن وحدیث کے مطابق ہے۔

(۶۳)...... کسی لونڈی نے اپنے آقا کی اجازت سے نکاح کیا پھر آقا نے اسے آزاد کر دیا تو اسے نکاح توڑ دینے کا اختیار ہے

عَنْ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ زَوْجُ بَرِيرَةَ حُرًّا فَخَيَّرَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(ترمذی، باب ما جاء في الامة تعتق ولها زوج، ج۱ص۱۸۶،حسن صحیح)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بریرہ کے خاوند نے آزاد کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار دیا تھا (نکاح کے بارے میں)

(۶۴)...... مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز کے لیے فقط ایک اذان اور ایک ہی اقامت کافی ہے

عن عبدالرحمٰن بن یزید قال خرجت مع عبداللہ بن مسعود الٰی مکة فلما اتی جمعا صلی الصلوتین کل واحدة منھما باذان واقامة ولم یصل بینھما. (طحاوی ج۱ ص۴۳۳، باب الجمع بین الصلوٰتین بجمع کیف ھو)

عبدالرحمٰن بن یزید سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نکلا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ کی طرف تو دونمازیں پڑھیں یہ دونوں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ ادا کی گئی اور ان دونمازوں کے درمیان اور کوئی نماز نہیں پڑھی۔

صحیح مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز ایک اقامت کے ساتھ پڑھائی۔ (مسلم کتاب الحج)

(۶۵)......جو آدمی حج کی قربانی نہ کر سکے تو وہ روزے رکھے۔ تین روزوں کے بعد بقایا روزے بھی حج کے بعد مکے میں ہی رکھ سکتا ہے گھر آ کر رکھنے ضروری نہیں

قرآن مجید میں ہے:

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلاثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

پھر جو شخص نہ پائے قربانی تو روزے رکھنے ہیں تین دن کے حج کے دنوں میں اور سات جب تم لوٹ آؤ یہ دس ہیں پورے۔ (البقرہ:۱۹۶)

مسئلہ کی وضاحت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر قارن حج سے فراغت کے بعد مکہ ہی میں ٹھہرا رہے اور فوراً اپنے وطن واپس نہ جائے اور مکہ میں رہ کر بقایا سات روزے رکھ لے تو ہمارے یہاں یہ جائز ہے اور اس کے روزے ادا ہو جائیں گے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ ایام تشریق گزر جانے کے بعد روزے رکھے کیوں کہ ایام تشریق میں روزے رکھنا ممنوع ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں رَجَعْتُمْ فَرَغْتُمْ کے معنی میں ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تم حج سے فارغ ہو جاؤ تو سات روزے رکھو۔ خواہ فراغت کے بعد مکہ میں رہو یا مکے سے اپنے وطن واپس ہو جاؤ۔ کیوں کہ حج سے فارغ ہونا اپنے اہل کی طرف واپس لوٹنے کا سبب ہے لہٰذا فراغت حج کے بعد اگر اہل کی طرف واپس ہوئے بغیر کوئی شخص روزے رکھ لے گا تو بھی اس کا روزہ ادا ہو جائے گا کیوں کہ یہ ادائیگی سبب کے بعد متحقق ہوئی ہے اور وجودِ سبب کے بعد پائی جانے والی ادائیگی معتبر ہوتی ہے لہٰذا یہ بھی معتبر ہوگی۔

(احسن الہدایہ جلد۳ ص ۳۶۱)

(۶۶)......اندھے پر حج واجب نہیں

ہدایہ میں ہے:

مسئلہ' اور نابینا جب کوئی ایسا شخص پائے جو اس کے سفر کی مشقت کو کفایت کرے اور توشہ اور سواری بھی پائے تو اس پر حج واجب نہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک برخلاف صاحبین کے۔

فقہ حنفی میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے جس میں ایسے اندھے پر حج کو واجب کیا گیا ہے جس میں شرائط حج پائی جائیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک دوسرا قول بھی مروی ہے جس کی روایت ان کے شاگرد امام حسن بن زیاد نے کی ہے۔

(دیکھئے فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۱۳۴، فتاویٰ تاتارخانیہ ج ۲ ص ۴۲۹۔۴۳۰)

ہدایہ کی اس عبارت کی تشریح میں مولانا محمد حنیف گنگوہی لکھتے ہیں:

اگر نابینا آدمی کو کوئی ایسا شخص میسر ہو جو اس کو سفر میں سواری پر چڑھائے اتارے اور اس کا ہاتھ تھام کر افعال حج ادا کرائے اور وہ نابینا زاد و راحلہ بھی پائے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور قول میں اس پر حج واجب نہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے۔ لیکن حاکم شہید (حنفی) نے **المنتقٰی** میں ذکر کیا ہے کہ اس پر حج لازم ہے۔ (**غاية السعاية فتح القدير ج۲ ص ۳۲٦، بدائع الصنائع ج۲ ص ۱۲۲** میں تفصیل دیکھ لی جائے) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا جو قول صاحب ہدایہ نے نقل کیا ہے وہ بھی دلیل پر مبنی ہے مگر زیادہ بہتر بات وہی ہے جس پر عمل اور فتویٰ ہے لہٰذا فقہ حنفی کا یہ مسئلہ قرآن و حدیث کے مطابق ہے۔

(٦٧)......عمرہ کرنا مستحب ہے

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْعُمْرَةِ أَوَاجِبَةٌ هِيَ قَالَ لَا وَأَنْ تَعْتَمِرُوا هُوَ أَفْضَلُ

(ترمذی، باب ماجاء فی العمرة اواجبة هی ام لا، ج۱ ص۱۵۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کیا عمرہ واجب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ البتہ تم عمرہ کرو یہ افضل ہے۔

(٦٨)......مردے کے ذمہ اگر فرض حج رہتا ہو تو اس کے ورثا پر قضا کرنا مستحب ہے

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إِنَّ أُمِّي مَاتَتْ وَلَمْ تَحُجَّ أَفَأَحُجُّ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ حُجِّي عَنْهَا

(ترمذی باب ما جاء فی الحج عن الشیخ الکبیر والمیت ج۱ ص۱۵۵)

حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس نے کہا میری والدہ فوت ہوگئی اور اس نے حج نہیں کیا کیا میں اس کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اس کی طرف سے حج کرو۔

(۶۹)...... اسلام لانے کے بعد پہلی چار بیویاں رکھنا

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ شریعت میں صرف چار بیویوں کے ساتھ نکاح کی اجازت ہے چنانچہ پہلی چار بیویوں کے بعد پانچویں کے ساتھ نکاح منعقد نہیں ہوتا اس لیے اگر کوئی آدمی اس حالت میں اسلام قبول کرے کہ اس کے پاس چار سے زائد بیویاں ہوں تو اسے یہ اختیار نہیں کہ ان میں سے اپنی پسند کی چار کو رکھ کر باقی کو چھوڑ دے، بلکہ پہلی چار اس کے نکاح میں رہیں گی اور باقی کو چھوڑنا ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ پہلی چار عورتوں کا نکاح جائز ہے اور باقی کا باطل ہے۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ (موطا امام محمد مترجم ص ۴۲۹)

یہ مسلک جو ہم نے ذکر کیا ہے امام صاحب کا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک جو موطا میں انہوں نے نقل کیا ہے وہ یہ ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے کہ ان میں سے جن چار کو چاہے روک لے اور باقی کو الگ کردے۔

(موطا امام محمد باب الرجل یکون عندہ اکثر من اربع نسوۃ فیرید ان یتزوج)

اکثر حنفی علماء نے امام محمد ہی کے قول کو ترجیح دی ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ امام صاحب کا نظریہ بھی قرآن وحدیث کے مطابق ہے لہٰذا کسی بھی قول کو لیا جائے فقہ حنفی کا یہ مسلہ کسی طرح بھی حدیث کے خلاف نہیں جاتا۔

(۷۰)...... اگر کسی کافر نے دو سگی بہنوں سے نکاح کیا ہوا ہو تو مسلمان ہونے کے بعد پہلی رکھ لے

امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر اس شخص نے ان دو بہنوں سے ایک ساتھ عقد کیا تھا۔

(جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں مشرک لوگ دو بہنوں سے اکھٹا نکاح کر لیتے تھے) تو اس صورت میں اس کے لیے ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی اپنے نکاح میں برقرار رکھنا جائز نہیں ہو گا۔(کیوں کہ دو بہنوں کو اکھٹا رکھنا ہماری شریعت میں منع ہے)

ہاں اگر اس نے ان دونوں سے آگے پیچھے عقد کیا تھا تو ان میں سے اس ایک کو اپنے نکاح میں برقرار رکھنا جائز ہو گا جس سے اس نے پہلے نکاح کیا تھا۔جس سے بعد میں نکاح کیا تھا اس کو کسی صورت میں بھی اپنے نکاح میں برقرار رکھنا جائز نہیں ہو گا۔

(مظاھر حق شرح مشکوٰۃ باب المحرمات فصل ثانی جلد نمبر ۳ ص ۳۳۱)

اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں دو بہنوں کو اکھٹا نکاح میں رکھنا منع ہے۔امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس کا دوسرا نکاح خود بخود فسخ ہو جائے گا۔

(۷۱)......کافرہ ذمیہ کے ساتھ دو ذمی کافر گواہ رکھ کر نکاح کرنا جائز ہے

ہدایہ کی اس عبارت میں ذمیہ سے مراد نصرانیہ اور یہودیہ عورت ہے۔تو مطلب یہ ہوا کہ مسلمان نے یہودیہ یا نصرانیہ سے شادی کی دو یہودی یا دو نصرانی کی گواہی سے۔تو شیخین (امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف) کے نزدیک نکاح ہو جائے گا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ذمی مسلمان کے نقصان کے لیے گواہی دینا تو قابل قبول نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے وَلَنْ يَّجْعَلَ اللهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلاً ترجمہ: اور ہر گز نہیں بنائے گا اللہ کافروں کے لیے مومنوں پر کوئی راہ غلبے کی۔(النساء:۱۴۱)

اس آیت میں ہے کہ کافر کو مسلمان پر کوئی راستہ نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ نقصان دینے کے لیے گواہی دے تو قابل قبول نہیں لیکن مسلمان کے فائدے کے لیے گواہی دے تو مقبول ہے اور اس مسئلے میں یہودیہ یا نصرانیہ عورت کا جسم مسلمان کے قبضے میں آ رہا ہے جو مسلمان کے فائدے کی چیز ہے اس لیے یہ گواہی مقبول ہو گی۔گویا کہ ذمی نے ذمیہ کے لیے گواہی دی اور ذمی ذمی کے خلاف گواہی دے تو یہ مقبول ہے۔اس لیے ذمیہ کے نکاح میں دو ذمی گواہ بن جائیں تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔

حدیث میں ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کی ایک دوسرے پر شہادت جائز قرار دی ہے۔

(سنن ابن ماجه ابواب الشهادات باب شهادة اهل الكتاب بعضهم على بعض)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب بعض بعض کے خلاف گواہی دے سکتا ہے اور اس صورت میں ذمیہ کے خلاف گواہی دینا ہوا اس لیے گواہ بننا جائز ہوگا۔

(شرح ثميرى على المختصر للقدورى كتاب النكاح ج۳ ص۸)

(۷۲)......نکاح میں کفو کا اعتبار

حدیث نمبر ۱:

عن علی رضی الله عنه رفعه ثلاث لا تؤخر الصلاة إذا آنت والجنازة إذا حضرت والأيم إذا وجدت لها كفوًا

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے۔ فرمایا تین کاموں میں دیر نہ کرو نماز جب اس کا وقت ہو جائے اور جنازہ جب وہ حاضر ہو اور کنواری لڑکی جب اس کے جوڑ کا رشتہ دستیاب ہو۔

(امام سیوطی نے اس کو حسن کہا ہے (الجامع الصغیر ج۱ ص۱۱۸، اور حاکم اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے کمافی المستدرک ج۲ ص۱۶۲)

حدیث نمبر ۲:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَخَيَّرُوا لِنُطَفِكُمْ وَانْكِحُوا الْأَكْفَاءَ وَأَنْكِحُوا ابّمَهُمْ.

(رواہ ابن ماجہ، باب الاکفاء، ص۱۴۲۔ فتح الباری ۹/۱۰۷۔ کنز العمال ۸/۳۴۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے نطفوں کے لیے عورتیں پسند کرو۔ نکاح کفو میں کرو اور بیواؤں کے نکاح کرو۔

(۷۳)......طلاق مکرہ واقع ہو جاتی ہے

حدیث نمبر ۱:

عن صفوان بن غزوان الطائي ان رجلا كان نائمًا فقامت امرأته

فاخذت سكينا فجلست على صدره فوضعت السكين على حلقه فقالت لتطلقي ثلاثا او لاذبحنك فناشدها الله فابت فطلقها ثلاثًا ثم اتى النبي صلى الله عليه وسلم فذكر له ذلك فقال لا قيلولة في الطلاق.

(المحلى (في الطلاق) ۱۰ص۲۰۳ بحوالہ نصب الرایہ ۴/۲۲۲)

حضرت صفوان بن غزوان الطائی سے روایت ہے کہ ایک آدمی سویا ہوا تھا اس کی بیوی اٹھی اور اس نے چھری پکڑی اور اپنے خاوند کے سینے پر بیٹھ گئی اور چھری اس کے حلق پر رکھ دی اور کہنے لگی مجھے تین طلاقیں دو ورنہ میں تجھے ذبح کردوں گی۔ تو اس کے خاوند نے اس کو اللہ کا وسطہ دیا لیکن اس کی بیوی نے انکار کر دیا تو اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی پھر وہ آدمی آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور سارا معاملہ آپ ﷺ کے سامنے بیان کر دیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ طلاق میں کوئی قیلولہ نہیں ہے۔

حدیث نمبر۲:

اخرج عبدالرزاق في مصنفه عن ابن عمر انه اجاز طلاق المكرة

حضرت عبداللہ بن عمر مکرہ کی طلاق کو جائز قرار دیتے تھے۔

(الجوهر النقي في الرد على البيهقي ۷/۳۵۸ بحوالہ نصب الرایہ ۴/۲۲۲)

(۴۷)......طلاق کو نکاح کے ساتھ معلق کرنا

حدیث نمبر۱:

ایک آدمی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ میں جس عورت سے بھی نکاں کرو، اسے تین طلاق ہو جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم نے نکاح کیا تو طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ (مصنف عبدالرزاق ج۶ص ۴۲۰،۴۲۱)

حدیث نمبر۲:

ایک آدمی نے کہا کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو وہ میرے لیے میری ماں کی طرح حرام ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے حکم دیا کہ اگر اس نے اس عورت سے نکاح کیا تو ظہار کا کفارہ دیئے بغیر ہرگز اس کے قریب نہ جائے۔ (مؤطا امام مالک ص ۵۱۵)

حدیث نمبر۳:

اسود بن یزید کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے کہا اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق اور پھر بعد میں اس عورت سے نکاح کر لیا جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ عورت کو طلاق ہو چکی ہے لہٰذا اب اسے دوبارہ نکاح کا پیغام دو۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۴۲۱)

حدیث نمبر۴:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر کسی آدمی نے یوں کہا کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق ہو تو نکاح کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی اور جتنی طلاقیں ایک یا دو تین کہی ہوں گی اتنی ہی واقع ہو جائیں گی۔ (مؤطا امام محمد ص ۲۵۴)

(۷۵)......غلام کو آزاد کرنے کی نذر ماننا جب کہ غلام اس کے پاس نہ ہو

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی اگر نکاح سے پہلے حالت نکاح کی طرف نسبت کیے بغیر کسی عورت کو طلاق دے مثلاً یہ کہے کہ میں نے فلاں عورت کو طلاق دی تو نکاح کے بعد اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی اور وہ عورت بدستور اس کے نکاح میں رہے گی۔ کیوں کہ جس وقت اس نے اس عورت کو طلاق دی تھی اس وقت یہ عورت طلاق کا محل نہیں تھی۔ اس لیے اس کا کلام لغو ہو گیا۔ اور اگر آدمی نکاح سے پہلے طلاق دے لیکن اس کی نیت حالت نکاح کی طرف کرے مثلاً یہ کہے کہ اگر میں نے نکاح کیا تو میری بیوی کو طلاق تو ایسی صورت میں نکاح کے بعد بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ صورت پہلی صورت سے مختلف ہے۔

امام مالک کی راجح روایت بھی یہ ہی ہے کہ اگر غیر منکوحہ عورت یا غیر مملوک غلام یا باندی کو متعین کر کے بات کہی یا اس کی نسبت کسی قبیلہ کی طرف کر دی یا کسی مکان یا زمان کی طرف کر دی تو طلاق اور عتاق درست ہیں اور بات کو عام رکھا تو نہ طلاق واقعہ ہوگی اور نہ عتاق۔

(اوجز المسالک شرح موطا امام مالک از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی ج ۱۰ ص ۲۱۷)

امام صاحب کا استدلال مندرجہ ذیل آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہے۔

(۱)......ایک آدمی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ میں جس عورت سے بھی نکاح کروں اسے تین طلاقیں ہو جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم نے نکاح کیا تو طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ (مصنف عبدالرزاق ج ٦ ص ۴۲۰۔۴۲۱)

(۲)......سعید بن عمرو نے قاسم بن محمد سے اس آدمی کے متعلق پوچھا جس نے کہا تھا کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق۔ قاسم نے کہا کہ ایک شخص نے کہا تھا اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو وہ مجھ پر میری ماں کی پشت کی مانند ہوگی تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اسے حکم دیا تھا کہ اگر وہ اس سے نکاح کرے تو ظہار والے کا کفارہ ادا کیے بغیر اس کے قریب نہ جائے۔ (موطا امام مالك كتاب الطلاق، باب ظهار الحر، ص ۵۱۵)

(۳)......امام مالک نے ہمیں خبر دی سعید بن عمرو بن سلیم رزقی سے انہوں نے قاسم بن محمد سے کہ ایک شخص نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ میں نے یوں کہا اگر میں فلاں عورت سے شادی کروں تو وہ میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اگر تم نے اس سے نکاح کر لیا ہے تو جب تک کفارہ ادا نہ کر دو اس کے قریب نہ جاؤ۔

امام محمد فرماتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے اگر اس سے شادی کر لی تو گویا اس سے ظہار ہوگا۔ اور جب تک کفارہ ادا نہ کر دے اس کے قریب نہ جائے۔

(موطا امام محمد مترجم ص ۲۹۱)

(۴)......امام مالک نے ہمیں خبر دی ہم سے روایت کیا مُجبر نے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا جب کوئی شخص یہ کہے کہ میں فلاں سے نکاح کروں تو اس پر طلاق ہو جائے تو وہ جب نکاح کرے گا تو اس کو اتنی ہی طلاقیں ہوں گی جتنا اس نے ارادہ کیا تھا کہ اس کو ایک، دو یا تین طلاقیں ہوں تو اسی قدر رہوں جتنی اس نے کہی تھیں۔ امام محمد کہتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ (موطا امام محمد مترجم ص ۲۹۱)

(۵)......حضرت الاسود بن یزید نے ایک عورت کے بارے میں جس کا ان سے تذکرہ کیا گیا تھا یہ فرمایا کہ اگر میں نے اس سے شادی کی تو اسے طلاق ہے۔

اسود نے اس تعلیق کو کچھ نہ سمجھا' اہل حجاز سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بھی

اسے کالعدم قرار دیا کچھ نہ سمجھا چنانچہ انہوں نے اس سے شادی کر لی دخول بھی کر لیا پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے یہ حکم دیا کہ وہ اس عورت کو یہ بتلا دیں کہ وہ اپنے نفس کی زیادہ مالک ہے۔

امام محمد نے فرمایا ہم عبداللہ بن مسعود کے قول کو اختیار کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ عورت کو مہر ملے گا آدھا تو اس کا جس پر اس سے شادی کی تھی اور اس جیسی عورتوں والا مہر جو اسے دخول کے عوض ملے گا۔ یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

(کتاب الآثار امام محمد مترجم ص ۳۷۹، مصنف عبدالرزاق ۱۱۴۷۰)

یہ ہی بات حضرت شعبی زہری مکحول اور سالم بن عبداللہ سے مروی ہے یہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ اپنے نفس کی مالک ہے یعنی اسے طلاق واقع ہوگئی ہے۔

(المختار شرح کتاب الآثار ص ۳۷۹، ۳۸۰)

(٦)...... مالک کو خبر پہنچی ہے کہ عمر بن الخطاب، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم، سالم بن عبداللہ، قاسم بن محمد، ابن شہاب اور سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہم کہتے تھے کہ جب مرد کسی عورت سے نکاح کرنے سے قبل اس کی طلاق کی قسم کھائے اور پھر قسم توڑ دے۔ تو جب اس سے نکاح کرے گا یہ طلاق اس پر لازم ہوگی۔

(موطا امام مالك، باب يمين الرجل بطلاق مالم ينكح)

(٧)......عن معمر عن الزهرى فى رجل قال كل امرأة أتزوجها فهى طالق وكل أمة أشتريها فهى حرة قال هو كما قال قال معمر فقلت اويس قد جاء عن بعضهم انه قال لا طلاق قبل النكاح ولا عتاقة الا بعد الملك قال انما ذلك ان يقول الرجل امرأة فلان طالق وعبد فلان حر.

معمر نے زہری سے روایت کی ہے ایسے آدمی کے بارے میں جس نے کہا ہر وہ عورت جس سے میں شادی کروں تو اسے طلاق اور ہر لونڈی (غلام) جسے میں خریدوں تو وہ آزاد ہے۔ جیسا اس نے کہا ویسے ہی ہوا، معمر کہتے ہیں میں نے اویس سے کہا کہ بعض کے نزدیک نکاح سے پہلے طلاق نہیں اور آزادی ملکیت میں آجانے کے بعد ہے۔ انہوں نے کہا بے شک یہ

اس صورت میں ہے کہ آدمی کہے فلاں عورت کو طلاق ہے اور فلاں غلام آزاد ہے۔

اسی طرح اگر عتق کو منسوب الی الملک کیا جائے اور کہا جائے ان ملکتك فأنت حر یا منسوب الی سبب الملک کیا جائے اور کہا جائے ان اشتریتك فأنت حر تو یہ تعلیق حنفیہ کے نزدیک درست ہے۔ اس اصولی مسئلہ کی تفصیل کے لیے دیکھئے:

(نور الانوار ص ۱۵۷ مبحث الوجوہ الفاسد الوجہ الثانی)

(۸)...... امام ترمذی نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں اور مروی ہے ابن مسعود سے کہ انہوں نے کہا اگر کسی قبیلہ یا شہر کی طرف نسبت کر کے کہے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ مثلاً اگر کہے کہ فلانے قبیلہ یا فلانے شہر کی فلانی عورت سے اگر نکاح کروں تو اس پر طلاق ہے۔ تو اس پر طلاق واقع ہوتی ہے یعنی بعد نکاح کے۔

(ترمذی ج۱ ص ۲۲۳، ابواب الطلاق باب ما جاء لا طلاق قبل النکاح)

اس قول کے پیش نظر حنفیہ کا سوال یہ ہے کہ منسوبہ پر طلاق واقع ہونے کی علت کیا ہے۔ ظاہر ہے اس کا متعین ہونا تو علت نہیں بن سکتا، وقوع طلاق کی علت یہ ہے کہ جس وقت اس پر طلاق ہوگی اس وقت وہ منکوحہ بن چکی ہوگی۔ یہ علت غیر منسوبہ میں بھی موجود ہے۔ لہٰذا اس میں بھی طلاق واقع ہونی چاہیے۔

(۷۶)...... نکاح میں شرط لگانا

اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دے دے تو وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں رہتی۔ اس کی صرف ایک صورت ہے کہ یہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنے کے بعد اس سے ہم بستری بھی کرے خالی نکاح کافی نہیں اور پھر اس سے بھی اگر طلاق مل جائے یا وہ وفات پا جائے تو اب پہلے شوہر کے ساتھ (عدت کے بعد) اس کا دوبارہ نکاح کرنا حلال ہے۔

لیکن پہلے شوہر سے طلاق ملنے کے بعد کسی دوسرے آدمی سے اس نیت (شرط) کے ساتھ نکاح کرنا کہ اس سے ہم بستری کر کے طلاق لے لے گی اور پھر پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کرے گی، شریعت کی رو سے بالکل حرام ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا

کرنے والے اور کرانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (ترمذی ج۱ص۱۸۰)

اس فعل کی حرمت مسلم ہونے کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی مرد و عورت نے اس شرط کے ساتھ نکاح کر لیا تو کیا ان کا نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کو اس فعل کا گناہ ہونے کے باوجود چونکہ ان کا یہ نکاح اپنی شرائط کے مطابق ہوا ہے۔ اس لیے یہ نکاح درست ہے۔ مگر ہوگا پھر بھی مکروہ۔ اور اگر یہ آدمی اس عورت کو اپنے پاس رکھنا چاہے تو درست ہے۔ اس پر شرط پوری کرنا ضروری نہیں۔

گویا امام صاحب حلالہ کے عمل کو حرام اور باعث گناہ مانتے ہوئے نکاح کو درست اور موثر مانتے ہیں۔ اور اس کے لیے ان کا استدلال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے سے ہے۔

(۱) امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تہذیب الآثار میں روایت ہے کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ پھر ایک آدمی سے کہا کہ وہ اس کی بیوی سے نکاح کر کے اس کو اس کے لیے حلال کر دے۔ اس آدمی نے نکاح کے بعد عورت کو طلاق دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب مقدمہ گیا تو انہوں نے اس کے نکاح کو درست قرار دیا اور اس آدمی کو اجازت دی کہ وہ اس عورت کو اپنے پاس رکھے۔ (کنز العمال ج۹ص۴۰۷)

(۲) امام شافعی کی کتاب الام اور سنن بیہقی، مصنف عبدالرزاق میں روایت ہے کہ ایک عورت کو اس کے خاوند نے تین طلاقیں دے دیں پھر ایک آدمی سے رابطہ کیا گیا کہ وہ اس عورت سے نکاح کر کے اس کو حلال کر دے۔ جب نکاح ہو گیا تو اس عورت نے اس آدمی سے کہا کہ اب تم مجھے طلاق نہ دینا جب صبح ہوئی تو اس آدمی نے طلاق دینے سے انکار کر دیا۔ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے اسے حکم دیا کہ وہ اس عورت کے ساتھ نکاح کو برقرار رکھے اور اس کو طلاق نہ دے نیز اس کو دھمکی دی کہ اگر اس نے طلاق دی تو اسے سزا دی جائے گی۔ (مصنف عبدالرزاق ج۲ص۲۶۷)

ان روایات سے فقہ حنفی کی تائید ہوتی ہے۔

(۷۷)......طلاق رجعی یا طلاق بائن میں عورت کو خاوند کے گھر سے نکلنا جائز نہیں

فقہ حنفی کا یہ مسئلہ قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق ہے لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ (الطلاق : ۱) نہ تم نکالو انہیں ان کے گھروں سے اور نہ وہ خود نکلیں۔

حافظ صلاح الدین یوسف اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(۴) یعنی طلاق دیتے ہی عورت کو اپنے گھر سے مت نکالو، بلکہ عدت تک اسے گھر میں ہی رہنے دو، اور اس وقت تک رہائش اور نان ونفقہ تمہاری ذمے داری ہے۔

(۵) یعنی عدت کے دوران خود عورت بھی گھر سے باہر نکلنے سے احتراز کرے، الا یہ کہ کوئی بہت ہی ضروری معاملہ ہو۔ (سعودی قرآن مترجم ص ۱۵۹۰)

مسئلہ کی وضاحت:

ایک عدت ہوتی ہے طلاق کے بعد اور ایک ہوتی ہے خاوند کی وفات کے بعد۔ طلاق کی عدت میں عورت مزدوری کے لیے گھر سے باہر نہیں جا سکتی کیوں کہ اس کا خرچہ طلاق دینے والے خاوند کے ذمہ ہے اسے مزدوری کی حاجت نہیں۔ ہاں کسی شرعی مجبوری میں نکلنا درست ہے۔ بشرطیکہ رات گھر میں آ کر گزارے۔ رہی عدت وفات تو اس میں عورت کسی مجبوری کی بنا پر مزدوری کے لیے دن میں باہر جا سکتی ہے رات گھر میں گزارے کیوں کہ اس عدت میں خرچہ خاوند کے ذمہ نہیں۔ فقہ حنفی کا مسئلہ قرآن وسنت کے عین مطابق ہے۔

(۷۸)......عدت میں عورت کو عصب استعمال کرنا جائز نہیں

لفظ عصب کی شرح میں شارحین کا اختلاف ہے۔ (۱) مرقات میں ہے کہ عصب ایک گھاس ہے جو عموماً یمن میں پیدا ہوتی ہے اس کا رنگ مائل بہ سیاہی ہوتا ہے اس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں جس سے پھیکا سیاہ رنگ ہوتا ہے یعنی بھکنا۔

(۲) اشعة اللمعات شرح مشکوٰۃ ولمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی فرماتے ہیں کہ عصب وہ کپڑا ہے جس کا سوت

رنگ لیا جائے بعد میں بُنا جائے ایسے رنگین کپڑے زینت میں داخل نہیں ہوتے بننے کے بعد رنگنا زینت ہے۔

(۳) ظفر المبین جدید حصہ دوم ص ۱۴۲ میں ہے۔ یہ عصب ایک قسم کا درخت ہوتا ہے اس سے کپڑے رنگ کرتے ہیں۔

(۴) مظاہر حق شرح مشکوۃ ص ۴۳۴ ج ۳ میں ہے۔

''عصب'' اس زمانہ میں ایک خاص قسم کی چادر کو کہتے تھے جو اس طور پر بنی جاتی تھی کہ پہلے سوت کو جمع کر کے ایک جگہ باندھ لیتے تھے پھر اس کو سم میں رنگتے تھے اور اس کے بعد اس کو بنتے تھے۔ چنانچہ وہ سرخ رنگ کی ایک چادر ہو جاتی تھی جس میں سفید دھاریاں بھی ہوتی تھیں کیوں کہ سوت کو باندھ کر رنگنے کی وجہ سے سوت کا وہ حصہ سفید رہ جاتا تھا جو بندھا ہوا ہوتا تھا۔

ان اختلافات کی وجہ سے بطور احتیاط کے کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رنگے ہوئے کپڑے پہننے سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے ہمارے بعض فقہائے کرام نے بھی عصب کا استعمال ممنوع قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن ہمام حنفی یہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء (حنفیہ) کے نزدیک عدت والی عورت کو عصب کا پہننا بھی درست نہیں ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عدت والی عورت کو عصب پہننا جائز ہے۔ خواہ وہ موٹا ہو یا مہین ہو۔ جب کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مہین عصب کو پہننے سے منع کرتے ہیں موٹے عصب کو منع نہیں کرتے۔ (مظاہر حق جلد سوم ص ۴۳۴)

(۵) بعض شارحین نے عصب کا ترجمہ کیا ہے بناوٹی رنگین کپڑے رنگین بنے ہوئے کپڑے پہن سکتی ہے۔ (شرح مسلم جلد نمبر ۳ ص ۱۱۳۱)

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان حنفی لکھتے ہیں:

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عراق اور کوفہ وغیرہ میں ثوب عصب کی ترقی یافتہ شکل تیار ہوگئی تھی اور زینت کے مواقع میں اس کا استعمال کیا جاتا تھا۔ اس لیے ہمارے فقہاء نے اپنے زمانے اور علاقے کے عرف کے مطابق معتدہ کے لیے اس کا استعمال ممنوع قرار دیا۔ حدیث میں ثوب عصب کی اجازت دی گئی ہے کہ اس وقت وہ ایک سادہ کپڑا شمار ہوتا تھا اور زینت کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا تھا۔ (کشف الباری کتاب الطلاق صفحہ ۵۸۷۔۵۸۹)

(۷۹)......دوشریکوں کے غلام کو اگر ایک شریک اپنا حصہ آزاد کر دے تو وہ حصہ آزاد ہے

اگر کوئی غلام مشترک ہو مثلاً دو شخص زید اور بکر مشترک طور پر ایک غلام کے مالک ہوں اور ان میں کا ایک شریک مثلاً زید اپنا حصہ آزاد کر دے تو دوسرا کیا کرے۔ چنانچہ اس بارے میں جزوی آزادی (یعنی ایک غلام کا مثلاً آدھا حصہ آزاد ہو جائے اور آدھا حصہ غلام ہی رہے) معتبر ہے یا نہیں۔ اس بارے میں خود حنفیہ کے ہاں مختلف اقوال ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تو یہ فرماتے ہیں کہ جزوی آزادی معتبر ہے لیکن صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کا قول یہ ہے کہ جزوی آزادی معتبر نہیں ہے۔ اختلاف کی وجہ اس مسئلہ سے متعلق روایات کا مختلف ہونا ہے۔ اکثر فقہاء احناف کا میلان امام اعظم کے قول کی طرف ہی ہے۔

امام ابوحنیفہ کا قاعدہ یہ ہے کہ آقا نے جتنا غلام آزاد کیا اتنا ہی آزاد ہو گا اور جتنا حصہ آزاد نہیں کیا اتنا حصہ غلامیت میں رہے گا کیوں کہ آقا کی چیز ہے اس لیے جتنا روکنا چاہے وہ روک سکتا ہے۔

حدیث:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے غلام میں اپنے حصہ کو آزاد کر دیا پس اس کے پاس اتنا مال تھا جو غلام کی قیمت کو پہنچ جائے تو کسی نیک شخص سے غلام کی قیمت لگوائی جائے گی پھر اس غلام کے شرکاء کو ان کے حصے دیئے جائیں گے اور اس غلام کو آزاد کر دیا جائے گا ورنہ اس غلام کا اتنا حصہ آزاد کیا جائے گا۔ جتنا حصہ اس شخص نے آزاد کیا تھا۔ (بخاری کتاب الرہن)

اس حدیث میں یہ ہے کہ اگر آزاد کرنے والے کے پاس باقی غلام کی قیمت نہ ہو تو اتنا ہی آزاد ہو گیا جتنا آزاد ہوا۔ دوسرے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غلام کی آزادگی میں حصہ اور تجزی ہو سکتا ہے اس لیے آقا نے جتنا آزاد کیا اتنا ہی آزاد ہو گا۔ اور اپنا باقی حصہ غلام سعی کر کے آقا کو ادا کرے گا۔

حدیث:

اسماعیل بن امیہ نے فرمایا کہ ان کے پاس غلام تھا جس کا نام طہمان تھا یا ذکوان تھا۔ پس اس کے دادا نے آدھا آزاد کیا پس غلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس کی خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنا آزاد کیا آزاد ہوگا۔ اور جتنا غلام رکھا اتنا غلام رہے گا۔ فرماتے ہیں کہ وہ موت تک اپنے آقا کی خدمت کرتا تھا۔

(سنن الکبریٰ بیہقی ج نمبر ۱۰ ص ۲۷۳، مصنف عبدالرزاق ج ۹ ص ۱۴۹، حدیث نمبر ۱۶۷۰۵)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جتنا آزاد کیا اتنا ہی آزاد ہوگا۔

(۸۰)...... جانور کے بدلے گوشت بیچنا جائز ہے

وقال اللہ تعالٰی وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ (البقرہ: ۲۷۵)

اور اللہ تعالٰی نے بیع کو حلال قرار دیا ہے۔

یہ مطلق ہے اور اس میں عموم ہے۔ اور دوسری یہاں قدر اور جنس بھی ایک نہیں ہے کیوں کہ گوشت موزونی ہے اور زندہ جانور غیر موزونی ہے۔ لہٰذا اس میں کمی بیشی جائز ہوگی لیکن یداً بید ہوگی۔

اور قاضی شوکانی نیل الاوطار جلد ۵ ص ۲۱۶ میں امام صاحب کا یہی مذہب نقل کرتے ہیں۔

(۸۱)...... ایک حیوان کو دو حیوانوں کے بدلہ بیچنا

حدیث نمبر ۱:

عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحیوان اثنین بواحد لا یصلح نسیئًا ولا بأس بہ یدًا بید. (اعلاء السنن ج ۱۴ ص ۳۷۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک جانور کو دو جانوروں کے بدلے میں بیچنا یہ ادھار درست نہیں اور اگر نقد ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۲:

عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یدی بأسا بیع الحیوان بالحیوان اثنین بواحد ویکرھہ نسیئة (اعلاء السنن ج ۱۴ ص ۳۷۰)

کہ نبی علیہ السلام کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے ایک حیوان کو دو حیوان کے بدلے میں بیچنے میں (اگر نقد ہو) اور اگر ادھار ہونا پسند سمجھتے تھے۔

(۸۲)......حیوان میں بیع سلم جائز نہیں

حدیث:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ السَّلَفِ فِي الْحَيَوَانِ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جانور کے عوض میں) جانور کی بیع سلف (ادھار سودے) سے منع کیا ہے۔

(سنن دار قطنی کتاب البیوع جلد سوم، مستدرک حاکم فی البیوع، طحاوی ج۲ ص۱۸۹)

حدیث:

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کو جانور کے بدلے ادھار بیچنے سے منع فرمایا۔ **(ترمذی ص۱۹۸، ابواب البیوع)**

حدیث:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک جانور کے بدلے دو جانور ادھار بیچنا صحیح نہیں ہے۔ البتہ دست بدست بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ **(ترمذی ابواب البیوع ص۱۹۹)**

حدیث:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا فروخت کرنے سے جانور کے بعوض جانور کے ادھار۔

(طحاوی کتاب البیوع باب استقواض الحیوان)

(۸۳)......مسلمان کو کافر ذمی کے بدلے قتل کیا جائے گا

حدیث نمبر ا:

عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قتل مسلما بمعاهد

(دار قطنی فی الحدود ص۳۴۵ بحوالہ نصب الرایہ ج۴ ص۳۳۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کو معاہد (ذمی) کے بدلے میں قتل کیا۔

حدیث نمبر ۲:

عن عبدالرحمٰن لبیلیانی أن رسول الله صلی الله علیه وسلم اتی برجل من المسلمین قتل معاهدً من اهل الذمة فقدمه رسول الله صلی الله علیه وسلم فغرب عنقه وقال انا اولی من اوفی بذمته.

(نصب الرایہ فی تخریج احادیث ہدایہ ج۴ص۳۳۶)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مسلمان آدمی کو لایا گیا جس نے ذمی کو قتل کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف بڑھے اوراس کی گردن ماردی اور فرمایا میں زیادہ حق دار اس کی (حفاظت) کا جس نے اپنے ذمہ کو پورا کیا۔

حدیث نمبر ۳:

عن عبد الله بن عبد العزیز بن صالح الحضرمی قال قتل رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم حنین مسلما بکافر وقال انا اولی او احق من اوفٰی بذمته (نصب الرایہ ج۴ص۳۳۶)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے دن مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل کیا اور فرمایا کہ میں زیادہ اولٰی یا حق دار ہوں اس کی (حفاظت) کا جس نے اپنے ذمہ کو پورا کیا۔

(۸۴)......گوہ کھانا مکروہ ہے

حدیث نمبر ۱:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ أُكِلَ الضَّبُّ عَلٰى مَائِدَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنَّمَا تَرَكَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقَذُّرًا (ترمذی ج۲ص۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی علیہ السلام کے دستر خوان پر گوہ کھائی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھوڑ دیا (یعنی نہیں کھایا) اس کی پلیدگی کی وجہ سے۔

حدیث نمبر۲:

عن عائشة انه اهدى لها ضب فاتاها رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فسالته فنهاها عنه امى عن اكلهٖ فجاء ت سائلة فارادت ان تطعمها اياه فقال رسول الله اتطعمينها ما لاتاكلين.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ان کے پاس ایک گوہ ہدیہ میں دی گئی۔ حضور علیہ السلام ان کے پاس تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گوہ کے کھانے کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھانے سے منع فرمادیا۔ پھر ایک سوال کرنے والی خود حضرت عائشہ کے پاس آئی تو حضرت عائشہ نے ارادہ کیا کہ اس کو کھلادیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو اس کو وہ کھلاتی ہے جس کو تو خود نہیں کھاتی ہے۔ (ترمذی حاشیہ نمبر۶، ج۲ص۱)

عن علي بن ابى طالب انه نهى اكل الضب والضبع (حوالہ مذکوہ بالا)

حضرت علی رضی اللہ عنہ گوہ اور بجو کھانے سے منع کرتے تھے۔

(۸۵)......ناخن اور دانت سے ذبح کرنا درست ہے

عَن رافع بن خديج قال قال رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كل يعنى ما انهر الدم الا السن والظفر.

(بخاری، باب لا يزكى بالسن والعظم والظفر، ج۲ص۸۲۷)

حضرت رافع بن خدیج سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ کھاؤ یعنی ہر اس چیز سے ذبح شدہ جس سے خون بہایا جاتا ہے مگر دانت اور ناخن سے ذبح شدہ نہ کھاؤ۔

تشریح:

اس مسئلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر ناخن اور دانت جسم سے الگ ہوں تو ذبیحہ درست ہے اگر الگ نہ ہوں تو درست نہیں ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں ذکر ہوا۔

(۸۶)......مسافر پر قربانی واجب نہیں

حدیث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو

گنجائش ہو اور قربانی نہ کرے تو ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔ (ابن ماجہ ص ۲۲۶)

اس حدیث میں قربانی کو اس شخص کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے جس کو گنجائش ہو، جب کہ مسافر حالت سفر میں خود محتاج ہوتا ہے اس لیے مسافر کو زکوٰۃ بھی دی جا سکتی ہے اگر چہ وہ اپنے گھر میں مال دار ہی کیوں نہ ہو۔

حدیث:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ جب سفر حج پر جاتے تو قربانی نہیں کرتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۳۸۲)

حدیث:

ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) فرماتے ہیں کہ ہم یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب اور تلامذہ حج کے لیے جاتے تو سونا چاندی پاس ہونے کے باوجود اس لیے قربانی نہیں کرتے تھے کہ اپنے حج کے ارکان کی ادائیگی کے لیے فارغ رہیں۔ (محلی ابن حزم)

حدیث:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ مسافر پر قربانی نہیں۔ (محلی ابن حزم)

حدیث:

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ (تابعی کبیر) جو پانچ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کی زیارت و ملاقات سے مشرف تھے فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صرف حاجی اور مسافر کو قربانی نہ کرنے کی رخصت دیتے تھے۔

یہ تمام آثار امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے المحلی میں نقل کیے ہیں۔ ج ۷ ص ۳۵۹، ۳۷۵)

حدیث:

ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب مقیم ہوتے تو قربانی کرتے تھے اور جب مسافر ہوتے تو قربانی نہیں کرتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۳۸۲)

(۸۷)......قاتل مقتول کے اسباب کا بغیر اجازتِ امام مستحق نہیں

حدیث:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس دن یعنی حنین کے دن فرمایا کہ جو کسی کافر کو قتل کرے تو اس کافر کا سامان اسی کا ہوگا۔ چنانچہ اس دن ابوطلحہ نے بیس آدمی مارے اور ان کے سامان لیے۔

(سنن دارمی بحواله مشکوٰۃ باب قسمة الغنائم، فصل ثانی)

احناف کے ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا یہ حکم قانون شرعی نہیں ہے۔ اگر حاکم جہاد میں یہ اعلان کر دے تو مقتول کا سامان وغیرہ ملے گا ورنہ نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان حاکم جہاد کی ہی حیثیت سے کیا تھا۔

(۸۸)...... بھاری چیز کے ساتھ قتل کرنے میں قصاص واجب نہیں ہوتا

ہدایہ کتاب الجنایات میں ہے:

فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں شبہ عمد یہ ہے کہ قاتل ایسی چیز سے مارنے کا قصد کرے جو نہ تو ہتھیار ہو اور نہ ہی ہتھیار کے قائم مقام ہو۔ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر قاتل نے بھاری پتھر یا بھاری لکڑی سے مقتول کو مارا تو وہ عمد ہے۔

امام صاحب کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے۔

الا ان قتيل خطاء العمد قتيل السوط والعصا وفيه مائة من الابل. "آگاہ ہو جاؤ شبہ عمد کا مقتول کوڑے اور لاٹھی کا مقتول ہے اور اس میں سو اونٹ واجب ہیں۔"

(احسن الہدایہ جلد ۱۵ص ۲۱)

یہ روایت کچھ الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ ابو داؤد باب دية الخطاء شبه العمد نسائی باب کم دية شبه العمد، ابن ماجة باب دية مغلظه میں بھی موجود ہے۔

ہدایہ کی اس عبارت سے واضح ہوا کہ قتل شبہ عمد امام ابوحنیفہ کے یہاں یہ ہے کہ ایسی چیز سے عمداً مارا جائے جو ہتھیار نہ ہو اور نہ تفریق اجزا میں اس کے قائم مقام ہو۔ ایسی صورت میں قصاص واجب نہیں ہوتا دیت مغلظہ (یعنی سو اونٹ) عاقلہ (قاتل کے انصار واعوان) پر آتی ہے۔ (شرح کتاب الآثار)

سید امیر علی عین الہدایہ جلد ۴ص ۶۱۰ کتاب الجنایات میں لکھتے ہیں:

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل اول قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ خبردار ہو کہ خطائے عمد کا مقتول ہے جو کوڑے وعصا کا مقتول ہو اور اس میں سو اونٹ ہیں۔

ف: اور خطائے عمد سے مراد شبہ العمد ہے چنانچہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ آگاہ ہو کہ خطاء شبہ العمد جو کوڑے وعصا سے مقتول ہو اس کی دیت سو اونٹ ہیں از منجملہ چالیس ایسے کہ جن کے پیٹوں میں ان کے بچہ ہوں۔ رواہ ابوداوٗد والنسائی وابن ماجہ وابن حبان اور امام محمد نے آثار میں ذکر کیا ہے کہ تیس حقہ اور تیس جذعہ اور چالیس جن کے پیٹوں میں ان کی اولاد ہو۔ مراد اس سے یہ کہ جوان قابل حمل اونٹنیاں ہوں اور یہی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے خطبہ حجۃ الوداع میں مروی ہے۔ رواہ الاربعۃ الا الترمذی ورواہ احمد والشافعی وعبدالرزاق وغیرہم اور یہ حدیث مرسل بھی مروی ہے بالجملہ حدیث قوی الاسناد ہے۔

(۸۹)......قصاص صرف تلوار سے ہی لیا جائے

عن ابی بکرۃ عن النبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال لا قود الا بالسیف

(ابن ماجہ ص ۱۹۶ بحوالہ نصب الرایہ ج ۴ ص ۳۴۱)

حضرت ابوبکرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قصاص صرف تلوار سے ہے۔

عن النعمان بن بشیر قال قال رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لا قود الا بالسیف

حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قصاص صرف تلوار سے ہے۔

(۹۰)......ریشم کا تکیہ لگانے میں کوئی حرج نہیں

فقہ حنفی میں مرد کے لیے ریشم کا استعمال حرام ہے۔ ہم نے اس مسئلہ کی تفصیل ہدایہ پر اعتراضات کا علمی جائزہ ص ۴۲۴ تا ۴۳۳ میں کر دی ہے وہاں پر دیکھ لیں۔ مختصراً یہاں پر بھی عرض کرتے ہیں۔

موطا امام محمد مترجم ص ۴۷۲ تا ۴۷۵ باب ما یکرہ من لبس الحریر والدیباج میں ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کسی مسلمان مرد کے لیے روانہیں کہ وہ ریشم، ریشمی کپڑا یا سونا پہنے یہ تمام چیزیں چھوٹے بڑے مردوں کے لیے ناجائز ہیں عورتوں کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں اسی طرح حربی مشرک کو بطور تحفہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ البتہ ہتھیار یا زرہ دینا جائز نہیں۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب فقہ حنفی میں مرد کے لیے ریشم کا استعمال جائز نہیں تو پھر یہ تکیہ لگانے کا جواز کیسا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ریشم سے متعلق کتب احادیث میں جو روایات مروی ہیں جب ان کا جائزہ لیا جائے تو اتنی سی گنجائش جواز کی نکل آتی ہے۔ اس لیے فقہائے احناف نے ان روایات سے جواز کا قول کیا ہے مگر بہتر استعمال نہ کرنا ہی ہے۔

(ان روایات کے لیے دیکھئے: مسلم کتاب اللباس والزینة)

حدیث:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جوؤں کی شکایت کی تو آپ نے ان کو جنگ کے دنوں میں ریشم پہننے کی اجازت دے دی۔ (مسلم کتاب اللباس والزینة)

خاص تکیہ استعمال کرنے کی روایات بھی ہدایہ میں موجود ہیں۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ریشم کے تکیہ پر ٹیک لگا کر بیٹھے ہیں۔ نیز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بستر پر ریشمی تکیہ تھا۔

(احسن الہدایہ جلد ۱۳ ص ۳۵۱)

نصب الرایہ فی تخریج احادیث ہدایہ ج ثانی ص ۲۸۳۔ اعلاء السنن جلد ۱۷ ص ۲۸۰ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر موجود ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

مؤذن بنی دواعہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا وہ ریشم کے تکیے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ ان کے پاؤں کے پاس موجود تھے۔

(۹۱)...... خچر بنانے میں کوئی حرج نہیں

احسن الہدایہ میں ہے، فرماتے ہیں کہ چوپایوں کو خصی کرنے اور گدھے کو گھوڑی پر چڑھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ پہلے میں چوپائے اور لوگوں کا فائدہ ہے۔ اور یہ بات درست ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خچر کی سواری کی ہے۔ اگر یہ فعل حرام ہوتا تو آپ علیہ السلام خچر پر سوار نہ ہوتے کیوں کہ اس میں اس کا دروازہ کھولنا لازم آتا ہے۔

اس خچر کا نام دلدل تھا جو شاہ اسکندریہ مقوقس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ بھیجا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سواری فرمائی۔ کیوں کہ خچر ایک مضبوط جانور ہے اس سے بہت دشوار کام بھی بہ آسانی ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خچر کا ذکر اپنے انعامات کے سلسلہ میں قرآن مجید میں کیا ہے۔

سورۃ نحل آیت نمبر ۸ پارہ نمبر ۱۴ میں ہے:

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَّيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

اور اُسی نے پیدا کیے گھوڑے اور خچر اور گدھے تا کہ تم سوار ہو ان پر اور زینت کے لیے اور وہ پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے۔

جن احادیث میں اس فعل سے منع فرمایا گیا ہے اس کا کیا مطلب ہے۔ ہم یہاں پر پہلے وہ احادیث نقل کرتے ہیں پھر اس کا صحیح مطلب بھی بیان کرتے ہیں جس سے واضح ہو جائے گا کہ احناف ان احادیث کو مانتے ہیں صرف مفہوم کا فرق ہے۔

پہلی حدیث:

روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بندہ مامور تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو کسی چیز سے خاص نہ فرمایا لوگوں کے بغیر سوا تین چیزوں کے ہم کو حکم دیا کہ ہم وضو پورا کریں اور صدقہ نہ کھائیں اور گھوڑی پر گدھا نہ چڑھائیں۔ (مشکوۃ باب اعداد آلۃ الجہاد فصل ثانی)

اس حدیث میں تین باتوں کا حکم ہے:

①...... اہل بیت کو وضو کرنے کے وقت عام مسلمانوں سے زیادہ احتیاط کرنی چاہیے یہ

اہل بیت کی خصوصیت ہے۔

②...... اسی طرح بنی ہاشم خصوصاً اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ، فطرہ، نذر وغیرہ واجب صدقے نہیں لے سکتے اگر چہ غریب ہوں۔ حتیٰ کہ زکوٰۃ کا عامل اگر غنی بھی ہو تو زکوٰۃ سے اسے تنخواہ دی جائے گی۔ لیکن اگر عامل سید ہو اسے زکوٰۃ سے اجرت بھی نہیں دے سکتے یہ ہے اس پاک وصاف نسب کی طہارت ونجابت۔

③...... تیسرا حکم یعنی ہم اہل بیت خچر نہ بنائیں خیال رہے کہ خچر بنانا بلا وجہ عوام کے لیے مکروہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور خاندان کے لیے حرام ہے کیوں کہ خچر بنانے میں اعلیٰ سے ادنیٰ حاصل کرنا ہے کہ گھوڑا اعلیٰ ہے خچر ادنیٰ۔ اسی لیے جہاد میں غازی کے گھوڑے کا تو حصہ ہوتا ہے اس کے خچر کا حصہ نہیں ہوتا۔ مگر چونکہ کبھی خچر بھی کام آتا ہے اس لیے خچر بنانا عام امتیوں کے لیے حرام نہیں مگر اہل بیت اطہار کے لیے حرام ہے۔

اس حدیث میں ایسے لوگوں کا رد بھی ہے جو کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باطنی علوم اہل بیت اطہار کو دے گئے جن کی خبر دوسروں کو نہیں۔ (مرقات)

خیال رہے کہ یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے خاص فرد ہیں۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے ہیں اور خود ہاشمی ہیں۔

دوسری حدیث:

روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک خچر ہدیہ پیش کیا گیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہم بھی گدھے کو گھوڑی پر چڑھایا کرتے تو ہمارے پاس بھی اس جیسے جانور ہو جاتے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کام وہ لوگ کرتے ہیں جو جانتے نہیں۔

اس روایت سے کئی باتیں ثابت ہوئیں۔

① خچر کا ہدیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔

② آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس خچر پر سوار بھی ہوئے۔

③ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک آپ کو اس کی سواری مرغوب اور بھلی معلوم ہوئی جس کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی خواہش ظاہر فرمائی۔

④ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ کام وہ لوگ کرتے ہیں جو جانتے نہیں۔''

یعنی جو لوگ احکام شرعی سے ناواقف ہیں وہ یہ کام کرتے ہیں خیال رہے کہ خچر بنانا معززین کو جائز نہیں۔

فقہ حنفی بھی صرف جواز کی حد تک قائل ہے اور جواز کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہدیہ قبول فرمایا اور اس پر سواری بھی فرمائی۔

البتہ اگر گدھا اور گھوڑی خود ایسا کرلیں اور خچر پیدا ہو جائے تو جائز ہے۔

(۹۲)......نابالغ بچوں سے خدمت کروانا منع ہے

مسئلہ کی وضاحت:

فقہ حنفی میں بچوں سے خدمت لینے کے متعلق کافی تفصیل ہے ہر حال میں منع نہیں ہے۔ منع اور مکروہ ایسی جگہ ہے جہاں پر گناہ کا خطرہ ہو یا بچوں پر ظلم ہوتا ہو۔ فقہ حنفی میں جو بعض فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔ وہاں پر ایسے بچے مراد ہیں جو ''امرد'' ہوں۔ امرد کہتے ہیں ایسا بے ریش لڑکا جو بلوغت کے قریب ہو۔ جب ایسے بچے سے خدمت لوگے یا اپنے پاس رکھوگے تو گناہ کا خطرہ ہوگا۔

(۱)......حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اپنی تفسیر معارف القرآن ج۶ ص۴۰۰ میں لکھتے ہیں:

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بہت سے اسلافِ امت کسی امرد (بے ریش) لڑکے کی طرف دیکھتے رہنے سے بڑی سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے۔ اور بہت سے علماء نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ (غالباً یہ اس صورت میں ہے جب کہ بری نیت اور نفس کی خواہش کے ساتھ نظر کی جائے۔)

(۲)......بحرالرائق شرح کنزالدقائق میں ہے:

حُرِّمَ النَّظْرُ اِلٰی وَجْهِهَا وَجْهِ الْاَمْرَدِ اِذَا شَكَّ فِي الشَّهْوَةِ قَالَ مَشَائِخُنَا تُمْنَعُ الْمَرْءَةُ الشَّابَّةِ مِنْ كَشْفِ وَجْهِهَا بَيْنَ الرِّجَالِ فِيْ زَمَانِنَا لِلْفِتْنَةِ

یعنی اجنبی عورت اور خوب صورت بے ریش لڑکے کے چہرہ کی طرف دیکھنا حرام ہے۔ اگر خوفِ شہوت ہو۔ مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ جوان عورت کو مردوں میں چہرہ کھولنے سے منع کیا جائے گا۔ ہمارے زمانہ میں بوجہ فتنہ کے۔

(۳)...... مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی تصوف پر مشہور زمانہ کتاب عوارف المعارف کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

جس وقت محفلِ سماع میں مغنی بے ریش لڑکا ہو تو فتنہ متوجہ ہوتا ہے، تمام خدا ترس لوگوں کے نزدیک یہ سماع قطعاً حرام ہے۔ حضرت بقیہ بن ولید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ''اسلاف بے داڑھی کے حسین لڑکے پر نظر ڈالنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔'' حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: ''جس نظر میں بھی نفسانی خواہش ہو، اس میں کوئی بھلائی نہیں۔'' بعض تابعین فرمایا کرتے تھے کہ میں کسی تائب نوجوان کے لیے خوفناک درندے کو اتنا خطرناک اور مہلک نہیں سمجھتا جتنا ایک بے ریش لڑکے سے اس کی مجالست کو۔

خلاصہ یہ کہ جماعت صوفیاء کے لیے اب صرف ایک ہی صورت رہ جاتی ہے، وہ یہ کہ اس قسم کی محفلوں سے پرہیز کریں اور مواضع تہمت سے بچیں۔ کیوں کہ تصوف تو سراپا صدق و حقیقت ہے۔ اسے ہرگز ہزل واستہزاء سے نہ ملائیں۔

(عوارف المعارف بھامش الاحیاء ج ۲ ص ۲۲۱ بحوالہ اسلام اور موسیقی ص ۳۲۸، ۳۲۹)

(۹۳)...... مسلمان اور ذمی کی دیت برابر ہے

عن السامة بن زيد ان رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جعل دية المعاهد كدية المسلم

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہد کی دیت مسلمان کی دیت جیسی مقرر کی (یعنی مسلمان اور کافر دونوں دیت میں برابر ہیں) (نصب الرایہ ج ۴ ص ۳۶۷)

عن سعيد بن المسيب قال قال رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دية كل ذى عهد فى عهده الف دينار.

حضرت سعید بن میّب سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر ذی عہد

(ذمی) کی دیت آپ ﷺ کے زمانے میں ایک ہزار دینار تھی۔ (نصب الرایہ ج ۴ ص ۳۶۶)

(۹۴)......دیت ثابت نہیں مگر قاتل کی رضامندی سے

حنفیہ کے ہاں قتل عمد میں اولیاء مقتول کو صرف قصاص کا حق ہے۔ قاتل کی رضا کے بغیر اولیاء خود بخود اس پر دیت کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔ حنفیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قرآن پاک کی متعدد آیات اور کئی احادیث نے یہ بات متعین کر دی ہے کہ عمداً جنایت کا اصل موجب قصاص ہی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

پہلی آیت:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى

اے اہل ایمان تمہارے اوپر قصاص فرض کیا گیا ہے مقتولین کے بارے میں، تو آزاد کے بدلے آزاد قتل کیا جائے گا، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت کو قتل کیا جائے گا۔ (البقرہ:۱۷۸)

دوسری آیت:

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ

اور ہم نے لکھا ان پر اس تورات میں کہ بے شک جان جان کے بدلے ہے اور آنکھ آنکھ کے بدلے اور ناک ناک کے بدلے اور کان کان کے بدلے اور دانت دانت کے بدلے اور زخموں کا قصاص ہے۔ (المائدہ:۴۵)

ان دونوں آیتوں سے ثابت ہوا کہ قتل کا بدلہ قصاص میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں ربیع کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: **یا انس! کتاب اللہ القصاص** ''یعنی کتاب اللہ کا فیصلہ قصاص ہی کا ہے۔'' (مشکوٰۃ کتاب القصاص فصل اول)

ایسے ہی بعض احادیث میں مصرح ہے۔ **العمد قود والخطأ دية (نصب الرایه**

ج٤ ص ۳۲۷ ـ ۳۲۸) ان نصوص سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قتل عمد کا اصل موجب قصاص ہے اس لیے حنفیہ کے ہاں اولیاء مقتول کو صرف اسی کا حق ہے اگر وہ اس سے انحراف کر کے کچھ اور لینا چاہتے ہیں تو چونکہ وہ شرعاً قاتل پر واجب نہیں ہے اس لیے اس کی رضا ضروری ہے۔

(۹۵)...... کسی کے گھر میں جھانکنے والے کی اگر کوئی غلطی سے آنکھ نکال دے تو ضمان (دیت) دے

حدیث نمبر ۱:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی آدمی نے تیری اجازت کے بغیر تیرے گھر میں جھانکا اور تو نے اس کو کنکر مار دیا جس سے اس کی آنکھ پھوٹ گئی تو تجھ پر کوئی گناہ نہیں۔ (بخاری)

تشریح:

اس روایت کے الفاظ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس مسلک کی تائید کرتے ہیں کہ قصداً آنکھ کو پھوڑنا درست نہیں، البتہ اگر کنکر مارتے سے آنکھ پھوٹ جائے تو کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ تاہم گناہ نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی دیت بھی لازم نہیں آئے گی کیوں کہ اس نے ناحق اس کی آنکھ پھوڑی ہے۔ چنانچہ خطا ہونے کی وجہ سے اگرچہ اس پر قصاص لازم نہیں آتا لیکن دیت بہرحال لازم آئے گی۔

حدیث نمبر ۲:

عبداللہ بن ابوبکر سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ایک فیصلہ لکھا جس میں یہ تھا کہ آنکھ کی دیت پچاس اونٹ ہیں۔ (مصنف عبدالرزاق ۳۲۶/۹)

(۹۶)...... استنجا کے لیے جتنے مرضی ڈھیلے استعمال کرے کوئی عدد سنت نہیں

حدیث نمبر ۱:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ اتَّبَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَرَجَ لِحَاجَتِهِ فَكَانَ

لَا يَلْتَفِتُ فَدَنَوْتُ مِنْهُ فَقَالَ ابْغِنِي أَحْجَارًا أَسْتَنْفِضْ بِهَا أَوْ نَحْوَهُ وَلَا تَأْتِنِي بِعَظْمٍ وَلَا رَوْثٍ فَأَتَيْتُهُ بِأَحْجَارٍ بِطَرَفِ ثِيَابِي فَوَضَعْتُهَا إِلَى جَنْبِهِ وَأَعْرَضْتُ عَنْهُ فَلَمَّا قَضَى أَتْبَعَهُ بِهِنَّ **(بخاری، باب الاستنجاء بالحجارة، ج۱ ص۲۷)**

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے نکلے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اِدھر اُدھر نہیں دیکھتے تھے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پتھر تلاش کر کے لا کر دو میں ان سے استنجا کروں گا اور میرے پاس ہڈی اور گوبر نہ لانا۔ میں اپنے کپڑے میں پتھر لے کر آیا، پس وہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں لا کر رکھ دیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ پھیر لیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت سے فارغ ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پتھروں سے استنجاء کیا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈھیلوں کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے کیوں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کپڑے میں ڈھیلے لائے تھے کتنے لائے تھے اس کی تعیین نہیں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے ڈھیلے استعمال کیے اس بات کا بھی کوئی یقین نہیں ہے۔

حدیث نمبر۲:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے آئے اور مجھے حکم دیا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین پتھر (یا مٹی کے ڈھیلے) لا کر دوں، پس مجھے دو پتھر مل گئے میں نے تیسرے پتھر کو تلاش کیا تو وہ مجھے نہیں ملا تو میں نے گوبر (کا ٹکڑا) اٹھا لیا پس وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو پتھر لے لیے اور گوبر کو پھینک دیا اور فرمایا یہ نجس ہے۔

(بخاری، کتاب الوضوء، باب لا یستنجی بروث جلد اول)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو پر اکتفا فرمایا اگر تین ہی واجب ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو پر اکتفا نہ فرماتے۔ امام ترمذی نے اس حدیث پر **باب الاستنجاء بالحجرین** کا عنوان قائم کر کے یہی بتلایا ہے کہ اس واقعہ میں دو پر اکتفا فرمایا گیا۔

نوٹ:

اگر کوئی تین پتھر استعمال کر لے تو حنفی اس کو مستحب یا جائز کہتے ہیں۔ مگر واجب یا سنت موکدہ نہیں کہتے۔

(۹۷)......اگر ہڈی اور گوبر سے کوئی استنجاء کر لے تو کافی ہو جائے گا

ہدایہ میں مکمل مسئلہ اس طرح لکھا ہوا ہے اور (کوئی بھی شخص) ہڈی اور گوبر سے استنجاء نہ کرے۔ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اور اگر کسی نے کر لیا تو کافی ہو جائے گا۔ اس لیے کہ مقصود حاصل ہو چکا۔ اور گوبر میں نہی کی علت نجاست ہے۔ اور ہڈی میں اس کا جنات کی خوراک ہونا ہے۔ شارح ہدایہ مفتی عبدالحلیم قاسمی بستوی لکھتے ہیں:
کوئی بھی شخص ہڈی اور گوبر سے استنجاء نہ کرے اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (احسن الہدایہ ج ا ص ۲۸۸)

(۹۸)......کسی خاص نماز کے لیے کسی خاص سورۃ کو مقرر کر لینا مکروہ ہے

اس مسئلہ کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ہدایہ پر اعتراضات کا علمی جائزہ ص ۳۷۳ تا ۳۷۸ میں لکھ دی ہے، تفصیل تو وہاں پر ہی ملاحظہ فرمائیں۔ مختصراً یہاں پر بھی کچھ عرض کرتے ہیں۔
مفتی عبدالحلیم قاسمی صاحب لکھتے ہیں:
مسئلہ یہ ہے کہ کسی بھی نماز کے لیے قرآن کریم کے کسی خاص حصے کا پڑھنا لازم اور ضروری نہیں ہے کہ اگر اس نماز میں اس حصہ کو نہ پڑھا جائے گا تو نماز ہی درست نہیں ہو گی۔ کیوں کہ قرأت قرآن کے سلسلے میں جو آیت ہے یعنی فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ وہ مطلق ہے اور **المطلق یجزی علی اطلاقه** کے پیش نظر پورے قرآن میں سے کہیں سے بھی قرأت کرنے سے نماز ہو جائے گی لہٰذا قرآن کے کسی بھی حصے کو خاص کرنا درست نہیں ہے۔ (احسن الہدایہ جلد دوم ص ۹۵۔۹۶)

قرآن اور بہت سی احادیث سے احناف کے نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔ ان کے خلاف ایسا نظریہ قائم کرنا درست معلوم نہیں ہوتا۔ صاحب ہدایہ نے اس مقام پر مکرہ کی وجہ بھی ساتھ ہی لکھی ہے۔ جس سے مسئلہ آسانی سے سمجھ آ جاتا ہے۔ بہر حال فقہ حنفی کا مسئلہ قرآن کے مطابق ہے۔

(۹۹)......نماز شکرانہ یا سجدہ شکر

حدیث نمبر ۱:

شعثا بیان کرتی ہیں میں نے حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کو دو رکعت ادا کرتے ہوئے دیکھا بعد میں انہوں نے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاشت کے وقت دو رکعت اس وقت ادا کی تھی جب (غزوہ بدر کے موقع پر) آپ کو فتح کی خوش خبری سنائی گئی (راوی کو شک ہے) یا شاید ابو جہل کے سر (لائے جانے کی خوش خبری سنائی گئی) (سنن دارمی جلد اول، باب فی سجدۃ الشکر)

حدیث نمبر ۲:

عبداللہ بن ابی اوفی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ابو جہل کے سر کی خوش خبری سنائی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھی۔ (ابن ماجہ، باب ما جاء فی الصلوٰۃ والسجدۃ عند الشکر)

(۱۰۰)......ظہر کا آخر وقت دو مثل پر ہوتا ہے

حدیث نمبر ۱:

عَنْ أَبِی ذَرٍّ الْغِفَارِیِّ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی سَفَرٍ فَأَرَادَ الْمُؤَذِّنُ أَنْ يُؤَذِّنَ لِلظُّهْرِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْرِدْ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ لَهُ أَبْرِدْ حَتّٰى رَأَيْنَا فَیْءَ التُّلُولِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ

(بخاری، مواقیت الصلوٰۃ، باب الابراد بالظهر فی السفر، ج۱ ص ۷۷. ومسلم باب استحباب الابراد بالظهر، ج۱ ص ۲۲٤)

حضرت ابوذر غفاری سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر پر تھے موذن نے ارادہ کیا ظہر کے لیے اذان کہنے کا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھنڈے وقت میں۔ اس نے پھر اذان کہنے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا ٹھنڈے وقت میں یہاں تک کہ جب ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک گرمی کی شدت جہنم کے جوش مارنے کی وجہ سے ہے۔ جب گرمی سخت ہو جائے تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو۔

حدیث نمبر۲:

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا عَنِ الصَّلَاةِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ

(ترمذی، باب ما جاء فی تاخیر الظهر، ج۱ ص۴۰. نسائی، باب الابراد بالظهر، ج۱ ص۸۷. وأبو داؤد، باب فی صلوٰة الظهر، ج۱ ص۵۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب گرمی زیادہ ہو جائے تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو (یعنی تاخیر سے پڑھو) بے شک گرمی زیادہ ہونا جہنم کے جوش مارنے کی وجہ سے ہے۔

حدیث نمبر۳:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ظہر کی نماز پڑھو جب تمہارا سایہ ایک مثل ہو۔ اور عصر کی نماز پڑھو جب تمہارا سایہ دو مثل ہو۔ (مؤطا امام مالک ص ۶۔ مصنف عبدالرزاق ج ۱ص ۵۴۲)

(۱۰۱)...... نہ قیدیوں کا بدلہ لیا جائے اور نہ ان پر احسان کیا جائے

مسئلہ کی وضاحت:

جن روایات میں قیدیوں پر احسان کرنے کا ذکر ہے وہ پہلے زمانہ کی ہیں۔ کیوں کہ شروع اسلام میں کفار قیدیوں کو احسان کر کے چھوڑ دینا جائز تھا۔ پھر منسوخ ہو گیا۔ یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہ، مالک واحمد رحمہم اللہ کا۔ فقہائے احناف فرماتے ہیں کہ یہ احادیث اس آیت کی وجہ سے منسوخ ہیں۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ

''یعنی قتل کرو مشرکوں کو جہاں پاؤ تم ان کو۔'' (التوبہ:۵)

دوسری آیت:

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً ''اور تم لڑو مشرکوں سے اکھٹے۔'' (التوبہ:۳۶)

(۱۰۲)...... کسی نابالغ یا بالغ کو دریا میں غرق کیا تو قصاص نہیں

فقہ حنفی میں ایسے مجرم پر دیت اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے۔

(بنایہ شرح ہدایہ ج ۱۲ص ۱۲۹)

امام صاحب کے نزدیک قصاص نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پانی سے واقع ہونے والا قتل یقیناً شبہ عمد ہوگا اور شبہ عمد میں دیت واجب ہوتی ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔

عن علی قال قتیل السوط والعصا شبه عمد

(مصنف ابن ابی شیبة ج۵ ص۳٤۸، مصنف عبد الرزاق حدیث ۱۷۱۹۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کوڑے اور لاٹھی کا مقتول شبہ عمد ہے۔

صاحب ہدایہ نے جو (حدیث من غرق غرقناہ) امام شافعی کی دلیل کے طور پر نقل کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع متصل نہیں ہے بلکہ یہ حدیث کے راوی زیاد کا اپنا کلام ہے۔ اور ایسی حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ اس حدیث کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر ہم اس حدیث کو مان بھی لیں تو یہ حدیث سیاست مدنیہ پر محمول ہوگی۔

(احسن الہدایہ ج۱۵ ص۵۵)

(۱۰۳)......میاں بیوی کے درمیان قصاص نہیں سوا قتل کے

اس مسئلہ کی تشریح اس طرح ہے کہ مرد نے عورت کی جان کو قتل کیا تب تو عورت کا قصاص مرد سے لیا جائے گا۔ اور مرد کو عورت کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ لیکن مرد نے عورت کا ہاتھ کاٹا، پاؤں کاٹا، یا ناک کاٹی تو ان میں قصاص کے طور پر مرد کا ہاتھ، پاؤں، ناک نہیں کاٹے جائیں گے بلکہ دیت لازم ہوگی۔ حدیث میں آتا ہے۔

عن حماد قال لیس بین الرجل والمرأة قصاص فیما دون النفس فی العمد. (مصنف ابن ابی شیبة ج۵ ص٤۱۰)

حضرت حماد نے فرمایا مرد اور عورت کے درمیان قصاص نہیں ہے نفس کے علاوہ میں قطع عمد میں۔

اس اثر سے معلوم ہوا کہ جان کے علاوہ کو جان بوجھ کر زخمی کیا تو اس میں قصاص نہیں دیت ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے:

(احسن الہدایہ جلد۱۵ ص۷۰، ۷۱، احکام جنایات کے بیان میں)

(۱۰۴)......مسلمان اگر کسی نصرانی کو شراب کی خرید وفروخت پر لگائے تو اس کی آمدنی مسلمان کے لیے جائز ہے

عن سويد بن غفلة قال بلغ عمر بن الخطاب ان ناسًا ياخذون الجزية من الخنازير وقال بلال انهم ليفعلون فقال عمر لا تفعلوا ولوهم بيعها.

(اعلاء السنن جلد۱٤ ص۱۱۱)

حضرت سوید بن غفلہ فرماتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی کہ لوگ خنزیروں کا جزیہ لیتے ہیں۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ لوگ ایسا کرتے تھے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم ایسا مت کرو اور ان کو خنزیروں کی بیع کا مالک بنادو۔ (یعنی وہ خنزیر بیچیں اور تم ان سے قیمت وصول کرلیا کرو۔)

عن سويد بن غفلة ان بلال قال لعمر بن الخطاب ان عمالك ياخذون الخمر والخنازير في الخراج. فقال لا تاخذوها منهم ولكن ولوهم بيعها وخذوا انتم من الثمن (اعلاء السنن جلد نمبر۱٤ ص۱۱۱. ۱۱۲)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کے عمال خراج (ٹیکس) میں شراب اور خنزیر لیتے ہیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم ان سے یہ مت لو بلکہ تم ان کو بیع کا مالک بنادو اور تم ان سے ثمن لے لیا کرو۔

(۱۰۵)......تعزیر کا حکم

ہمارے ہاں وہ حدیث منسوخ ہے جس میں آتا ہے کہ دس کوڑوں سے زیادہ نہ لگائیں جائیں۔ امام مالک کے ہاں زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہے۔ بہتر یہ ہے حاکم انتالیس کوڑے تک تعزیر لگا سکتا ہے۔ یعنی غلام کی سزا قذف چالیس کوڑے ہے اس سے کم رکھے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ۷۵ کوڑے تک لگا سکتا ہے۔ یعنی آزاد کی سزا تہمت اسی کوڑے ہے اس سے کم رکھے یہ استحبابی حکم ہے۔

ورنہ اگر ضروری سمجھے تو حد سے زیادہ بھی لگائے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معن ابن

زائدہ کو دھوکہ دہی کی سزا میں ایک سو کوڑے لگائے اور قید بھی کیا کچھ روز کے بعد ایک سو کوڑے اور لگائے کچھ دن بعد ایک سو کوڑے اور لگائے غرضیکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہ عمل بتا رہے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ (مرقات) یہ گفتگو اس صورت میں ہے کہ قاضی جنس حد سے سزا دے اگر دوسری جنس سے سزا دے تو تعزیر میں قتل بھی جائز ہے۔

مشکوٰۃ شریف کی حدیث ابن عباس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فاضر بوہ عشرین کا حکم فرمایا ہے۔ مکمل حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی شخص کسی (مسلمان) کو کہے اے یہودی تو اس کو بیس کوڑے مارو اور اگر مخنث کہے تب بھی اس کو بیس کوڑے مارو اور جو شخص محرم عورت سے زنا کا مرتکب ہو اس کو مار ڈالو۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بطور تعزیر بیس کوڑے بھی مارے جا سکتے ہیں اور قتل بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس حدیث کا آخری جملہ ”جو شخص محرم عورت سے زنا کا مرتکب ہوا اس کو مار ڈالو۔“ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ حضرت امام احمد نے اس ارشاد کے ظاہری مفہوم پر عمل کیا ہے جب کہ جمہور علماء کے نزدیک اس کا ظاہری مفہوم مراد نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق صرف زجر وتہدید سے ہے بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ یہ ارشاد اس بات پر محمول ہے کہ جو شخص حلال اور ہلکا جان کر کسی محرم عورت سے زنا کرے اس کو مار ڈالا جائے ورنہ محرم عورت کے ساتھ زنا کا بھی وہی حکم ہے جو دوسری عورتوں کے ساتھ زنا کا ہے۔ اگر زانی محصن (شادی شدہ) ہو تو اس کو سنگسار کیا جائے اور اگر غیر محصن (کنوارا) ہو تو سو کوڑے مارے جائیں۔ کیوں کہ زنا زنا ہی ہے اس لیے ایسے مجرم کو بھی ایسی سزا ملے گی جو قرآن وسنت میں زانی کے لیے مقرر ہے۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں
فقہ حنفی کے بائیس مسائل
کی تحقیق

اس رسالے میں مولانا محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد کے فقہ حنفی پر کیے گئے بائیس اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔

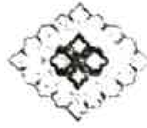
جمع وترتیب

پیر جی سید مشتاق علی شاہ

ناشر

پیر جی سید عبدالمبین

محلہ گوبندگڑھ گلی نمبر ۸ مکان نمبر C/36 گوجرانوالہ



نام کتاب	قرآن وحدیث کی روشنی میں فقہ حنفی کے بائیس مسائل کی تحقیق
مرتب	پیر جی سید مشتاق علی
صفحات	144
تعداد	100
طباعت	اگست 2023ء
قیمت	

ملنے کا پتہ

پیر جی سید عبدالمبین

محلّہ گوبند گڑھ گلی نمبر ۸ مکان نمبر C/36 گوجرانوالہ

ضروری اعلان:

ہم نے اس رسالہ میں اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے کہ کوئی غلطی نہ ہو۔ مگر پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ فرمائیں۔ ان شاء اللہ ضرور درست کردی جائے گی۔ ہم قرآن وسنت کے خلاف کسی کی بات نہیں مانتے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت پر صحیح معنی میں عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ آمین!!

احقر

پیر جی سید مشتاق علی

23-8-2023

فہرست مضامین

اعتراض نمبر ۱:

کتے کا ناپاک برتن

رسول اللہؐ کا حکم:

عن اَبی ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا شَرِبَ الْکَلْبُ فِیْ اِنَآءِ اَحَدِکُمْ سَبْعَ مَرَّاتٍ. (بخاری مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب کتا تمہارے برتن میں سے پی جائے تو اسے سات مرتبہ دھوؤ۔

فقہ کا اختلاف:

یُغْسَلُ الْاِنَاءُ مِنْ وُّلُوغِہٖ ثَلٰثًا. (ہدایہ کتاب الطہارۃ)

''جب برتن سے کتا پی جائے اسے تین بار دھوؤ۔''

بخاری شریف اور مسلم شریف کی متفق علیہ حدیث کے خلاف بے دلیل قول! بھائیو اغور کرو!

(سبیل الرسول ص ۲۲۹، شمع محمدی ص ۸۲، ظفر المبین ص ۶۳، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۵۷، اختلاف امت کا المیہ ص ۵۸)

جواب:

اس مسئلہ میں احادیث مختلف ہیں کسی میں کچھ اور کسی میں کچھ۔ حکیم صاحب نے صرف اپنے مطلب کی حدیث نقل کر دی اور دوسری چھوڑ دی، ہم یہاں پر پہلے وہ احادیث نقل کرتے ہیں۔

پہلی حدیث:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) کتے کے جھوٹے برتن کو سات دفعہ دھوڈالو آٹھویں دفعہ مٹی سے مانجھو۔

(مسلم عن عبد الله بن المغفل، کتاب الطهارة، ج۱ ص ۱۸۳۷)

دوسری حدیث:

کتے کے جھوٹے برتن کو سات مرتبہ دھوؤ۔ (بخاری مسلم عن ابی ہریرہ، مسلم ج۱،ص ۱۳۷)

تیسری حدیث:

کتے کے جھوٹے برتن کو تین مرتبہ دھوؤ۔

(کامل ابن عدی عن ابی ہریرہؓ ہذا صحیح اوحسن (معارف السنن ج۱،ص ۳۲۵)

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین حکم ہیں آٹھ مرتبہ دھونا۔ سات مرتبہ دھونا، تین مرتبہ دھونا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا فتوی:

کتا برتن میں منہ ڈال دے تو تین مرتبہ دھونا چاہیے۔

(دار قطنی کتاب الطهارة، ج۱ ص ٦٦، باب ولوغ الكلب الاناء، طحاوی بسند صحیح (آثار السنن ج۱ ص ۱۲)

محدث طحاویؒ فرماتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا تین بار دھونے کا فتوی دنیا واضح دلیل ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی سات دفعہ دھونے والی حدیث منسوخ ہے کیونکہ ہم حضرت ابو ہریرہؓ سے حسن ظن رکھتے ہیں یہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت ابو ہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ اور سنیں اور پھر فتویٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دیں۔ اس سے تو آپؓ کی عدالت ہی ساقط ہو جائے گی اور صحابہؓ سب کے سب عادل ہیں۔ (طحاوی ج۱ ص ۲۳)

مکہ مکرمہ:

مکہ مکرمہ کے مفتی حضرت عطاءؒ سے جب کتے کے جھوٹے برتن کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا میں نے یہ سب سنا ہے سات مرتبہ، پانچ مرتبہ اور تین مرتبہ

(مصنف عبدالرزاق ج۱ ص ۹۷)

مدینہ منورہ:

مدینہ منورہ میں معمر جو سات اور آٹھ دفعہ دھونے کی حدیث کے راوی ہیں کہتے ہیں میں نے امام زہری سے کتے کے جھوٹے برتن کا مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا تین مرتبہ دھویا جائے۔(عبدالرزاق ج اص ۹۷، باب یلغ فی الاناء)

کوفہ:

کوفہ میں سیدنا الامام الاعظم بھی یہی فتویٰ دیتے تھے کہ برتن تین مرتبہ دھویا جائے۔

آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تین حکم مروی ہیں جو بظاہر متعارض ہیں اور خود آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے بارہ میں کوئی فیصلہ مروی نہیں کہ کون سا پہلے کا ہے اور کون سا بعد کا اور جو فیصلہ صراحۃً کتاب وسنت میں موجود نہ ہو اس میں بنص حدیث معاذؓ مجتہد اجتہاد سے جو فیصلہ دے وہ لازم العمل ہوگا۔

ایک واضح حدیث:

احادیث پر نظر رکھنے والا جانتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں کتوں کے بارہ میں احکام بہت سخت تھے ان کو مار ڈالنے کا حکم تھا (مسلم فی السلام، حدیث نمبر ۴۱۴۱) اس کے کچھ عرصہ بعد اس حکم میں تخفیف ہوئی تو آپ نے فرمایا صرف کالے کتوں کو مار ڈالو۔(ترمذی فی الصید حدیث نمبر ۱۴۰۶، نسائی ۴۲۰۶، ابوداؤد حدیث نمبر ۲۴۶۲) بعد میں یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا۔ بعد میں ان سے شکار کھیلنے کی اجازت مل گئی اور احکام نرم کر دیئے گئے اس لئے خیر القرون میں تمام مراکز اسلام، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، کوفہ میں فتویٰ تین پر ہی رہا۔

حکیم صاحب نے احناف کثر اللہ سوادہم پر اعتراض کرنے کے لئے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے بھی دھوکا کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین حکموں میں سے ایک حکم بتایا اور دو کو چھپایا۔

دوسرا فریب یہ کہ صحابی رسول اور تابعین کے صحیح فتاوٰی کو چھپایا۔ انہوں نے تین والی

حدیث پر فتوی دیا تھا۔ اس نے خیر القرون والوں کے خلاف محض ضد اور نفسانیت سے اس فتوی کی مخالفت کی۔

ہدایہ کی عبارت نقل کرنے میں خیانت کی۔

ہدایہ کی مکمل عبارت کا ترجمہ:

اور کتے کا جھوٹا ناپاک ہے اور جس برتن میں کتا منہ ڈال دے اس کو تین مرتبہ دھویا جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کتے کے جھوٹے برتن کو تین مرتبہ دھوؤ۔ اور کتے کا منہ پانی کو لگا تھا نہ کہ برتن کو تو جب برتن ناپاک ہو گیا تو پانی بدرجہ اولیٰ ناپاک ہو گیا یہ دلیل ہے کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے اور حدیث شریف میں تین مرتبہ کا عدد امام شافعیؒ پر حجت ہے جو سات مرتبہ کو شرط قرار دیتے ہیں کتے کا پیشاب جہاں لگ جائے تو (بالاتفاق) تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گا اور جس حدیث میں سات مرتبہ دھونے کا حکم ہے وہ اسلام کے ابتدائی دور سے متعلق ہے (اب منسوخ ہے) (ہدایہ ج ا ص ۴۵)

دیکھو صاحب ہدایہ نے مسئلہ کا ثبوت حدیث پاک سے دیا تھا۔ اور قیاس والی دلیل بھی نقل کی تھی اور سات والی روایت کا جواب بھی دیا تھا مگر حکیم صاحب نے ہدایہ کی عبارت نقل کرنے میں انتہائی خیانت کی ہے۔

نوٹ: لامذہب اپنی بددیانتیوں کو چھپانے کے لئے جلدی سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ سات والی حدیث صحیح ہے اور تین والی ضعیف ہے ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ سات والی حدیث کو صحیح اور تین والی کو ضعیف اللہ کے نبی نے کہا ہے۔ یا کسی امتی نے اگر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تو حدیث پیش کرو اگر کسی امتی نے کہا ہے تو امتی کی تقلید آپ کے مذہب میں شرک ہے۔

پھر دوسرا سوال یہ ہے کہ وہ امتی خیر القرون کا مجتہد ہے یا بعد خیر القرون کا غیر مجتہد۔ تو ہم خیر القرون کے مجتہد کے مقابلہ میں مابعد خیر القرون کے کسی غیر مجتہد کی بات تسلیم نہیں کرتے

کیونکہ خیر القرون والوں کی خیریت حدیث صحیح سے ثابت ہے اور بعد والوں کی خیریت حدیث سے ثابت نہیں اور مجتہد کی طرف رجوع حدیث سے ثابت ہے کسی غیر مجتہد کی طرف رجوع حدیث سے ثابت نہیں۔

حکیم صاحب نے احناف پر اعتراض کرنے کے لئے تو دیانت وامانت سب کو خیر باد کہہ دیا مگر صحیح بخاری ج ا ص ۲۹ پر کتے کے جھوٹے پانی سے وضو کرنے کی اجازت دی ہے ذرا اس طرف بھی توجہ فرماتے اور آپ کے علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں کتے کا پیشاب پاک ہے۔ (ہدایۃ المہدی ج ۳ ص ۷۸) اور نواب صدیق حسن غیر مقلد لکھتے ہیں کتے کے گوشت، خون، بال اور پسینہ کے نجس ہونے پر دلیل نہیں ہے (بدور الاہلہ ص ۱۶) حکیم صاحب آپ نے ان کی تردید میں کیا لکھا ہے جو کسی امتی کے نام سے نہیں بلکہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے ایسے گندے مسائل پھیلا کر نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کر رہے ہیں حکیم صاحب آپ کے ابن حزم نے یہ لکھا ہے کہ بیوی کو حق مہر میں کتا دینا جائز ہے۔

اعتراض نمبر۲:

بیت اللہ کی چھت پر نماز

پیغمبر رحمتؐ کی ممانعت:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّصَلّٰى فَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ اللّٰهِ (ترمذی شریف)

''حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے سے منع کیا۔''

فقہ کا اختلاف:

وَمَنْ صَلّٰى عَلٰى ظَهْرِ الْكَعْبَةِ جَازَتْ (ہدایہ باب الصلوٰۃ فی الکعبہ ج ا، ص ۱۸۵)

''کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنی جائز ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنے سے منع فرمائیں لیکن فقہ کہے کہ جس نے کعبہ کی چھت پر نماز پڑھی، اس کی نماز جائز ہے کیوں جائز ہے؟ جو کام حضرت انور منع کریں وہ کیونکر جائز ہوسکتا ہے۔ یہ حدیث پر زیادتی ہے۔

(سبیل الرسول ص ۲۳۰، شمع محمدی ص ۸۷، ظفر المبین ص ۲۴۳، اختلاف امت کا المیہ ص ۵۸)

جواب:

حکیم صاحب نے پہلے تو حدیث نہایت نامکمل نقل کی پھر اس پر امام ترمذیؒ نے جو جرح کی وہ بھی نقل نہ کی اور جو باب ترمذی اور ابن ماجہ نے کراہت کے لفظ پر باندھا اس کو بھی نقل نہ کیا۔ اور پھر ہدایہ کی عبارت بھی نامکمل نقل کی۔ صاحب ہدایہ نے اس حدیث کا انکار نہیں کیا بلکہ اس حدیث سے بیت اللہ شریف کی چھت پر نماز پڑھنے کو مکروہ ثابت کیا تھا لیکن حکیم صاحب نے اسے نقل نہیں کیا۔

حکیم صاحب نے ایک قاعدہ از خود گھڑا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس سے منع فرما دیں اس میں جواز بالکراہت کیسے ہوسکتا ہے، تو حکیم صاحب کا فرض ہے کہ اپنے اس قاعدہ کو پہلے حدیث صحیح صریح غیر معارض سے ثابت کریں حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں **نهينا عن اتباع الجنائز ولم يقوم علينا** (بخاری ج ۱ ص ۱۷۰) اور فرماتی ہیں **كنا منتهىٰ عن اتباع الجنائز ولم يضرم عن علينا** (مسلم ج ۱ ص ۳۰۲) امام نووی فرماتے ہیں۔ **معناه نهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذالك نهى كراهة تنزيله نى عزيمة و تحريم.** (نووی ج ۱ ص ۳۰۴)

حکیم صاحب صحابیات بھی جانتی تھیں کہ نہی کبھی کراہت کے لئے ہوتی ہے کبھی تحریم کے لئے حکیم صاحب بیع میں دھوکا منع ہے مگر ایک شخص جو دھوکا کھا جاتا تھا اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثم **لا خلابة** کہہ دیا کرو امام بخاری اس پر ان الفاظ میں باب باندھتے

ہیں مایکرہ من الخداع فی البیع (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۸۴) حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں اس باب کا مطلب بیان فرماتے ہیں کانہ اشار بھذا الی ان الخداع فی البیع مکروہ ولکنہ لا یفسخ البیع (ھا مش بخاری ج۱، ص۲۸٤ نمبر ۱۰) اور خود اسی زیر بحث حدیث پر امام ترمذی اور ابن ماجہ نے کراہت کا باب باندھا ہے ان پر تو اعتراض نہیں کیا مگر صاحب ہدایہ پر اعتراض کیا۔ کیا حضرت ام عطیہؓ، امام بخاریؒ، امام ترمذیؒ، امام ابن ماجہؒ اور امام نوویؒ پر بھی مخالفت حدیث کا الزام لگے گا۔

حکیم صاحب فقہ پر اعتراض کرنے کے لئے سمجھ بوجھ اور علم کی ضرورت ہے۔ جس سے صرف آپ ہی نہیں آپ کا سارا فرقہ محروم ہے۔ آپ اپنے استاد محترم کی آنکھوں دیکھی شہادت پڑھیں۔ مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی فرماتے ہیں۔ اہل حدیث جماعت اپنے ناقص العلم اور غیر محتاط نام نہاد علماء کی تحریروں اور تقریروں سے دھوکا نہ کھائے ان میں بعض تو پرانے خارجی اور بے علم محض اور بعض کانگرسی ہیں۔ (احیاء المیت ص ۳٤)

حکیم صاحب آپ نے مشکوٰۃ میں یہ حدیث پڑھی ہوگی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ سے فرمایا جو سچے دل سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھے خدا تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ کو حرام کر دیتے ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو روک دیا کہ لوگوں کو اس کی خبر نہ دینا اس روک کے باوجود حضرت معاذؓ نے موت کے وقت یہ حدیث سنا دی بلکہ اس کے نہ سنانے کو گناہ سمجھا۔ (مشکوٰۃ) حکیم صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سے روک دیا تھا اس کو سنانا ہی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا کم مخالفت تھی لیکن اب نہ سنانے کو گناہ سمجھنا یہ تو انتہا ہوگئی۔ فرمائیں آپ کے اصول پر معاذ اللہ حضرت معاذؓ منکر حدیث بن کر فوت ہوئے یاد رکھنا کسی امتی سے اس کی تاویل نقل نہ کرنا صاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کرنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ اب نہ سنانا صرف موت کے وقت سنانا نہ سناؤ گے تو گنہگار ہو گے۔

اعتراض نمبر ۳:

عورتوں کی امامت کا مسئلہ

رسول خداؐ کی اجازت:

عَنْ اُمِّ وَرَقَةَ اَمَرَهَا اَنْ تَؤُمَّ اَهْلَ دَارِهَا. (ابوداؤد، باب امامت النساء)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ورقہ کو اپنے گھر والوں کی امامت کرانے کا حکم دیا۔''

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا تَؤُمُّ النِّسَآءَ وَتَقُوْمُ وَسْطَهُنَّ. (مستدرک حاکم باب امامت المرأۃ)

حضرت عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صف کے بیچ میں کھڑی ہو کر عورتوں کی امامت کراتی تھیں۔''

فقہ کا اختلاف:

يُكْرَهُ لِلنِّسَاءِ اَنْ يُّصَلِّيْنَ وَحْدَهُنَّ الْجَمَاعَةَ. (ہدایہ باب الامت)

''صرف عورتوں کو جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے؟''

حنفی بھائیو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف عورتوں کو بھی جماعت سے نماز پڑھنے کی اجازت دیں۔ عورت کی امامت عورت کے لئے روا رکھی، لیکن فقہ میں یہ کام منع قرار پائے کہ حدیث کی برابری کتنی بری چیز ہے اور امر سید الکونین کے مقابلہ میں یُکْرَہُ کہنا کتنی زیادتی ہے اور پھر اس فقہی یُکْرَہُ سے اس فعل کو حرام سمجھ رکھا ہے کہ احناف کے ہاں عورت کی امامت عورتوں کے لئے قطعاً مفقود ہے۔

(سبیل الرسول ص ۲۳۱، شمع محمدی ص ۸۷، ظفر المبین ص ۱۰۲، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۵۶، اختلاف امت کا المیہ ص ۵۸)

جواب:

جماعت کی نماز میں امام مقتدیوں کے آگے کھڑا ہوتا ہے دو یا دو سے زیادہ مقتدیوں کے

ہوتے ہوئے امام کا آگے کھڑا ہونا اسلام میں سنت متواترہ کی حیثیت رکھتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلفائے راشدین اور تمام امت کا عمل یہی ہے۔ اس لئے دو یا دو سے زائد مقتدیوں کے ہوتے ہوئے امام کا مقتدیوں کے درمیان کھڑے ہوکر جماعت کرانا اس سنت متواترہ کی مخالفت کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے اور پورے ذخیرہ حدیث میں ایک بھی صحیح صریح غیر معارض حدیث موجود نہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں عورتوں کا حکم مردوں سے مختلف ہے حکیم صاحب قیامت تک ایسی حدیث پیش نہیں کرسکتے **ولو كان بعضهم لبعض ظهيرا**.

حکیم صاحب نے ابوداود باب امامۃ النساء سے حضرت ام ورقہ کی حدیث نقل کی ہے **وجعل لها مؤذن يؤذن لها و امرها ان تؤم اهل دارها.** (ج۱ص۶۱) حکیم صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں اس کی سند میں ایک راوی محمد بن فضیل ہے جو سچا تو ہے مگر مذہباً شیعہ ہے دوسرا راوی ولید بن عبداللہ بن جمیع ہے جو سچا تو ہے مگر وہم کا مریض اور مذہباً شیعہ ہے تیسرا راوی عبدالرحمٰن بن خلاد ہے جو مجہول ہے (۲) پھر حکیم صاحب نے حدیث کا یہ جملہ چھوڑ دیا کہ حضرت نے حکم دیا کہ وہ اپنے گھر کے لئے ایک موذن رکھے۔ دوسری روایت میں ہے حضرت نے خود مؤذن مقرر فرما دیا۔ شاید اس طرح غیر مقلد گھر کو ایک ایک مستقل مؤذن رکھنا پڑے گا جس پر ان کا عمل نہیں ہے پھر اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امر موجود ہے امر وجوب کے لئے ہوتا ہے تو غیر مقلدین کا فرض ہے کہ ہر گھر میں عورت کی امامت کو واجب قرار دیں یہ اجازت کا لفظ حدیث کے کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ پھر اس حدیث میں حضرت نے امام عورت کو مقتدیوں سے آگے کھڑے ہونے سے منع نہیں فرمایا تو ہر غیر مقلد گھر کے مرد اپنی بیوی کے پیچھے کھڑے ہوکر نماز باجماعت ادا کیا کریں۔ الغرض یہ حدیث نہ تو صحیح ہے اور نہ ہی اس حدیث کے ظاہر الفاظ پر امت میں کسی کا عمل ہے کہ ہر گھر میں مستقل مؤذن ہو اور مستقل جماعت عورت کرائے۔

پھر حکیم صاحب کو مندرجہ ذیل احادیث جو کلیہ قاعدہ کی حیثیت رکھتی ہیں نظر کیوں نہیں آئیں عن عائشة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا خير فى جماعة النساء الافى المسجد و فى جنازة قتيل رواه احمد والطبرانى

(مجمع الزوائد ج۱ ص۱۵۵)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کی جماعت کی نماز میں کوئی خیر نہیں مگر مسجد میں یا شہید کے جنازے پر۔

حضرت علی فرماتے ہیں لا تقدم المرأة (المدونۃ الکبریٰ ج۱ص۸۶)

ترجمہ: (صف میں) عورتوں کو آگے نہیں کرنا چاہیے۔

اور حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خير صفوف الرجال اولها وشرها آخرها و خير صفوف النساء آخرها وشرها اولها (مسلم ج۱ص۱۸۳) عورت کے لئے تو مقتدی بن کر بھی اگلی صف میں کھڑے ہونا شر ہے پھر اس کی امامت کیسے جائز ہوگی۔ حکیم صاحب جب گھر کے مرد عورت کے مقتدی بنیں گے تو ان پر امام صاحبہ کی اطاعت واجب ہوگی یا نہیں اگر وہ اطاعت کریں گے تو حضرتؐ کا فرمان ہے

هلكت الرجال حين اطاعت النساء رواه الحمد والحاكم وقال صحيح الاسناد

ترجمہ: مرد جب عورت کی اطاعت کریں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔

اگر حکیم صاحب یہ کہیں کہ ہم تو صرف اس کے قائل ہیں کہ صرف عورت عورتوں کی جماعت کرائے تو ان کی پیش کردہ حدیث میں یہ ذکر نہیں بلکہ سب گھر والوں کی امامت کا حکم ہے اور گھر میں مرد بھی ہوتے ہیں اور ہماری پیش کردہ حدیث سے پتہ چلا کہ عورت کی جماعت میں کوئی خیر نہیں اور خیر سے خالی ہونا ہی دلیل کراہت ہے حکیم صاحب نے حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ سے جو روایت نقل کی ہے اولاً تو وہ صحیح نہیں کیونکہ اس کی سند

میں ایک راوی لیث بن ابی سلیم ہے جو ضعیف ہے (میزان الاعتدال) دوسرے اس طریقہ کی تائید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز ثابت نہیں اور جماعت کے وقت مقتدیوں کے درمیان کھڑا ہونا بالاتفاق مکروہ ہے ہاں ایسے مکروہ ارتکاب پر عمل کسی ضرورت کے تحت کیا جا سکتا ہے مثلاً کسی کو نماز کا طریقہ سکھانے کے لئے جیسے ظہر عصر میں امام کا بلند آواز سے قرآن پڑھنا خلاف سنت اور مکروہ ہے مگر صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بغرض تعلیم کبھی کبھار کوئی آیت اونچی آواز سے پڑھ دیتے تھے۔ ایسی ضرورت کے وقت کراہت نہیں رہتی لیکن اس کو جواز کا قاعدہ بنالینا یقیناً مکروہ ہے۔ حکیم صاحب نے دو ضعیف حدیثیں لکھیں اور باقی صحیح حدیثوں کو چھپایا اور بالکل یہی کام ہدایہ کے ساتھ کیا اس کی عبارت بھی مکمل نہیں لکھی۔

ہدایہ کی مکمل عبارت:

ویکرہ للنساء ان یصلین وحدھن الجماعة لانها لا تخلو عن ارتکاب محرم وھو قیام الامام وسط الصف فیکرۃ لا العراۃ وان فعلن قامت الامام وسطھن لان عائشة فعلت کذالك وحمل فعلها الجماعة علی ابتداء الاسلام ولان فی التقدم زیادۃ الکشف (ہدایہ ص۱۲۳)

ترجمہ: اور عورتوں کے لیے مکروہ ہے کہ وہ اکیلی جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں اس لیے کہ یہ محرم کے ارتکاب سے خالی نہیں ہے اور وہ امام کا صف کے درمیان میں کھڑا ہونا ہے پس یہ مکروہ ہے نہ کہ ننگوں کے لیے اور اگر عورتوں نے ایسا کرلیا (یعنی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لی) تو امام درمیان میں کھڑی ہو اس لیے کہ حضرت عائشہؓ نے ایسا کیا ہے اور ان کے اس فعل شروع اسلام میں جماعت پر محمول کیا جانے لگا اور (عورتوں کی امام کو درمیان میں اس لیے کھڑا ہونا ضروری ہے) کہ عورت امام کے آگے ہونے میں بے پردگی زیادہ ہے۔

حکیم صاحب نے ہدایہ کی عبارت نامکمل پیش کی صاحب ہدایہ نے خود حضرت عائشہ کی روایت سے ہی ثابت کر دیا کہ اس سے ہی کراہت نکلتی ہے کیونکہ امام کا مقتدیوں کے درمیان کھڑا ہونا خلاف سنت اور مکروہ ہے۔ ایک سوال حکیم صاحب آپ تو حدیث وفقہ میں

بددیانتی کر کے بھی تضاد ثابت نہ کر سکے لیکن ذرا دیانت داری سے اس کا جواب دیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کے ساتھ دومرتبہ فرمایا**لا صام من صام الابد** جس نے ہمیشہ کا روزہ رکھا اس کا روزہ ہی نہیں ہوگا۔ (بخاری، ج۱ص ۲۶۵) مگر امام شعبہ بن الحجاج **صائم الدھر** تھے۔ (میزان الکبری ج۱ص۵۰، تاریخ بغداد ج۳،ص۴۷۰) امام بخاری صائم الدھر تھے (میزان الکبریٰ ج۱ص۵۰) حافظ عبداللہ روپڑی صائم الدھر تھے (نتائج التقلید ص۳۰) ان حضرات کو آپ بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث کا مخالف سمجھتے ہیں یا نہیں سمجھتے ہیں تو ان کے خلاف آپ نے کون سی کتاب لکھی ہے۔

اعتراض نمبر۴:

نابالغ کی امامت

رحمت عالمؐ کی پروانگی:

عَنْ عَمْرِو بْنِ سَلْمَةَ قَالَ فَقَدْ مُونِیْ بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَ اَنَا ابْنُ سِتٍّ اَوْ سَبْعٍ. (بخاری شریف)

''عمرو بن سلمہؓ نے چھ یا سات سال کی عمر میں لوگوں کی امامت کرائی۔''

لوگوں نے عمرو بن سلمہؓ کو اپنا امام بنایا۔ اس کے پیچھے نمازیں پڑھیں کیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امامت کا ضرور علم تھا اگر بچے کی امامت ناجائز ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم منع کر دیتے یا ضرور ضرور آسمان سے وحی آ جاتی کہ بچے کی امامت جائز نہیں۔ لہٰذا بچے کی امامت سے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سکوت بچے کی امامت کے جواز پر دال ہے۔

فقہ کا اختلاف:

وَلَا یَجُوْزُ لِلرِّجَالِ اَنْ یَّقْتَدُوْا بِامْرَأَۃٍ اَوْ صَبِیٍّ (ہدایہ جلد اول باب الامامت)

''نہیں جائز واسطے مردوں کے کہ نماز پڑھیں پیچھے عورت کے یا بچے کے۔''

عمرو بن سلمہؓ سات سال کے بچے کے پیچھے، حضرت انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک میں نزولِ قرآن کے دور میں مردوں نے نماز پڑھی۔ نہ خدا نے روکا، نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا۔ لیکن فقہ کہتی ہے: لَا یَجُوْزُ نہیں جائز یہ کون صاحب ہیں کہنے والے لَا یَجُوْزُ یہ تو صرف حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی حق ہے کہ فرمائیں: جَازَ، لَا یَجُوْزُ امتی بلا دلیل ایسا نہیں کر سکتے۔

(سبیل الرسول ص ۲۳۲، شمع محمدی ص ۸۷، ظفر المبین جدید ج ۲ ص ۵۰، اختلاف امت کا المیہ ص ۵۹، احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ ص ۱۴)

جواب:

حکیم صاحب نے سبیل الرسول ص ۲۳۲ پر بچے کی امامت کا مسئلہ ذکر کیا ہے کہ حدیث سے بچے کی امامت جائز ہے اور فقہ ناجائز کہتی ہے لیکن بچے کی امامت کے جواز میں نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم نقل کر سکے کہ بالغ مرد نابالغ بچے کو اپنا امام بنالیا کریں نہ حضرتؐ کا فعل ثابت کر سکے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نابالغ بچے کو مردوں کا امام بنایا ہو اور نہ یہ ثابت کر سکے ہیں کہ عمرو بن سلمہ سات سالہ بچے کی امامت کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے ویسے عوام کو دھوکا دینے کے لئے یہ جھوٹ لکھ دیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ضرور تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا یہ بالکل غلط ہے حکیم صاحب نے بخاری کا حوالہ دیا ہے مگر بخاری میں یہ ہرگز مذکور نہیں۔ عمرو بن سلمہ کے خاندان کے لوگ جب مسلمان ہوئے تو انہوں نے حضرت کا حکم سنا کہ جو زیادہ قرآن پڑھا ہو اس کو امام بناؤ انہوں نے اپنی رائے سے عمرو بن سلمہ کو امام بنالیا اس حال میں کہ عمرو بن سلمہ کی چادر پھٹی ہوئی تھی، جس کی وجہ سے چوتڑ ننگے ہوتے تھے پیچھے نماز پڑھنے والی عورتوں نے کہا امام صاحب کے چوتڑ تو چھپا دو (ابوداؤد) حکیم صاحب نے پورا واقعہ اس لئے نقل نہیں کیا کہ اس حدیث سے استدلال کی صحت سے ستر عورت کا وجوب

بھی ختم ہو جاتا اور احناف کی ضد میں ان کے ائمہ مساجد کو عمرو بن سلمہؓ کی طرح نمازیں پڑھانی پڑھتیں۔

دلائل احناف:

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بچے کو امام بننے کی تو کیا اجازت دیتے وہ بچے کو پہلی صف سے آگے بڑھنے کی بھی اجازت نہیں دیتے

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یتقدم الصف الاول اعرابی ولا اعجمی ولا غلام لم یحتلم (دارقطنی ج۱ص ۳۹۸)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی صف میں دیہاتی، عجمی اور نابالغ لڑکے نہ کھڑے ہو۔

(۲) اہل طائف نے نماز تراویح میں ایک بچے کو امام بنالیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو بطور خوشخبری یہ بات لکھی حضرت بن عبدالعزیزؒ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تمہیں ہرگز نہیں چاہیے کہ لوگوں کا امام ایسے بچے کو بناؤ جس پر حدود واجب نہیں۔

(عبدالرزاق ج۲ص ۳۹۸)

(۳) حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب نے ہمیں منع فرمادیا تھا کہ ہم امامت اس حال میں کرائیں کہ قرآن پاک مصحف سے دیکھ کر پڑھ رہے ہوں اور ہمیں منع فرمایا کہ ہم کسی نابالغ کو امام بنائیں۔ (کنز العمال ج۳ص ۲۴۶)

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں لڑکا اس وقت تک امام نہ بنے جب تک اس پر حدود واجب نہ ہوں (یعنی جب تک بالغ نہ ہوجائے) رواہ الاثرم فی سننہ کذا فی المنتقی

(اعلاء السنن ج۴ص ۲۸۲)

(۵) حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں لڑکا جب تک بالغ نہ ہوامام نہ بنے۔

(عبدالرزاق ج۲،ص ۳۹۸)

(۶) مکہ مکرمہ کے مفتی حضرت عطاء فرماتے ہیں لڑکا امامت نہ کرائے۔ جب تک بالغ نہ ہو۔ (مصنف عبدالرزاق ج۲ ص۳۹۸)

(۷، ۸، ۹) حضرت عمر بن عبدالعزیز، امام شعبی، امام مجاہد فرماتے ہیں لڑکا جب تک بالغ نہ ہو امامت نہ کرے۔ (ابن ابی شیبہ ج۱ ص۳۴۴)

(۱۰) ابراہیم نخعی اس سے کراہت کرتے تھے کہ لڑکا بالغ ہونے سے پہلے امام بنے۔

(المدونة الكبرىٰ ج١ ص٨٥)

(۱۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کو ضامن فرمایا ہے۔

(احمد طبرانی مجمع الزوائد ج۱ ص۱۴۳، ابوداؤد ج۱ ص۷۷، ترمذی ص۵۷)

اب اگر امام کی نماز نفل ہوگی اور مقتدی کی فرض ہوگی تو وہ ضامن کیسے بنے گا اور ظاہر ہے کہ نابالغ بچے کی نماز نفل ہوتی ہے اور مردوں کی فرض تو وہ کیسے امام بن سکتا ہے۔

حکیم صاحب نے جس طرح نقل احادیث میں حق کو چھپایا ایسے ہی فقہ کی کتاب ہدایہ کی عبارت بھی نامکمل نقل کی **ولا يجوز للرجال ان يقتدوا الصبى لانه متنفل فلا يجوز اقتداء المفترض به** (ہدایہ ج۱ ص۱۲۳، ۱۲۴)

حکیم صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید سے موت کی تمنا سے منع فرمایا تھا اور بے چارگی کی حالت صرف ایک خاص دعا کی اجازت دی تھی ذرا الفاظ ملاحظہ ہوں

"قال النبى صلى الله عليه وسلم لايتمنين احدكم الموت من ضر اصابه فان كان لابد فاعلاً فليقل اللهم احينى ما كانت الحياة خيرًا لى وتوفنى اذا كانت الوفاة خيرًا لى" (بخارى ج٢ ص ٨٤٧ عن عائشه)

ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچے تو اس کی وجہ سے ہرگز موت کی تمنا نہ کرے۔ اگر لامحالہ اس نے کرنی ہی ہے تو اس کو یہ دعا کرنی چاہیے اے میرے اللہ مجھے زندہ رکھ جب تک زندگی میرے لیے بہتر ہو اور مجھے وفات دے جس

وقت وفات میرے لیے بہتر ہو۔

لیکن اتنی تاکیدی نہی کے بعد بھی امام بخاریؒ آخر عمر میں یہ دعا مانگتے رہے۔ "اے اللہ زمین باوجود کشادگی کے مجھ پر تنگ ہوگئی ہے تو مجھے اپنی طرف اٹھالے۔"

ایک ماہ پورا نہیں ہوا تھا کہ آپ کا وصال ہوگیا۔

(تاریخ بغداد ج ۲ ص ۳۴، طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج ۱ ص ۱۴)

کیا آپ اس سے یہ نتیجہ نکالیں گے کہ امام بخاری کا وصال مخالفت حدیث پر ہوا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ قرآن ختم کرو **ولا تزد علی ذالك** اور اس پر زیادہ مت کرو (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۵۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہفتہ سے پہلے قرآن پاک ختم کرنے سے صراحۃً منع فرمادیا۔ لیکن پھر بھی امام بخاری روزانہ ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے۔

(تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۲، طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۹ الحطہ فی ذکر صحاح ستہ، ص ۲۲، از نواب صدیق حسن خان غیر مقلد)

حضرت عثمانؓ ایک رات میں پورا قرآن ختم کرتے تھے۔

(طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۵۳)

حضرت تمیم داری اور حضرت عبداللہ بن الزبیر بھی رات کو ایک قرآن ختم کرتے تھے۔

(طحاوی ج ۱ ص ۲۰۵)

امام ربیع بن الجراح ایک رات میں سارا قرآن ختم کردیتے تھے۔

(تاریخ بغداد ج ۱۳، ص ۴۷۰)

امام شافعی نے تین دنوں میں ۹ مرتبہ قرآن ختم کیا۔

(مفتاح الجنه للسیوطی ص ۲۹)

کیا آپ ان سب پر مخالفت حدیث کا الزام لگائیں گے۔

اعتراض نمبر۵:

ہبہ کی ہوئی چیز کا مسئلہ!

ارشادِ خیرالوریٰؐ:

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَائِدُ فِيْ هِبَتِهٖ كَالْكَلْبِ يَعُوْدُ فِيْ قَيْئِهٖ. (بخاری شریف)

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہبہ کی ہوئی چیز کو واپس لینے والا مانند کتے کے ہے جو قے کر کے چاٹ لیتا ہے۔

فقہ کا اختلاف:

اِذَا وَهَبَ هِبَةً لِاَجْنَبِيٍّ فَلَهُ الرَّجُوْعُ فِيْهَا. (ہدایہ کتاب الہبہ)

''جب کسی غیر شخص کو کوئی چیز ہبہ کر دی جائے تو ہبہ کرنے والے کو اسے واپس لینے کا اختیار ہے۔''

حنفی بھائیو! غور کرو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تو ہبہ کی ہوئی چیز کو واپس لینے سے منع فرمائیں اور اس کی مثال کتے کی قے چاٹنے سے دیں لیکن فقہ میں ہبہ کو واپس لینے کا اختیار دیا گیا ہے اور پھر رجوع کے حق پر دلیل نہیں دی۔ افسوس! بخاری شریف کی حدیث کا مقابلہ۔

(سبیل الرسول ص۲۲۳، شمع محمدی ص۴۸، ظفر المبین ص ۲۰۷، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص۱۳۳، اختلاف امت کا المیہ ص۵۹)

جواب:

مؤلف نے نہ تو فقہ کا مسئلہ مکمل نقل فرمایا اور نہ ہی حدیث کو پورا بیان فرمایا۔

مسئلہ:

اگر کوئی شخص کسی اجنبی (غیر محرم) کو کوئی چیز ہبہ کرے تو اس میں رجوع کا اختیار ہے لیکن

اگر وہ لینے والا اس کا کوئی عوض دے دے تو اختیار باقی نہیں رہتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہبہ کرنے والا اپنے ہبہ کا زیادہ حق دار ہے جب تک لینے والے کی طرف سے عوض نہ پایا جائے اور دلیل عقلی یہ ہے کہ اجنبی کو کوئی چیز ہبہ کرنے سے عادتاً مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ بھی ہمارے ساتھ احسان کی راہ رسم اختیار کرے لیکن اگر لینے والا اس مقصد کو پورا نہ کرے تو اس ہبہ کرنے والے کو فسخ کا اختیار ملنا چاہیے، کیونکہ مقصود پورا نہ ہوا۔ لیکن یہ اختیار ہونے کے باوجود ہبہ کی ہوئی چیز کو واپس لینا مکروہ (تحریمی) ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہبہ کی ہوئی چیز کو واپس لینے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کتا قے کر کے چاٹ لے اور یہ عادتاً بھی خلاف مروت احسان ہے۔

(ملخصاً ہدایہ ج ۳، ص ۲۸۶، ۲۸۷)

حضرات معلوم ہوا کہ ہبہ کا رجوع جائز بالکراہت ہے صاحب ہدایہ نے جواز پر بھی دو دلیلیں بیان فرمائی ہیں ایک حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ایک عقلی دلیل اور کراہت پر بھی دو دلیلیں بیان کی ہیں ایک حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دوسری دلیل عقلی حکیم صاحب نے مسئلہ بھی نقل کرنے میں خیانت کی کہ جواز کا ذکر تو کیا کراہت کا ذکر تک نہیں کیا حالانکہ یہ خیانت کرنا ہرگز ہرگز سبیل رسول نہیں اور پھر یہ کہنا کہ رجوع کے حق پر دلیل نہیں خالص جھوٹ ہے، صاحب ہدایہ نے دو دلیلیں بیان کی ہیں۔

جو حدیث صاحب ہدایہ نے جواز کی دلیل میں نقل فرمائی ہے اس کی تخریج مطالعہ فرمائیں۔

حدیث (۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الرجل احق بھبتہ ما لم یثب منھا (ابن ماجہ ص ۱۷۴)

حضرت ابو ہریرہؓ کا فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اپنے ہبہ میں رجوع کا اختیار رکھتا ہے جب تک عوض نہ ملے۔

حدیث (۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے دوسندوں سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی کو کوئی چیز ہبہ کی وہ اس میں رجوع کا اختیار رکھتا ہے جب تک اس کا عوض نہ ملے لیکن یہ رجوع کرنا ایسا ہی ہے جیسے کتا قے کر کے چاٹ لے۔

(طبرانی، دارقطنی)

دونوں سندیں باعث تقویت ہیں۔

حدیث (۳) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کوئی چیز ہبہ کرے وہ اس کا زیادہ حق دار ہے جب تک اس کا عوض نہ ملے۔

(مستدرک حاکم ج ۲، ص ۵۲)

اور حاکم نے کہا ہے کہ حدیث بخاری مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

حدیث (۴) خلیفہ راشد حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں جو شخص کسی غیر محرم کو کوئی چیز ہبہ کرے تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے جب تک اس کا عوض نہ پائے۔

(طحاوی شرح معانی الآثار ج ۲، ص ۲۶۶، ۲۶۷، یہ حدیث کئی سندوں سے مروی ہے)

حدیث (۵) حضرت علیؓ فرماتے ہیں ہبہ کرنے والا زیادہ حق دار ہے جب تک اس کا عوض نہ پائے۔ (طحاوی ج ۲ ص ۲۶۷)

حدیث (۶) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بھی ہبہ میں رجوع کو جائز فرمایا کرتے تھے۔

(طحاوی ج ۲ ص ۲۶۷)

حدیث (۷، ۸، ۹، ۱۰) حضرت عمر بن عبدالعزیز، قاضی شریح، حضرت امام سعید بن المسیب اور امام ابراہیم نخعی چاروں سے صحیح سندوں سے یہی روایت ہے۔

(المحلی ابن حزم ج ۹ ص ۱۲۹، ۱۳۰)

اور یہی مسلک مکہ مکرمہ کے فقیہ حضرت عطاء اور مدینہ منورہ کے مفتی حضرت ربیعۃ الرائی وغیرہ کا ہے (المحلی ج ا ص ۱۳۰)

اب حکیم صاحب غور کر کے بتائیں کہ ان بارہ روایات کو چھپانا یہ اعتراض صرف امام ابو حنیفہ پر ہی نہیں بلکہ حضرت عطاء، حضرت ربیعۃ الرائی، حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت امام ابراہیم نخعی، حضرت امام سعید بن المسیب اور حضرت قاضی شریح پر پہنچتا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر خلفائے راشدین خصوصاً حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ تک پہنچتا ہے اور پھر سید کائنات فخر موجودات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

نوٹ: کتے کا قے کر کے چاٹ لینا شرعاً حرام نہیں کیونکہ وہ مکلّف نہیں۔ اگر چہ طبعاً نہایت خسیس اور قبیح حرکت ہے لیکن غیر مقلدین کے مذہب میں کتا خود بھی پاک ہے۔

(عرف الجادی ص ۱۰، مصنفہ نواب نورالحسن بن نواب صدیق حسن غیر مقلد)

اس کی قے اور خون بھی پاک ہے۔ (بدورالاہلہ ص ۱۷، نواب صدیق حسن)

کتا کنویں میں گر کر مر جائے تو کنواں ناپاک نہیں ہوتا۔ (فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۳۰۰، فتاویٰ علمائے حدیث ج ۱ ص ۱۱)

البتہ بچوں کی گیند کھیلتے ہوئے کنوئیں میں گر جائے تو کنواں ناپاک ہو گیا۔ اب تا وقتیکہ تمام وکمال پانی نہ نکلے پاک نہیں ہونے کا۔

(فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۲۰۲، فتاویٰ علمائے حدیث ج ۱ ص ۱۸)

اگر کسی کی جوتی گر جائے تو سارا پانی کنوئیں کا نکالنا پڑتا ہے۔

(فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۲۰۲، فتاویٰ علمائے حدیث ج ۱ ص ۱۹)

ان فتاویٰ کے لئے حدیث صحیح صریح غیر معارض پیش فرمائیں۔

اعتراض نمبر ۶:

استسقاء کی نماز باجماعت

حضرت اکرمؐ کی سنت:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ

اِلَی الْمُصَلّٰی یَسْتَسْقِیْ فَصَلّٰی بِھِمْ رَکْعَتَیْنِ جَھَرَ فِیْھِمَا بِالْقِرَاءَۃِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَۃَ یَدْعُوْا وَرَفَعَ یَدَیْهِ وَحَوَّلَ رِدَآءَہٗ حِیْنَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَۃَ (بخاری ومسلم)

عبداللہ بن زیدؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز استقاء کے لیے صحابہؓ کو لے کر عیدگاہ کی طرف نکلے اور دو رکعت نماز بلند قرأت کے ساتھ پڑھائی۔ قبلہ رخ ہی اپنی چادر پلٹائی۔

فقہ کا اختلاف:

قَالَ اَبُوْ حَنِیْفَۃَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ لَیْسَ فِی الْاِسْتِسْقَآءِ صَلٰوۃٌ مَسْنُوْنَۃٌ فِیْ جَمَاعَۃٍ. (ہدایہ باب الاستقاء)

امام ابوحنیفہ نے کہا کہ استقاء کے وقت نماز باجماعت مسنون نہیں۔

غور کریں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استقاء کی نماز جماعت سے پڑھائی، لیکن حنفی مذہب میں امام ابوحنیفہ کا یہ فتویٰ بیان کیا گیا کہ استقاء میں نماز باجماعت مسنون نہیں۔ بخاری مسلم کی متفق علیہ حدیث کے خلاف قول کس طرح مانا جاسکتا ہے؟

(سبیل الرسول ص ۲۳۴، شمع محمدی ص ۵۴، ظفر المبین ص ۱۴۰، فتح المبین ص ۵۹، اختلاف امت کا المیہ ص ۵۹، احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ ص ۶۱، مقلدین ائمہ کی عدالت میں ص ۲۱۵)

جواب:

ہم پہلے ہدایہ کی عبارت کا مکمل ترجمہ نقل کرتے ہیں:

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا استقاء میں نماز باجماعت سنت نہیں ہے اگر لوگ اکیلے اکیلے نماز پڑھیں تو جائز ہے، استقاء تو صرف دعا اور استغفار ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا استقاء کرو اپنے رب سے بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے (اور اس استقاء کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ خوب برسنے والے بادل بھیجیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (اکثر دفعہ) بارش کی

دعا مانگی اور (ان اکثر واقعات میں) آپ سے نماز پڑھنا مروی نہیں اور صاحبین کہتے ہیں کہ نماز پڑھائے امام دو رکعت جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھیں دو رکعت مثل عید کے اس کو ابن عباسؓ نے روایت فرمایا، ہم کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدھ مرتبہ نماز پڑھی پھر چھوڑ دی پس سنت نہ ہوئی۔

(ہدایہ ج۱ص۱۷٦)

ہدایہ کی یہ پوری عبارت ہے جو حکیم صاحب نے نقل نہیں کی۔ حکیم صاحب کو مخالفت کے مفہوم کا معنی بھی نہیں معلوم۔ امام صاحب صرف اس نماز کے باجماعت سنت ہونے کی نفی کرتے ہیں حدیث کے خلاف تو جب ہو کہ آپ حدیث شریف میں لفظ سنت دکھا دیں جو آپ قیامت تک نہیں دکھا سکتے اگر آپ کے نزدیک یہ نماز باجماعت کی مستقل سنت ہے تو فرمایئے۔

(۱) قرآن پاک نے بارش مانگنے کا جو طریقہ ذکر فرمایا ہے اس میں استسقاء تو ہے مگر نماز باجماعت کا ذکر نہیں کیا اس قرآنی طریقہ کو آپ خلاف سنت کہیں گے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر اوقات بارش کے لئے صرف دعاء استسقاء پر ہی اقتصار فرمایا نماز باجماعت نہیں پڑھائی کیا یہ سب کچھ آپ کے نزدیک خلاف سنت ہے۔

(۳) ابو مروان الاسلمی فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے ساتھ استسقاء کے لئے نکلے تو آپ نے استغفار کے علاوہ اور کچھ نہ کیا۔ (ابن ابی شیبہ، سعید بن منصور، زجاجہ ج۱ص۴۲۲) اگر یہ طریقہ خلاف سنت ہوتا تو حضرت عمرؓ کیوں ایسا کرتے اور مہاجرین وانصار اور دیگر صحابہؓ جو ساتھ تھے وہ اس ترک سنت پر کیوں خاموش رہتے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے اعضائے وضو کا ایک ایک دو دو مرتبہ دھونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے مگر سنت نہیں سنت تین تین دفعہ دھونا ہی ہے۔

قابل غور: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خصال فطرت بیان فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا **ونتف الابط** (بخاری ج۲ص۸۷۵، مسلم ج۱ص۱۲۸) لغت میں نتف کے معنی (موچنے

کے ساتھ) بال اکھاڑنے کے آتے ہیں کسی صحیح صریح مرفوع حدیث میں حلق الابط اُسترے کے ساتھ بالوں کے مونڈنے کا ذکر نہیں۔ لیکن سارے غیر مقلدین اس سنت کی مخالفت پر ڈٹے ہوئے ہیں اور اُسترے سے بغل کے بال منڈواتے ہیں آپ نے اس مردہ سنت کو زندہ کرنے کے لئے کوئی مہم نہیں چلائی اور اپنے سارے فرقے پر مخالفت حدیث کا الزام ابھی تک نہیں لگایا کیا آپ کے نزدیک عمل بالحدیث فقہاء کو گالیاں دینے کا ہی نام ہے۔

اعتراض نمبر ۷:

نماز جنازہ غائبانہ

رحمت عالمؐ کا فعل:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَعٰی لِلنَّاسِ النَّجَاشِیَّ الْیَوْمَ مَاتَ فِیْهِ وَخَرَجَ بِهِمْ اِلَی الْمُصَلّٰی فَصَفَّ بِهِمْ وَکَبَّرَ اَرْبَعَ تَکْبِیْرَاتٍ.

(بخاری مسلم)

”جس دن بادشاہ نجاشی فوت ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وفات کی خبر (بذریعہ وحی) صحابہؓ کو دی (کہ آج نجاشی اپنے وطن حبشہ میں فوت ہوگیا ہے) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں لے کر عیدگاہ تشریف لے گئے۔ ان کی صفیں باندھ کر (نجاشی) کی غائبانہ نماز جنازہ چار تکبیروں سے پڑھائی۔“

فقہ کا اختلاف:

فَلَا تَصِحُّ عَلَی الْغَائِبِ. (درمختار جلد اول، باب صلوٰۃ الجنائز)

”نماز غائبانہ جائز نہیں۔“

حدیث مذکور میں رحمت عالمؐ نے بادشاہ نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی تو جائز ہوئی، لیکن حنفی مذہب کہتا ہے: فَلَا تَصِحُّ جائز نہیں مت پڑھو۔ چنانچہ احناف تقلید کرتے ہوئے نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھتے۔ انہیں چاہیے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

حدیث کے مقابلہ میں ہر چیز کو چھوڑ دیں اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر عمل کریں!

(سبیل الرسول ص ۲۳۵، شمع محمدی ص ۶۳، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۱۳۳، اختلاف امت کا المیہ ص ۵۹)

جواب:

حکیم صاحب نے سبیل الرسول ص ۲۳۵ پر نماز جنازہ غائبانہ میں حدیث وفقہ کا تضاد ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اور اپنی عادت کے مطابق نہ حدیث کو سمجھ سکے ہیں اور نہ فقہ کو حکیم صاحب تعصب دل سے نکال کر مندرجہ ذیل امور کا جواب دیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی صحابہ کا ملک عرب میں وصال ہوا۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی میں ایک بھی مثال کسی صحیح سند سے نہیں ملتی۔

(۲) خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر کس کس ملک میں کس کس صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی۔

(۳) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے دور خلافت میں کس کس کی نماز جنازہ غائبانہ ادا فرمائی۔

(۴) حضرت ابوبکر صدیقؓ کے وصال پر کس کس ملک میں آپؓ کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی گئی۔

(۵) حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں کس کس کی نماز جنازہ غائبانہ ادا فرمائی۔

(۶) حضرت عمرؓ کی شہادت پر کس کس ملک میں آپؓ کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی گئی۔

(۷) حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں کس کس کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی۔

(۸) حضرت عثمانؓ کی شہادت پر کس کس ملک میں آپؓ کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی گئی۔

(۹) حضرت علیؓ نے اپنے دور خلافت میں کن کن کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی۔

(۱۰) حضرت علیؓ کی شہادت پر کس کس ملک میں ان کی نماز ہ جنازہ غائبانہ پڑھی گئی۔

(۱۱) امہات المومنین کے وصال پر کس کس ملک میں نماز جنازہ غائبانہ پڑھی گئی۔

(۱۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی اولا د اطہار کی وفات پر کن کن علاقوں میں نماز جنازہ غائبانہ پڑھی گئی۔

اسلام میں ان ہستیوں سے بڑھ کر ہستیاں نہیں گزریں جب ان بارہ کے بارہ سوالوں کے جواب میں آپ ایک ایک حدیث صحیح صریح غیر معارض پیش کرنے سے عاجز ہیں تو معلوم ہوا کہ نماز جنازہ غائبانہ نہ پڑھنا ہی سنت متواترہ ہے اور سنت متواترہ کے خلاف کوئی حدیث خبر واحد مل بھی جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس کو قبول نہ کرو۔(الکفایہ)

جس حدیث سے حکیم صاحب نے دھوکا دینے کی کوشش کی ہے اس میں نہ غائب کا لفظ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم غائبانہ جنازہ پڑھیں گے نہ صحابہ نے کہا کہ ہم نے غائبانہ جنازہ پڑھا۔ حکیم صاحب نے قیاس سے یہ نکال لیا اب ذرا نماز جنازہ پڑھنے والے صحابہ کی سن لیجئے وہ فرماتے ہیں

نحن لا نرى إلا ان الجنازة قدامنا (ابوعوانہ)

وهم لا يظنون الا ان الجنازة بين يديه (ابن حبان)

وما نحسب الجنازة الاموضوعة بين يديه (مسند احمد ج ۴ ص ۴۴۶)

جب جنازہ سامنے تھا تو غائبانہ کیسے رہا۔

اعتراض نمبر ۸:

جماعت میں اکہری تکبیر

ختم نبیانؐ کا حکم:

أُمِرَ بِلَالٌ اَنْ يَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَاَنْ يُّوْتِرَ الْاِقَامَةَ اِلَّا الْاِقَامَةَ. (بخاری مسلم)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ اذان کے کلمات دوہرے کہے اور تکبیر کے کلمات اکہرے کہے۔ سوائے قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کے۔

نقہ کا اختلاف:

وَالْاِقَامَةُ مِثْلُ الْاَذَانِ. (ہدایہ باب الاذان)

''اور اقامت اذان کی مانند دوہری ہے۔''

حدیث شریف میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بلالؓ کو (اور بلالؓ کو سنا کر اپنی امت کو) حکم دے رہے ہیں کہ تکبیر کے کلمات اکہرے کہے جائیں، لیکن حنفی مذہب میں حکم دیا جاتا ہے کہ تکبیر کے کلمات دوہرے کہے جائیں، اور پھر اس حکم کی تعمیل میں سارے ملک کے اندر صدیوں سے دوہری تکبیر کہی جا رہی ہے۔ کیا مجال جو کوئی حنفی بھائی اکہری تکبیر کہہ جائے۔ ساری زندگی نہیں کہے گا بلکہ اکہری تکبیر کہنے والوں سے مساجد میں لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں، یہ لڑائی جھگڑے بھی تقلید جامد کی بناء پر ہیں۔ حنفی بھائیوں کو چاہیے کہ وہ بخاری مسلم کی متفق علیہ حدیث پر عمل کر کے اکہری تکبیر بھی کہہ لیا کریں اور یاد رکھیں کہ جو تقلید بخاری، مسلم کی متفق علیہ حدیث سے پیچھے ہٹائے، آپ ایسی تقلید سے پیچھے ہٹ جائیں کہ

جب تک اس زلف کا سودا نہیں اعزاز نہیں
زیب سر جس کے یہ طرہ نہیں ممتاز نہیں

(سبیل الرسول ص ۲۳۶، شمع محمدی ص ۶۴، ظفر المبین جدید ج ۲، ص ۴۳، فتح المبین ص ۱۳۷، اختلاف امت کا المیہ، ص ۶۵، احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ ص ۱۲، مقلدین ائمہ کی عدالت میں ص ۲۱۲)

جواب:

حکیم صاحب نے ہدایہ سے یہ عبارت نقل کی ہے والاقامة مثل الاذان اس کی دلیل میں صاحب ہدایہ نے لکھا تھا ھکذا فعل الملك النازل من السماء (ہدایہ ص ۸۷) صاحب ہدایہ نے بات صاف کر دی ہے کہ یہ اقامت کسی فقیہ نے معاذ اللہ گھر سے نہیں

گھڑی بلکہ اصل اذان و اقامت اس فرشتے کی ہے جس نے حضرت عبداللہ بن زیدؓ کو اذان سکھائی تھی اس فرشتہ نے اقامت مثل اذان سکھائی تھی۔

(۱) حضرت عبداللہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ اس فرشتے کی اذان اور اقامت دونوں دوہری دوہری تھیں۔(ابن ابی شیبه ج۱ ص۱۳٦، عبدالرزاق ج۱ ص٤٦۱، ٤٦۲، آثار السنن ج۱ ص۵۲، و سنده صحیح، هذا اسناد فی غایة الصحة (المحلی لابن حزم، ج۲، ص۱۵۸، حافظ ابن دقیق العید کہتے ہیں رجاله رجال الصحیح (نصب الرایه ج۱ ص۲٦۷، ابو داؤد ج۱ ص۷۵)

(۲) حضرت عبداللہ بن زید فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اذان و اقامت دو دو مرتبہ تھی۔ (ترمذی ج۱ص ۲۷)

(۳) حضرت ابو محذورہؓ فرماتے ہیں مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان و اقامت دو دو مرتبہ سکھائی۔ (عبدالرزاق ج۱ص ۴۵۸)

(۴) عبدالعزیز بن رفیع فرماتے ہیں میں نے ابو محذورہؓ کی اذان و اقامت سنی دونوں دو دو مرتبہ تھیں۔ (طحاوی ج۱ص ۹۳)

(۵) حضرت سلمہ بن الاکوعؓ بھی اذان و اقامت دوہری کہتے تھے۔

(دارقطنی، کتاب الصلوٰۃ، ج۱ص ۲۴۱، باب ذکر الاقامۃ)

واسناده صحیح (آثار السنن ج۱ص ۵۳)

(٦) حضرت ابراہیم (نخعی) فرماتے ہیں کہ حضرت ثوبان کی اذان و اقامت دوہری دوہری ہوتی تھی (عبدالرزاق ج۲ص ۴٦۲)

(۸) حضرت سوید بن غفلہ فرماتے ہیں میں نے حضرت بلالؓ کو اذان و اقامت کہتے سنا ان کی اذان و اقامت دو دو مرتبہ ہوتی تھی۔

(رواہ الطحاوی کتاب الصلوٰۃ ج۱ص ۹۴، باب الاقامۃ، واسنادہ حسن، آثار السنن ج ۲ ص ۵۳)

(۹) حضرت ابو جحیفہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اذان بھی دو دو مرتبہ اور اقامت بھی دو مرتبہ کہا کرتے تھے۔

(رواہ دارقطنی ج ا ص ۲۴۲، والطبرانی ج ۲۲، ص ۱۰۱)

محدث طحاویؒ فرماتے ہیں حضرت بلالؓ کا دوہری اقامت کہنا تواتر سے ثابت ہے۔

(طحاوی ج ا ص ۹۴)

(۱۰) حضرت علیؓ کا مؤذن اقامت دو دو مرتبہ کہا کرتا تھا۔ (عبدالرزاق ج ا ص ۴۶۳)

(۱۱) حضرت سعد ابن قیس کہتے ہیں بے شک حضرت علیؓ اذان و اقامت دو دو مرتبہ کہا کرتے تھے ایک دن ایک مؤذن کو سنا جس نے ایک ایک مرتبہ کہی حضرت علیؓ نے فرمایا تو نے دو دو مرتبہ کیوں نہ کہی تیری ماں مر جائے۔ (ابن ابی شیبہ ج ا ص ۱۳۸)

(۱۲) ابو اسحاق کہتے ہیں اصحاب علیؓ اور اصحاب عبداللہ بن مسعودؓ سب کے سب اذان اور اقامت دو دو مرتبہ کہا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

(۱۳) حضرت امام سفیان ثوریؒ نے منیٰ میں اذان و اقامت کہی جو دو دو مرتبہ تھی۔

(عبدالرزاق ج ا ص ۴۶۲)

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے ثلاثہ کے دور میں سنت متواترہ دوہری اقامت ہی تھی۔ حضرت علیؓ اور آپ کے تمام اصحاب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تمام اصحاب میں بھی دوہری اقامت ہی متوارث تھی۔ پس ثابت ہوا کہ دوہری اقامت احناف نے گھر سے نہیں گھڑی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب مؤذن حضرت ابو محذورہؓ، حضرت بلالؓ، حضرت ثوبانؓ، حضرت سلمہ بن الاکوعؓ دوہری اقامت ہی کہا کرتے تھے اور یہی خلافت راشدہ میں رائج تھی۔ خلافت راشدہ کے بعد بعض امراء نے اکہری تکبیر نکالی اور اس کو رواج دیا۔

حکیم صاحب نے سنتوں کے مٹانے پر کمر باندھ رکھی ہے وہ جس حدیث سے دھوکا دے

رہے ہیں ان میں اگر کلمات مراد لئے جائیں تو سنت متواترہ کے خلاف ہوگی خود ان کے عمل کے بھی خلاف ہوگا کیونکہ وہ اذان میں اللہ اکبر چار مرتبہ کہتے ہیں نہ کہ دو مرتبہ اور اقامت میں اللہ اکبر دو مرتبہ کہتے ہیں نہ کہ ایک مرتبہ اس لیے اس حدیث میں شفع سے مراد یہ ہوگا کہ اذان کے کلمات دو سانس میں ہوں اقامت کے ایک سانس سے۔ (اذان)

اللہ اکبر اللہ اکبر	اللہ اکبر اللہ اکبر (شفع)
اشہد ان لا الہ الا اللہ	اشہد ان لا الہ الا اللہ (شفع)
اشہد ان محمد رسول اللہ	اشہد ان محمد رسول اللہ (شفع)
حی علی الصلوٰۃ	حی علی الصلوٰۃ (دو مرتبہ)
حی علی الفلاح	حی علی الفلاح (دو مرتبہ)

اللہ اکبر اللہ اکبر

لا الہ الا اللہ

اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر (وتر)

اشہد ان لا الہ الا اللہ (دونوں ایک سانس سے وتر)

اقامت میں یہ دونوں کلمے ایک ہی سانس میں کہیں // // //

// // // // // // // //

پس اس تطبیق سے احادیث میں کوئی اختلاف نہ رہا ان سے کلمات مراد لینا بعض امراء کی بناوٹ ہے حکیم صاحب فقہ کا مسئلہ تو حدیث سے ثابت ہو گیا مگر اپنے فرقہ کو دیکھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو فقہ کو خیر فرماتے ہیں (بخاری ج ۱ ص ۱۸) مگر آپ کا محمد جونا گڑھی کتاب کا نام رکھتا ہے **اظہار الطیب والخبیث بتقابل الفقہ والحدیث** بتایئے اس نام میں فقہ کو خبیث کہا گیا ہے یا حدیث کو جس کو بھی خبیث کہا گیا ہے یقیناً حدیث کے مخالف ہے ورنہ قرآن وحدیث میں دکھاؤ کہاں فقہ کو خبیث کہا گیا ہے۔

اعتراض نمبر۹:

نماز کی امامت کا مسئلہ

ارشادِ رسولؐ:

لوگوں کی امامت کون کرائے؟ اس کے متعلق حضرت ختم نبیاں صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

يَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَأُهُمْ لِكِتَابَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَاِنْ كَانُوْا فِي الْقِرَأَةِ سَوَآءً فَاَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَةِ فَاِنْ كَانُوْا فِي السُّنَّةِ سَوَآءً فَاَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَاِنْ كَانُوْا فِي الْهِجْرَةِ سَوَآءً فَاَقْدَمُهُمْ سِنًّا. (صحیح مسلم)

امامت کرائے لوگوں کی وہ جو سب سے زیادہ قرآن مجید کا قاری ہو، اور اگر قرأت کے جاننے میں) سب برابر ہوں تو پھر سب سے زیادہ سنت کا جاننے والا امامت کرائے۔ اگر سنت کے علم میں بھی سب برابر ہوں تو سب سے پہلے ہجرت کرنے والا امامت کرائے۔ اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہوں تو عمر میں سب سے بڑا امامت کرائے۔"

غور کریں کہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت کرانے کی چار صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ یہ ایسی جامع اور مانع صورتیں ہیں کہ امامت کا حق دار ضرور ضروران چار صورتوں میں مل سکتا ہے اور قیامت تک امامت کے استحقاق کا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ اب اس پر مزید گفتگو کرنا، اس میں کمی بیشی کرنا، اس پر حاشیہ چڑھانا بے سود ہے بلکہ دین میں دخل اندازی ہے۔

رسول خداؐ کے کلام پر مسئلہ ختم کر دینے کا حکم:

ایک خطبہ کے دوران حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَقَامَ الْاَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ فَقَالَ اَفِيْ كُلِّ عَامٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَوْ قُلْتُهَا لَوَجَبَ فَالْحَجَّ مَرَّةً. (بلوغ المرام)

اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے اس پر اقرع بن حابس نے کھڑے ہو کر کہا: اے اللہ کے رسول! کیا ہر سال (فرض) ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر میں (ہاں) کہہ دیتا تو ضرور (ہر سال) واجب ہو جاتا۔ (سنو!) حج (عمر میں) ایک ہی بار (فرض) ہے؟۔

فقہ کا اختلاف:

حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے اس پر ایک شخص نے بلاضرورت سوال کر دیا: حضور کیا ہر سال فرض ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر میں ہاں کہہ دیتا تو (خدا کی طرف سے) ہر سال فرض ہو جاتا۔

اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی: کہ جب میں ایک حکم دے کر خاموش ہو جایا کروں تو تم بھی خاموش ہو جایا کرو۔ جب میں تم کو چھوڑ دوں تو تم مجھے چھوڑ دیا کرو (اور میرے حکم کی تعمیل میں لگ جایا کرو) میرے حکم، فرمان مسئلے کو سن کر بلاوجہ سلسلہ کلام کو آگے نہ بڑھایا کرو۔

اب اصل موضوع کی طرف توجہ دیں کہ حدیث مذکور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت کے لیے چار صورتیں بیان فرمائیں۔ امت کو ان پر عمل کرنا چاہیے ان پر زیادتی نہیں کرنی چاہیے۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بات ختم کر دی تو امت کو آگے نہیں بڑھنا چاہیے۔ اس میں تقدیم تاخیر اور تغیر وتبدل سے کام نہیں لینا چاہیے۔ اب دیکھیں کہ امامت کے متعلق حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر فقہ نے کس طرح کتر بیونت کی ہے:

وَاَوْلَی النَّاسِ بِالْإِمَامَةِ أَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَإِنْ تَسَاوُوْا فَاَقْرَءُ هُمْ ...... فَإِنْ تَسَاوُوْا فَأَوْرَعُهُمْ ...... فَإِن تَسَاوَرُ فَاَسَنُّهُمْ. (ہدایہ جلد اول، باب الامامت)

"امامت کا سب سے بڑھ کر وہ مستحق ہے جو سنت کا سب سے زیادہ عالم ہو اگر اس میں سب برابر ہوں تو پھر وہ جو سب سے زیادہ قرآن کا قاری ہو۔ اگر اس میں سب برابر ہوں تو پھر جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ اگر اس میں سب برابر ہوں تو پھر سب سے بڑی عمر والا

امامت کا مستحق ہے۔''

اب حدیث پاک میں فرمودۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صورتوں اور فقہ کی مذکورہ چار صورتوں کا مقابلہ کریں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے نمبر پر امامت کا سب سے بڑا مستحق قرآن مجید کا سب سے زیادہ قاری مقرر فرمایا ہے اور فقہ میں پہلے نمبر پر سب سے زیادہ سنت کا عالم متعین کیا گیا ہے۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو تبدیل کر دیا ہے۔

دوسرے نمبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت کا مستحق سب سے زیادہ سنت کا عالم رکھا ہے۔ فقہ میں دوسرے نمبر پر قرآن کا قاری مقرر کیا گیا ہے یہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو بدل دیا ہے۔ تیسرے نمبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے ہجرت کرنے والا فرمایا ہے۔ فقہ میں تیسرے نمبر پر پرہیزگاری رکھی گئی ہے۔ یہاں بھی ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تغیر ہے چوتھی صورت میں حدیث کو بحال رہنے دیا ہے۔

اب آپ سوچئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں کو تبدیل کرنے کا کسی کو حق ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! پھر برادران احناف حدیث کی صورتوں پر ان فقہ کی صورتوں کو ترجیح دینا کیونکہ گوارا کرتے ہیں۔

رنگ غنچوں کو میسر ہے نہ پھولوں کو شمیم

اب یہ افلاس بہاراں نہیں دیکھا جاتا

چلئے آگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ چار صورتوں میں رد و بدل کر کے بھی سکوت اختیار نہیں کیا۔ چنانچہ درمختار میں یوں اور اضافہ کیا گیا:

وَالْاَحَقُّ بِالْاِمَامَةِ الْاَعْلَمُ بِاَحْكَامِ الصَّلٰوةِ ثُمَّ الْاَحْسَنُ تِلَاوَةً ثُمَّ الْاَوْرَعُ ثُمَّ الْحَسَنُ ثُمَّ الْاَحْسَنُ وَجْهًا ثُمَّ الْاَشْرَفُ نَسبًا ثُمَّ الْاَنْظَفُ ثَوْبًا فَاِنِ اسْتَوَوْا يُقْرَعُ اَوِ الْخِيَارِ اِلَى الْقَوْمِ (تنویر الابصار، متن درمختار)

(۱) سب سے زیادہ امامت کا مستحق سب سے زیادہ نماز کے احکام جاننے والا۔

(۲) پھر سب سے اچھی تلاوت کرنے والا۔

(۳) پھر سب سے زیادہ پرہیزگار۔

(۴) پھر سب سے زیادہ عمر والا۔

(۵) پھر سب سے زیادہ خوش اخلاق۔

(۶) پھر سب سے زیادہ خوب صورت چہرے والا۔

(۷) پھر سب سے زیادہ شریف النسب۔

(۸) پھر سب سے اچھے لباس والا۔

(۹) اور اگر ان تمام صفات میں سب برابر ہوں، تو پھر قرعہ اندازی کرلیں۔

(۱۰) یا لوگوں کو اختیار ہے (جسے چاہیں پسند کرلیں)

غور کریں کہ حدیث میں چار صورتیں تھیں۔ ان میں تغیر کیا۔ اس کے بعد دس صورتیں بنا ڈالیں۔ آپ حیران ہوں گے کہ صاحب درمختار نے ان کے علاوہ اور بھی بڑھائی ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

ثُمَّ اَصْبَحُهُمْ اَیْ اَسْبَحُهُمْ وَجْهًا، ثُمَّ اَكْثَرُهُمْ حَسَبًا. ثُمَّ الْاَحْسَنُ صَوْتًا ثُمَّ الْاَحْسَنُ زَوْجَةً ثُمَّ الْأَكْثَرُ مَالًا. ثُمَّ الْأَكْثَرُ جَاهًا، ثُمَّ الْاَكْبَرُ رَأْسًا وَالْاَصْغَرُ عُضْوًا ثُمَّ الْمُقِيْمُ عَلَى السَّافِرِ ثُمَّ الْحُرُّ الْاَصْلِیُّ عَلَى الْعَتِيْقِ ثُمَّ الْمُتَيَمِّمُ عَنْ حَدَثٍ عَلَى الْمُتَيَمِّمُ عَنْ جَنَابَةٍ فَاِنِ اخْتَلَفُوْا اُعْتُبِرَ اَكْثَرُهُمْ.

(درمختار)

(۱۱) پھر زیادہ روشن چہرے والا۔

(۱۲) پھر سب سے بڑھ کر حسب والا۔

(۳۱) پھر سب سے بڑھ کر اچھی آواز والا۔

(۱۴) پھر سب سے زیادہ خوبصورت بیوی والا۔

(۱۵) پھر سب سے زیادہ مال والا۔

(١٦) پھر بہت بڑے سر اور بہت چھوٹے عضو والا۔

(١٧) پھر بہت زیادہ مرتبے وال۔

(١٨) پھر مقیم مسافر پر۔

(١٩) پھر اصلی آزاد، آزاد کردہ غلام پر۔

(٢٠) پھر وضو کے قائم مقام جس نے تیمّم کیا ہے، وہ غسل کے قائمقام تیمّم کرنے والے

پر۔

(٢١) پھر (اب بھی) اگر اختلاف رہے تو اکثریت جس کو چاہے امام بنالے۔

(منقول از طریق محمدی ص ٨٦)

قارئین کرام! حدیث آپ پڑھ چکے ہیں جس میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف چار صورتیں مقرر فرمائی ہیں۔ فقہ والوں نے چار سے دس بنائیں اور دس سے اکیس تک بڑھادیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (الحجرات:١)

''اے ایمان والو! مت آگے بڑھو اللہ کے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اس بارے میں، اللہ سے سے ڈرو۔ بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔''

خدا نے فرمایا: رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے آگے نہ بڑھو، غور کریں کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت کے متعلق چار درجے بتائے۔ فقہ والوں نے چار کے دس اور دس کے اکیس بنا ڈالے۔ کیا ایسا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنا نہیں ہے۔ قرآن نے کہا ہے: وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ اور (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم) سے آگے بڑھنے میں، اللہ سے ڈرو۔ پس برادران احناف کو چاہیے کہ اللہ سے ڈر کر فقہ کی ان باتوں کو چھوڑ دیں جو حدیث کے خلاف پڑتی ہیں۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو کافی جانیں۔ کمی بیشی

سے ڈریں اوراس پرنئی عمارت کھڑی کرنے سے پر باز رہیں

برہنہ سر ہے تو عزم بلند پیدا کر

یہاں فقط سر شاہیں کے واسطے ہے کلا

(سبیل الرسول ص ۲۳۷ تا ۲۴۳، شمع محمدی ص ۱۳۴، ظفر المبین جدید ج ۲ ص ۵۹، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۱۳۷، اختلاف امت کا المیہ ص ۶۰، احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ ص ۵۱، مقلدین ائمہ کی عدالت میں ص ۲۱۴)

جواب:

حکیم محمد صادق سیالکوٹی نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس تعلیمات کا براہ راست مطالعہ نہیں کیا بلکہ وہ محمد جونا گڑھی کی آراء کا خوشہ چین ہے۔ اس مندرجہ بالا عنوان کے تحت اس نے محمد جونا گڑھی کی کتاب طریق محمدی کو سامنے رکھ کر کئی مسائل چھیڑے ہیں۔

(۱) مؤلف کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امامت کا زیادہ حقدار بڑا قاری ہے۔ یہ حدیث تو نقل کر دی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا فرمان کہ امامت کا زیادہ مستحق افقھھم فی الدین ہے جو دین کا بڑا افقیہ ہو پھر وہ جو بڑا قاری ہے۔ (مستدرک حاکم ج ۱ ص ۲۴۳، دار قطنی ج ۱ ص ۱۰۴) کیا وجہ ہے کہ پہلی حدیث کو ماننے والا تو اہل حدیث کہلائے لیکن دوسری حدیث کو ماننے والا مخالف حدیث کہلائے کیا حکیم صاحب ایک ہی ایسی حدیث پیش کر سکتے ہیں۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ پہلی حدیث کو ماننا اور دوسری حدیث کو ماننے سے انکار کر دینا بلکہ اس کے ماننے والوں کو منکر حدیث کہنا حکیم صاحب کا فرض تھا کہ دونوں حدیثیں نقل کر کے ان میں تطبیق بیان کرتا لیکن اس کے لئے علم کی ضرورت ہے جس کا ان کی جماعت میں قحط ہے۔ ایسی احادیث میں تطبیق کے لئے فقہا کی ضرورت ہوتی ہے اب سنئے فقہاء نے کیا تطبیق بیان فرمائی ہے۔ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سب سے بڑے فقیہ حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے، سب سے بڑے قاری حضرت ابی بن کعبؓ تھے کہ خود خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ ابی بن کعبؓ سے قرآن سنو اور سب سے بڑے محدث حضرت ابو ہریرہؓ تھے۔ اب پوری امت کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری وقت میں اپنے مصلیٰ پر نہ بڑے محدث حضرت ابو ہریرہؓ کو امام بنا کر کھڑا کیا اور سب سے بڑے قاری حضرت ابی بن کعبؓ کو امام نماز بنایا۔ بلکہ آپ نے سب سے بڑے فقیہ کو امام بنایا فقیہ کو امام بنانا فقہاء کا گھڑا ہوا مسئلہ نہیں ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری قولی اور فعلی سنت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت راشدہ میں بھی امامت فقہاء کے سپرد ہی رہی۔ حضرت ابی بن کعبؓ زیادہ سے زیادہ رمضان میں تراویح کی امامت کرایا کرتے تھے مکہ مکرمہ کے مشہور تابعی مفتی حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں۔ (دور صحابہ و تابعین) میں یہی کہا جاتا تھا کہ امامت کا اول درجے پر مستحق بڑا فقیہ ہے دوسرے نمبر پر بڑا قاری (کتاب الام الشافعی ج ۱ ص ۱۴۰)

الغرض خیر القرون میں بھی بلا نکیر اسی پر عمل جاری رہا۔ تو فقہ کا جو مسئلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور فعلی سنت خلفائے راشدین اور خیر القرون کے اجماع سے ثابت اس کے بارہ میں یہ جھوٹ بولنا کہ فقہاء کا گھر کا بنایا ہوا ہے۔

(۲) ہجرت: حکم صاحب کو یہ شکوہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرے نمبر پر مہاجر کو رکھا تھا لیکن فقہاء نے اس مسئلہ کو بدل کر پرہیز گار کا لفظ رکھ دیا یہاں بھی خالص فریب اور مغالطہ ہے ایک ہجرت وہ تھی جو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو ہو رہی تھی۔ اس کے بارہ میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ **لا ھجرۃ بعد الفتح** یعنی فتح مکہ کے بعد ہجرت ختم ہے، جب ہجرت کی یہ قسم ختم ہو گئی تو فقہاء نے جستجو کی کہ کیا ہجرت کی کوئی قسم جاری بھی ہے تو انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی مل گیا کہ المہاجرین

هجر الخطایا والذنوب رواہ الحاکم صححۂ یعنی وہ شخص بھی مہاجر ہے جو کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کو چھوڑ دے۔ اس کی تفسیر فقہاء نے زیادہ پرہیز گار سے کر دی تو یہاں مراد رسول کو ہی بیان فرمایا ہے۔ حکم صاحب کا یہ کہنا کہ یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے کتاب و سنت سے جہالت کی دلیل ہے۔

(۳) مرزائی کی اقتداء:

فقہ کے بغض میں تو یہ سانپ کی طرح پیچ وتاب کھا رہا ہے مگر اسے اپنے گھر کی خبر نہیں (۱) مولوی ثناء اللہ امرتسری لکھتا ہے: ''میرا مذہب اور عمل ہے کہ ہر ایک کلمہ گو کے پیچھے اقتداء جائز ہے۔ چاہے وہ شیعہ ہو یا مرزائی۔ (اہل حدیث ص ۶، ۲/اپریل ۱۹۱۵ء اور وہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں جناب حافظ عبد المنان صاحب، مولانا حافظ عبد اللہ صاحب، مولانا شاہ عین الحق صاحب اور مولانا عبد العزیز صاحب نے بھی میرے ساتھ اتفاق کیا۔ (اہل حدیث امرتسر ص ۸، ۲۸ جون ۱۹۱۲ء، دیکھئے آپ کی جماعت کے پانچوں مفتی اس پر اتفاق کر رہے ہیں کہ مرزائی امام کے پیچھے نمازہ پڑھنا جائز ہے، فرمایئے یہ مسئلہ آپ کا گھر کا گھڑا ہوا ہے یا کسی حدیث سے آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیملہ کذاب کے پیچھے نماز پڑھی ہو یا پڑھنے کا حکم دیا ہو۔

اسی فتویٰ پر عمل کرتے ہوئے خود مولوی ثناء اللہ نے مرزائیوں کے پیچھے نماز پڑھی۔

(فیصلہ مکہ ص ۳۶)

اسی طرح مولوی عنایت اللہ اثری وزیر آبادی نے مرزا محمود احمد کو کہا کہ میں آپ کو مسلمان سمجھتا ہوں اور آپ کی اقتداء کر رہا ہوں۔ مرزا محمود نے کہا ہمارا آزادانہ خیال ہے کہ تو کافر ہے اور تیری اقتداء میں ہماری نماز نہیں ہو سکتی۔ (الجہر البلیغ ج ۱ ص ۱۲، ۱۳)

(۴) ہم نے تو حدیث قولی فعلی اور اجماع سے ثابت کر دیا کہ بڑا فقیہ امامت کا مستحق ہے اور الحمد للہ ہماری مساجد میں یہی سنت جاری ہے لیکن غیر مقلدین کی مساجد میں یہ سنت مردہ

ہے کیا آپ ایک بھی حدیث پیش کر سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ فقہ کے منکر اور فقہ کے دشمن کو امام بناؤ۔ فقہ کے منکر کا امام بننا تو کجا امام کے قریب پہلی صف میں بھی اولوالاحلام النہیٰ یعنی فقیہ ہوں دوسری صف میں بھی فقہ کے ماننے والے ہوں۔ تیسری صف والے بھی فقہ کے ماننے والے ہوں۔ (مسلم)

(۵) فقہ کا مسئلہ تو حدیث سے ثابت ہو گیا اب امام جماعت غرباء اہلحدیث نے فتاویٰ ستاریہ میں جو مسئلہ لکھا ہے کہ جو شخص بجو کو حلال نہ سمجھے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔
(فتاویٰ ستاریہ ص)

(۶) آپ کے مفسر اور صحاح ستہ کے مترجم علامہ وحید الزمان نے لکھا ہے کہ رافضیوں اور خارجیوں کی اقتداء میں نماز جائز ہے۔ (لغات الحدیث ج ۸ ص ۹۸)

یہ دونوں مسئلے کس حدیث سے ثابت ہیں۔

(۷) نواب وحید الزمان نے لکھا ہے ''ایک شخص نے جماعت کرائی اور سلام کے بعد اعلان کیا کہ میں نے بے وضو نماز پڑھائی ہے تو نماز ہو گئی دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔
(کنز الحقائق ص ۲۴)

(۸) نواب وحید الزمان لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے نماز پڑھائی اور بعد میں بتایا کہ میں کافر ہوں تو نماز ہو گئی دہرانے کی ضرورت نہیں۔ (کنز الحقائق ص ۲۴)

ایک فریب:

(۹) پھر ایک اور فریب دیا ہے کہ فقہاء نے زیادہ صورتیں بیان کی ہیں۔ یہ غلط ہیں حالانکہ یہ ایسا ہی فریب ہے جیسے منکرین حدیث کہا کرتے ہیں جو مسائل قرآن پاک میں نہیں اور احادیث میں زائد ہیں وہ غلط ہیں۔ حدیث معاذ میں صراحت ہے کہ جب مسئلہ صراحۃً کتاب اللہ شریف میں نہ ملے تب ہی سنت سے لیا جائے گا اور جب صراحۃً سنت سے نہ ملے تب ہی اجتہاد سے لیا جائے گا۔ اس لئے فقہ کے مسئلہ کو غلط ثابت کرنے کے لئے ہر مسئلہ کے خلاف حکیم صاحب کو حدیث صحیح صریح غیر معارض پیش کرنا چاہیے تھی۔

(۱۰) اگر ہر وہ مسئلہ جو قرآن یا حدیث میں صراحۃً منقول نہ ہو وہ غلط ہے تو بھینس کا گوشت کھانا، دودھ پینا، گھی، مکھن، دہی، لسی، چمڑا استعمال کرنا نہ قرآن میں ہے اور نہ صحیح صریح حدیث میں کیا لامذہب ان سب کے حرام ہونے کا فتویٰ دیں گے۔

(۱۱) اس وقت دنیا میں دوسو سے زائد چھوٹے چھوٹے وہ جانور ہیں جن کی رگوں میں بہتا ہوا خون نہیں مگر حدیث پاک میں صرف مکھی کا ذکر آیا ہے کہ اگر پینے کی چیز میں گر جائے تو نکال کر پھینک دو اور وہ چیز ناپاک نہیں استعمال کرلو مگر فقہاء نے مکھی پر ہی چیونٹی، بھڑ، مچھر، جگنو، ٹڈی، پسو، جوں، کھٹمل وغیرہ اس قسم کے دوسو سے زائد جانوروں کو قیاس کرلیا ہے۔ اب کوئی جاہل کہے کہ فقہاء نے ایک صورت سے وہ سو صورتیں بیان کردیں تو یہ فقہ کا کمال ہے نہ کہ نقص یہ بے چارے فقہ کو کیا سمجھیں۔

(۱۲) حکیم صاحب کو شکایت ہے کہ فقہاء نے یہ کیوں لکھا کہ امام خوش اخلاق ہو لیکن فقہ کے اس مسئلہ کے خلاف، اس نے نہ کوئی آیت پیش کی نہ حدیث کہ امام بداخلاق ہونا چاہیے اگر ہو تو لایئے۔

(۱۳) فقہاء کا کہنا ہے کہ حضرت ابوامامہؓ نے روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری نمازیں قبول فرمائیں تو اپنا امام نیک لوگوں کو بناؤ (رواہ ابن عساکر) اور فرمایا کہ نیکی خوش اخلاقی کا نام ہے۔ (احیاء العلوم) تو فقہ کا مسئلہ تو حدیث سے ثابت ہوگیا۔

(۱۴) نیز بہت سی احادیث میں آتا ہے کہ نماز باجماعت میں جتنی تعداد زیادہ ہوگی اتنا ثواب زیادہ ہوگا تو اگر امام خوش اخلاق ہوگا تو جماعت کی تعداد زیادہ ہوگی اور باعث اجر عظیم ہوگا اور اگر امام بداخلاق ہوگا تو جماعت ٹوٹ جائے گی۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ ترشی سے پیش آتے تو لوگ آپ سے کٹ جاتے۔ پس قیام جماعت کے لئے امام کا خوش اخلاق ہونا

ضروری ہوا۔

(۱۵) حکیم صاحب کو یہ شکایت ہے کہ فقہا نے یہ کیوں لکھا ہے کہ امام خوبصورت چہرے والا ہونا ضروری ہے حکیم صاحب ایسی حدیث نقل کرتے جس میں اس کے خلاف ہوتا تو ہم تسلیم کر لیتے کہ واقعی فقہ کا یہ مسئلہ حدیث صحیح صریح غیر معارض کے خلاف ہے۔

(۱۶) حکیم صاحب کو یہ بھی علم نہیں کہ بیہقی کی ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احسن وجھا پھر امام اس کو بناؤ جو خوب صورت چہرے والا ہو اور یہ ضعیف حدیث کسی صحیح حدیث کے خلاف نہیں۔

(۱۷) حکیم صاحب نے یہ بھی نہیں بتایا کہ چہرے کے خوبصورت ہونے سے فقہاء کا کیا مطلب ہے ان کا کہنا ہے کہ خوبصورت چہرے والے سے مراد زیادہ تہجد پڑھنے والا ہے، اور یہ بات بھی ایک ضعیف حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من کثرت صلوته بالليل حسن وجهه جو رات کو زیادہ نماز پڑھتا ہے اس کا چہرہ حسین وخوب صورت ہو جاتا ہے۔ (شامی)

(۱۸) حکیم صاحب کو یہ بھی شکایت ہے کہ فقہاء نے یہ کیوں لکھا کہ امام شریف النسب ہونا چاہیے لیکن اس کے خلاف بھی لا مذہب کوئی صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش نہیں کر سکا۔

(۱۹) حکیم صاحب کو یہ بھی علم نہیں کہ حدیث پاک میں ہے الناس معادن کمعادن الذهب والفقه فخيارهم فى الجاهلية خيارهم فى الاسلام اذا فقهوا (بخاری) یعنی لوگ سونے چاندی کی کان کی مانند ہیں جو جاہلیت میں نیک تھے وہ اسلام میں بھی نیک ہیں جب کہ فقیہ بھی ہوں۔ یعنی فقہ کے ساتھ اگر شرافت نسب مل جائے تو سونے پر سہاگہ ہے اور یہی کچھ فقہاء فرما رہے ہیں۔

(۲۰) حکیم صاحب کو یہ بھی شکایت ہے کہ فقہا نے یہ کیوں تحریر فرمایا کہ بہتر ہے امام اچھی

آواز وہ اا ہولیکن اس کے خلاف بھی یہ کوئی صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش نہیں کر سکا کہ امام مسجد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اِنَّ اَنکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ کا ہی مصداق ہو اگر ہے تو پیش کرے۔

(۲۱) حکیم صاحب کو یہ بھی علم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا زینوا القرآن باصواتکم فان الصوت الحسن یزید القرآن حسناً (رواہ الحاکم وقال صحیح) یعنی قرآن پاک کو خوش آوازی سے مزین کرو بے شک خوش آوازی قرآن پاک کے حسن کو چار چاند لگا دیتی ہے۔ دیکھئے فقہاء کا بیان کردہ مسئلہ تو حدیث پاک سے ثابت ہو گیا۔

(۲۲) حکیم صاحب کو یہ بھی شکایت ہے کہ فقہاء نے یہ کیوں تحریر فرما دیا کہ بہتر ہے کہ امام وہ ہو جس کی بیوی خوبصورت ہو۔ اس کا فرض تھا کہ اس مسئلہ کا غلط ہونا کسی حدیث صحیح صریح غیر معارض سے ثابت کرتا کہ امام اس کو بنانا چاہیے کہ جس کی بیوی نہایت بدصورت اور بدسیرت ہو۔

(۲۳) غیر مقلد اس مسئلہ کو بہت اچھالا کرتے ہیں لیکن اگر واقعی وہ اس مسئلہ کو غلط سمجھتے ہیں تو ان کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ ایسی حدیث پیش کریں جو اس کے خلاف ہو۔

(۲۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کو نصف ایمان فرماتے ہیں اور خوبصورت بیوی کو جنت کا خزانہ اسی لئے فقہاء نے بھی تحریر فرمایا ہے کہ اگر امام کی بیوی خوبصورت ہوگی تو غالب یہی ہے کہ وہ اسی سے محبت کرے گا اور اپنے دل کو ناجائز تعلقات سے پاک رکھے گا اور وہ نیک اور خوبصورت بیوی نیکی اور پرہیزگاری میں اس کی مددگار ثابت ہوگی اور یہ بات کہ امام کی بیوی کیسی ہے اور امام کا تعلق اس کے ساتھ کیسا ہے، ہمسایہ اور رشتہ دار لوگوں کو اپنی عورتوں کے ذریعہ معلوم ہو جاتا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ ہر شخص اپنی بیوی کے حسن کو لوگوں کے سامنے بیان کرے۔ (شامی)

(۲۵) حکیم صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ پہلے اپنے گھر کی خبر لیتا اس کے مذہب میں لکھا ہے

کہ بہتر عورت وہ ہے جس کی فرج تنگ ہو جو شہوت کے مارے دانت رگڑ رہی ہو اور جو جماع کراتے وقت کروٹ سے لیٹتی ہو۔ (لغات الحدیث پ ۵، ص ۵۶، الحادتہ) اور ذرا اپنی تہذیب میں ملاحظہ فرمائیں نواب وحید الزمان ہی لکھتے ہیں، اور عورتوں کی گانڈوں میں جماع کرنا قرآنی حکم ہے۔ (لغات الحدیث) شاید اسی لئے آپ نے عورت کو مادر زاد ننگی ہو کر نماز پڑھنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ (بدور الاہلہ)

(۲۶) حکیم صاحب کو اس سے بھی شکایت ہے کہ فقہا نے یہ کیوں لکھا کہ بہتر ہے کہ امام مالدار اور مرتبے والا ہو لیکن اس کے خلاف بھی وہ کوئی صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش نہیں کر سکا کہ امام ضرورہ پرلے درجہ کا مفلس اور قلاش ہونے کے ساتھ ساتھ بدنام زمانہ بھی ہو۔ حالانکہ اس کا فرض تھا کہ قرآن وحدیث سے اس مسئلہ کا غلط ہونا ثابت کرتا لیکن وہ نہ قرآن جانتے ہیں اور نہ حدیث۔

(۲۷) فقہاء کا فرمان ہے کہ کثرت مال جب دین کے ساتھ جمع ہو تو اس سے قناعت اور عفت آتی ہے اور کثرت جاہ تکثیر جماعت کا باعث ہوتی ہے اور جماعت کا بڑا ہونا ہی اصل مقصد ہے تو جب یہ دونوں چیزیں اصل مقصد کے لئے ممد ومعاون ہوں گی تو ان کے مطلوب ہونے میں کون عقلمند شبہ کرے گا۔

(۲۸) حکیم صاحب کو یہ بھی شکایت ہے کہ فقہاء نے یہ کیوں تحریر فرمایا ہے کہ امام کے لئے بہتر ہے کہ اس کے کپڑے اور لباس اچھا ہو مگر اس کے خلاف بھی وہ کوئی صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش نہیں کر سکا۔

(۲۹) فقہاء لکھتے ہیں کہ امام اگر میلے کچیلے کپڑوں میں رہے گا تو لوگ اس سے نفرت کریں گے اور جماعت کی کمی میں یا تفرقہ کا اندیشہ ہے اور حدیث پاک میں بھی آتا ہے ان اللہ جمیل یحب الجمال (مسلم) کہ اللہ تعالیٰ جمیل ہیں اور جمال کو پسند فرماتے ہیں اور اچھا لباس انسان کے جمال کو مزید اجاگر کر دیتا ہے۔

(۳۰) حکیم صاحب کے اپنے مذہب کا مسئلہ یہ ہے کہ ہر کہ در جامہ ناپاک نماز گزار نمازش صحیح باشد (عرف الجادی ص ۲۱) یعنی جو مرد یا عورت ناپاک کپڑوں میں (جو پیشاب پاخانے منی اور خون سے لت پت ہوں) نماز پڑھے تو اس کی نماز صحیح ہے، بلکہ یہ مذہب تو کپڑوں کا بوجھ ویسے ہی پسند نہیں کرتا چنانچہ لکھا ہے۔

(۳۱) ہر کہ در نماز عورتش نمایاں شد نمازش صحیح باشد (عرف الجادی ص ۲۱) یعنی جس (مرد یا عورت) کی شرمگاہ (ساری) نماز میں بھی ننگی رہے اس کی نماز صحیح ہے۔

(۳۲) حکیم صاحب کو یہ بھی شکایت ہے کہ فقہاء نے یہ کیوں لکھا کہ امام کا جسم بھی متناسب ہونا بہتر ہے کیونکہ اعضاء جسم کا مناسب ہونا کمال عقل کی دلیل ہے۔ اس لئے امام کا سر بڑا ہو اور باقی اعضاء تناسب کے ساتھ چھوٹے ہوں کیونکہ داناؤں کا قول ہے ''سر وڈے سرداراں دے تے وڈے پیر گنواراں دے۔'' اس کے خلاف بھی کوئی صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش نہیں کر سکا کہ امام بے عقل ہونا چاہیے حالانکہ امام جتنا عقل مند ہوگا وہ مسلمانوں کی جماعت کی مضبوطی کا باعث ہوگا۔

(۳۳) حکیم صاحب نے یہ مسئلہ لکھتے وقت یہ بھی خیانت کی کہ اس جملے سر بڑا اور عضو چھوٹے کا جو معنی خود فقہاء نے بیان کیا ہے یعنی کامل عقل والا ہو وہ بیان ہی نہیں کیا جو خالص مغالطہ اور فریب ہے۔

(۳۴) بعض لامذہب تو فقہاء کے اس بیان کئے ہوئے مطلب کو چھپانے کے ساتھ ساتھ اس کا نہایت غلط مطلب بیان کر کے عوام میں اشتعال پیدا کیا کرتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام وہ ہو جس کا ذکر چھوٹا ہو حالانکہ فقہاء نے صاف اس کی تردید کی ہے کہ اس مطلب کو تو ذکر کرنا بھی جائز نہیں، جو جملہ تردید کے لئے نقل کیا گیا ہو، اس کو فقہ کی طرف منسوب کرنا ایسا ہی فریب ہے جیسے قرآن پاک میں عیسائیوں کی تردید کی گئی ہے لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ (المائدہ:۱۷) وہ لوگ کافر ہیں جو مسیح بن

مریم کو خدا مانتے ہیں اب کوئی عیسائی تردید نقل نہ کرے اور کہے کہ قرآن میں لکھا ہے اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ بے شک مریم کا بیٹا مسیح خدا ہے تو ایسے فریب کی کوئی حد ہے۔

(۳۵) اسی طرح مقیم کو مسافر پر آزاد کو غلام پر وضو کو تیمّم پر بہت سے احکام میں فضیلت حاصل ہے تو امام میں ان فضائل کا حصول مطلوب ہے ان کے خلاف بھی حکیم صاحب کوئی احادیث صحیح صریح غیر معارضہ پیش نہیں کر سکا۔

اعتراض نمبر ۱۰:

نماز کا اول وقت

پیغمبر رحمت ؐ کا ارشاد:

عَنِ ابْنِ عَبَّاس قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّنِىْ جِبْرَائِيْلُ عِنْدَ الْبَيْتِ مَرَّتَيْنِ فَصَلّٰى بِىَ الظُّهْرَ حِيْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَتْ قَدْرَ الشِّرَاكِ وَصَلّٰى بِىَ الْعَصْرَ حِيْنَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَىْءٍ مِّثْلَهٗ (ابوداؤد، ترمذی)

''حضرت ابن عباس ؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امامت کی جبرائیل نے میری بیت اللہ میں اور ظہر کی نماز پڑھائی۔ جب سورج ڈھل گیا اور اس کا سایہ بقدر ایک تسمہ کے ظاہر ہو گیا اور نماز عصر اس وقت پڑھائی۔ جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا۔''

اس حدیث میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی معلوم ہوا کہ جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے تو یہ نماز عصر کا اول وقت اور نماز ظہر کا آخری وقت ہے۔ یعنی ظہر ختم اور عصر شروع ہے، لیکن حنفی مذہب اس کے برعکس حکم دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

فقہ کا اختلاف:

وَاٰخِرُ وَقْتِهَا عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ اِذَا صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَىْءٍ مِثْلَيْهِ وَاَوَّلُ وَقْتِ الْعَصْرِ اِذَا خَرَجَ وَقْتُ الظُّهْرِ. (ہدایہ جلد اول، باب المواقیت)

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آخری وقت ظہر کا، اور اول وقت عصر کا وہ ہے جب ہر چیز کا سایہ اس سے دوگنا ہو جائے۔

بھائیو! دیکھنا آپ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فرمائیں کہ سایہ ایک گونہ ہونے پر ظہر کا وقت جاتا رہا اور عصر کا وقت شروع ہو گیا۔ لیکن بقول صاحب ہدایہ امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں۔ ابھی ظہر کا وقت نہیں گیا، اور عصر کا وقت شروع نہیں ہوا۔ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایک گونہ سایہ ہو جانے پر ظہر ختم اور عصر شروع بتائیں۔ بقول صاحب ہدایہ امام ابوحنیفہ کہیں' نہیں! سایہ دگنا ہونے پر ظہر ختم اور عصر شروع ہوتی ہے۔

افسوس برادران احناف کا عمل حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے، حدیث پر نہیں کہ تمام حنفی مسجدوں میں کبھی نماز عصر اول وقت نہیں پڑھتے۔ گویا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَیْءٍ مِثْلَهُ ہر چیز کا سایہ ایک گونہ ہونے پر نہیں پڑھتے بلکہ امام ابوحنیفہؒ کے حکم صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَیْءٍ مِثْلَیْهِ ہر چیز کا سایہ دگنا ہونے پر پڑھتے ہیں۔ دھوپ زرد ہو جانے پر اخیر وقت پڑھتے ہیں۔

حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی صاف صاف فرمایا ہے:

اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ الصَّلٰوةِ فِیْ اَوَّلِ وَقْتِهَا. (بخاری)

''افضل عمل نماز کو اس کے اول وقت میں پڑھنا ہے۔''

لیکن برادران احناف کبھی اول وقت نہیں پڑھتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتے۔ فقہ کے قول پر ہی عمل کرتے ہیں۔ ہم ان کی خیر خواہی کی نیت سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کو جب خدا نے پوچھا کہ تم نے میرے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو ایک امتی کے قول پر کیوں قربان کیا؟ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم ''ایک مثل سایہ'' کو اپنے امام کے حکم ''دو مثل سایہ'' میں کیوں مدغم کیا؟ کیوں ساری عمر تقلید جامد کی ظلمت میں نمازیں اخیر وقت پڑھتے رہے تو وہ خدا کے حضور کیا جواب دیں گے؟

تقاضا ہے گریباں کا کہ مجھ کو چاک کر ڈالو!

تمنا ہے یہ داسی کی اڑا دو دھجیاں میری

(سبیل الرسول ص ۲۴۴، شمع محمدی ص ۱۲۶، ظفر المبین جدید ج ۲ ص ۱۷۶، اختلاف امت کا المیہ ص ۶۰، احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ ص ۳۹)

جواب:

یہ کوئی نیا اعتراض نہیں اس سے پہلے بھی غیر مقلدین کرتے رہے اور احناف کی طرف سے اس کے مفصل اور مدلل جوابات بھی شائع ہوتے رہے۔ مولانا محمد حسین بٹالوی (وکیل اہل حدیث) نے بھی اپنے اشتہار میں یہ مسئلہ ذکر کیا تھا اور اس کا جواب شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی نے ادلہ کاملہ میں دیا تھا۔ ہم یہاں پر اس مسئلہ کو ذرا تفصیل سے لکھتے ہیں تا کہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے۔

اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا اختلاف:

ظہر کا اول وقت بالاتفاق زوال سے شروع ہوتا ہے اور استوار شمس کے وقت ہر چیز کا جو سایہ ہوتا ہے وہ فَیْء زوال (اصلی سایہ) کہلاتا ہے اس کے پہچاننے کا طریقہ یہ ہے، ہموار زمین میں کوئی سیدھی لکڑی یا کیل گاڑ دی جائے۔ زوال سے پہلے اس کا جو سایہ ہوگا وہ تدریجاً گھٹتا رہے گا پھر یا تو بالکل ختم ہو جائے گا یا کچھ باقی رہے گا۔ (خط استوا سے قرب و بعد کی وجہ سے فَیْء زوال مختلف ہوتا ہے) اور گھٹنا بند ہو جائے گا یہی باقی ماندہ سایہ فَیْء زوال اصلی سایہ ہے پھر وہ دوسری جانب بڑھنا شروع ہوگا جوں ہی بڑھنا شروع ہو سمجھ لینا چاہیے کہ زوال شمس ہو گیا، اور ظہر کا وقت شروع ہو گیا۔ اور ظہر کا وقت کب تک باقی رہتا ہے اور عصر کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور صاحبینؒ یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ظہر کا وقت ختم ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ فَیْء زوال کو منہا کرنے کے بعد اس چیز کے بقدر ہو جائے۔

اصطلاح میں اس کو ایک مثل (مانند) کہتے ہیں اور اس کے بعد فوراً عصر کا وقت شروع ہوتا ہے دونوں وقتوں کے درمیان مشہور قول کے مطابق نہ تو کوئی حد فاصل ہے نہ وقت مشترک۔

اور امام اعظمؒ سے اس سلسلہ میں چار روایتیں منقول ہیں۔

(۱) ظاہر روایت میں ظہر کا وقت دو مثل پر ختم ہوتا ہے، اور اس کے بعد فوراً عصر کا وقت شروع ہوتا ہے یہی مفتیٰ بہ قول ہے علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۲۲ میں لکھا ہے کہ یہ قول ظاہر روایت میں صراحۃً مذکور نہیں ہے۔ امام محمد نے صرف یہ لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک عصر کا وقت دو مثل کے بعد (یعنی تیسرے مثل سے) شروع ہوتا ہے، ظہر کا وقت کب ختم ہوتا ہے اس کی تصریح امام محمد نے نہیں کی ہے۔

(۲) امام اعظم کا دوسرا قول وہی ہے جو ائمہ ثلثہ اور صاحبین کا ہے، امام طحاوی نے اس کو اختیار کیا ہے اور صاحب درمختار نے لکھا ہے کہ آج کل لوگوں کا عمل اسی پر ہے اور اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اور سید احمد دحلان شافعی نے خزانة المفتين اور فتاوٰی الظهيريه سے امام صاحب کا اس قول کی طرف رجوع نقل کیا ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۹۵)

مگر ہماری کتابوں میں یہ رجوع ذکر نہیں کیا گیا بلکہ اس قول کو حسن بن زیاد لولوی کی روایت قرار دیا گیا ہے اور سرخسی نے مبسوط میں اس کو بروایت امام محمد ذکر کیا ہے، اور صاحب درمختار نے جو اس قول کو مفتی بہ کہا ہے۔ اس کو علامہ شامی نے رد کیا ہے۔

(۳) امام اعظم سے تیسری روایت یہ ہے کہ مثل ثانی مہمل وقت ہے یعنی ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے، اور عصر کا وقت دو مثل کے بعد شروع ہوتا ہے اور دوسرا مثل نہ ظہر کا وقت ہے نہ عصر کا، یہ اسد بن عمرو کی روایت ہے امام اعظم رحمہ اللہ سے۔

(۴) اور چوتھا قول عمدۃ القاری شرح بخاری میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل سے کچھ پہلے ختم ہو جاتا ہے، اور عصر کا وقت دو مثل کے بعد شروع ہو جاتا ہے، امام کرخی نے اس قول کی تصحیح کی ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۹۵)

ائمہ کا یہ اختلاف اس وجہ سے ہے کہ احادیث میں بھی اختلاف ہے۔ہم یہاں پر بعض احادیث نقل کرتے ہیں۔

پہلی روایت:

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پہلے دن ظہر کی نماز زوال ہوتے ہی پڑھائی تھی اور عصر کی نماز ایک مثل پر پڑھائی تھی، اور دوسرے دن ظہر کی نماز ایک مثل پڑھائی تھی یعنی ٹھیک اسی وقت جس وقت پہلے دن عصر کی نماز پڑھائی تھی، (**لوقت العصر بالامس**) اور عصر کی نماز دو مثل پر پڑھائی تھی۔

یہ روایت متعدد صحابہ کرامؓ سے مروی ہے، ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے جو روایت مروی ہے اس میں لوقت العصر بالامس کا لفظ ہے، یہ روایت ترمذی ونسائی میں حضرت جابرؓ سے بھی مروی ہے، اور ابن راہویہ نے اپنی مسند میں حضرت ابو مسعودؓ سے بھی روایت کی ہے نیز یہ روایت صحیحین میں بھی ہے مگر مجمل ہے یعنی اوقات صلوٰۃ کی اس میں تفصیل نہیں ہے، نیز اسی روایت کو بزارؒ نے بھی اپنی مسند میں حضرت ابو ہریرۃؓ سے اور عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت عمرو بن حزم سے روایت کیا ہے

(نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۳۱، ۲۳۲، باب ماجاء فی مواقیت الصلاۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

روایت کا مفاد:

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مثل کے بعد تک ظہر کا وقت ہوتا ہے، اور دونوں وقتوں کے درمیان نہ تو کوئی مہمل وقت ہے، نہ مشترک، اس روایت کو ائمہ ثلاثہ اور صاحبین نے لیا ہے، البتہ امام مالک علیہ الرحمۃ مثل اول کے آخر میں مقیم کے لئے چار رکعت کے بقدر اور مسافر کے لئے دو رکعت کے بقدر مشترک وقت مانتے ہیں یعنی اس میں ظہر کی نماز بھی پڑھی جاسکتی ہے، اور عصر کی نماز بھی، کیونکہ حضرت جبرئیلؑ نے پہلے دن جس وقت عصر کی نماز پڑھائی ٹھیک اسی وقت میں دوسرے دن ظہر کی نماز پڑھائی تھی۔

واشترکت الظهر والعصر فی اخر القامة بقدر اربع رکعات، فیکون اخر

وقت الظهر واول وقت العصر

ظہر اور عصر شریک ہیں مثل اول کے آخر میں چار رکعت کے بقدر (شرح صادی میں ہے کہ یہ حالت حضر میں ہے اور حالت سفر میں دو رکعت کے بقدر ہے) لہٰذا مثل اول کا آخر ظہر کا آخری وقت اور عصر کا اول (ابتدائی) وقت ہے۔ (بلغة السالك ج۱، ص ۸۳)

مگر ابن حبیب مالکی اشتراک کے قائل نہیں ہیں، اور ابن العربی مالکی تو بتاتے ہیں کہ

والله ما بينهما اشتراك لقد زلت فيه اقدام العلماء (حوالہ سابق)

خدا کی قسم دونوں وقتوں کے درمیان مشترک وقت نہیں ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں علماء (مالکیہ) کے پیر پھسل گئے ہیں۔

اور جمہور لوقت العصر بالامس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ یہ بات راوی نے تقارب زمانین کی وجہ سے کہی ہے ورنہ حقیقت میں پہلے دن جس وقت عصر کی نماز شروع کی تھی، دوسرے دن اس سے ذرا پہلے ظہر کی نماز پوری کر دی تھی۔ دونوں دن دونوں نمازیں ایک ہی وقت میں نہیں پڑھی تھیں، کیونکہ آیت کریمہ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے) اس سے یہ بات واضح ہے کہ ہر نماز کا وقت الگ الگ ہے اشتراک نہیں ہے۔

دوسری روایت:

یہ ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے اوقات دریافت کئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو ٹھہرایا، اور دو دن نماز پڑھا کر عملی طور پر اوقات نماز کی تعلیم دی۔ اس روایت میں ہے کہ پہلے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز زوال ہوتے ہی پڑھائی اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج سفید اور بلند تھا، اور دوسرے دن ظہر کی نماز بہت زیادہ ٹھنڈی کر کے پڑھائی، اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج آخر وقت میں پہنچ گیا تھا۔ (مسلم شریف ج۱، ص ۲۲۳)

یہ روایت مسلم شریف میں حضرت بریدہؓ سے مروی ہے اور مسلم شریف ہی میں حضرت

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے یہ روایت بھی مروی ہے کہ ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے جب سورج ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کے برابر ہو جائے، پھر ظہر کا وقت باقی رہتا ہے عصر کا وقت آنے تک، اور عصر کا وقت باقی رہتا ہے سورج کے زرد ہونے تک۔

(مسلم شریف ج۱،ص۲۲۳)

روایت کا مفاد:

اس روایت سے اوقات صلوٰۃ کی کوئی واضح حد بندی نہیں ہوتی البتہ اس میں یہ جملہ ہے کہ دوسرے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز بہت زیادہ ٹھنڈی کر کے پڑھائی، اس سے کچھ ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ شاید مثلِ ثانی میں پڑھائی ہو، کیونکہ مشاہدہ یہ ہے کہ مثل اول کے ختم تک موسم ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں اس حدیث کے جو الفاظ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہیں کہ ''ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے جب سورج ڈھل جائے، اور آدمی کا سایہ اس کے برابر ہو جائے۔'' اس سے تو یہ بات صاف سمجھ میں آتی ہے کہ مثل ثانی بھی ظہر کا وقت ہے۔

تیسری روایت:

حضرت عمرؓ کا گشتی فرمان ہے جو آپ نے اپنے گورنروں کے نام جاری کیا تھا اس میں آپ نے لکھا تھا کہ ظہر کی نماز پڑھو جب سایہ ایک ہاتھ ہو جائے یہاں تک کہ وہ سایہ ایک مثل ہو جائے اور عصر کی نماز پڑھو درآں حالیکہ سورج بلند، چمکدار اور صاف ہو، اور عصر کے بعد غروب آفتاب سے پہلے سوار دو یا تین فرسخ کا سفر کر سکے۔ (موطا امام مالک ص۱۳)

روایت کا مفاد:

یہ روایت بھی اس باب میں صریح نہیں ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے، ظاہر روایت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ مستحب اوقات کا بیان ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز پڑھنے کا حکم اس وقت دیا ہے جب کہ سایہ ایک ہاتھ ہو جائے، حالانکہ ظہر کا

وقت زوال ہی سے شروع ہو جاتا ہے، اور عصر جس وقت میں پڑھنے کا حکم دیا ہے وہ اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس فرمان کے ذریعہ لوگوں کو مستحب اوقات کی تعلیم دی ہے، حقیقی اوقات نہیں بتائے۔

چوتھی روایت:

حضرت ابوہریرہؓ کی ہے کہ ایک شخص نے آپؓ سے نماز کے اوقات پوچھے تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا۔ **انا أخبرك صل الظهر اذا كان ظلكَ مثلك، والعصر اذا كان ظلكَ مثليك الخ**

سن میں تجھے بتاتا ہوں ظہر کی نماز پڑھ جب تیرا سایہ تیرے برابر ہو جائے اور عصر کی نماز پڑھ جب تیرا سایہ تیرے دو مثل ہو جائے۔

(یہ روایت موطا مالک ص ۳ اور موطا محمد ص ۴۲ میں ہے، یہ دونوں کتابیں در حقیقت ایک ہی ہیں، یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کی روایت موطا مالک کے نام سے مشہور ہے اور امام محمد بن حسن شیبانی کی روایت موطا محمد کے نام سے مشہور ہے۔)

روایت کا مفاد:

یہ روایت صریح ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد بھی باقی رہتا ہے کیونکہ جب ظہر کو ایک مثل پر پڑھنے کا حکم دیا اور عصر کو دو مثل پر تو اب مثل ثانی عصر کا وقت تو ہو ہی نہیں سکتا، لامحالہ ظہر ہی کا وقت ہوگا یہ اگر چہ ابوہریرہؓ کا ارشاد ہے، مگر چونکہ مقادیر مدرک بالعقل نہیں ہیں اس لئے اس کو لامحالہ حکماً مرفوع ماننا ہوگا۔

پانچویں روایت:

حضرت ابوذر غفاریؓ کی ہے جو صحیحین میں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جب ظہر کا وقت ہوا تو موذن نے اذان دینے کا ارادہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''ابھی وقت کو ٹھنڈا ہونے دو'' کچھ دیر بعد پھر موذن

نے اذان دینے کا ارادہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا کہ ابھی وقت کو ٹھنڈا ہونے دو "حتی راینا فَیْءَ التلولِ" (یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا) پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کے پھیلاؤ سے ہے۔ لہٰذا جب گرمی سخت ہو تو ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھا کرو۔ (بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ)

اس حدیث کو امام بخاریؒ نے **کتاب الاذان، باب الاذان للمسافر** میں بھی ذکر کیا ہے وہاں یہ الفاظ ہیں کہ حَتّٰی سَاوَی الظِّلُّ التَلُوْلَ (یہاں تک کہ سایہ طول میں ٹیلوں کے برابر ہو گیا)

روایت کا مفاد:

اس روایت سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر میں ظہر کی نماز بالیقین مثل ثانی میں بلکہ مثل ثانی کے بھی آخر میں پڑھی ہے، کیونکہ ٹیلوں کے سایہ کا ظاہر ہونا بلکہ ٹیلوں کے سایہ کا طول میں ٹیلوں کے برابر ہونا مثل اول میں ممکن ہی نہیں ہے جس کو تردد ہو وہ مشاہدہ کر کے اپنا شک دور کر سکتا ہے۔

چھٹی روایت:

بخاری شریف کی ہے، جو مشکوۃ شریف کے بالکل آخری باب، **باب ثواب هذه الأمة** کے بالکل شروع میں ہے، جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی مدت عمر اور یہود و نصاریٰ کی مدت عمر مثال سے سمجھائی ہے کہ

"ایک شخص نے صبح سے دوپہر تک ایک ایک قیراط طے کر کے مزدور رکھے اور دوپہر میں ان کو ان کی اجرت دے کر رخصت کر دیا، پھر دوپہر سے عصر تک کے لئے ایک ایک قیراط طے کر کے دوسرے مزدور رکھے۔ عصر کے وقت ان کو بھی ان کی اجرت دے کر رخصت کر دیا۔ پھر عصر سے غروب آفتاب تک کے لئے اور مزدور رکھے اور ان کی اجرت دو دو قیراط طے کی۔ جب انہوں نے کام پورا کیا تو ان کو ان کی ڈبل اجرت دی گئی۔

یہ مثال بیان کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ وہ مزدور ہو

جنھوں نے عصر سے مغرب تک کام کیا ہے لہٰذا تمہیں ڈبل مزدوری ملے گی، اس پر یہود و نصاریٰ ناراض ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ کام ہم نے زیادہ کیا اور مزدوری ہمیں کم ملی، اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا کہ کیا میں نے تمہارا کچھ حق مارا ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، تو میں اپنی مہربانی جس پر چاہوں کروں۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ)

روایت کا مفاد:

اس روایت کے اشارہ سے بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل تک رہتا ہے، کیونکہ اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی مدت عمل کم ہے اور یہود و نصاریٰ کی مدت عمل زیادہ ہے، یہود کی مدت عمل کا زیادہ ہونا تو بدیہی ہے، کیونکہ وہ صبح سے دوپہر تک ہے، اسی طرح نصاریٰ کی مدت عمل امت محمدیہ کی مدت عمل سے بدیہی طور پر زیادہ اسی وقت ہو سکتی ہے جب عصر کا وقت مثل ثالث سے شروع ہو اور مثل ثانی کے ختم تک ظہر کا وقت رہے، اگر ظہر کا وقت مثل اول کے ختم تک مانا جائے تو نصاریٰ اور امت محمدیہ دونوں کی مدت عمل میں کوئی واضح تفاوت نہیں رہتا۔

الغرض یہ روایت اگر عقل سلیم ہو تو اس بات کی صاف دلیل ہے کہ ظہر کا وقت مثل ثانی کے ختم تک رہتا ہے۔

امام عظمؒ کی مختلف روایات کے سلسلہ میں احناف کے مختلف نقطہ نظر:

بحث کے شروع میں امام اعظمؒ کی چار روایتیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) ظہر کا وقت مثل ثانی کے ختم تک رہتا ہے، اور عصر کا وقت مثل ثالث کی ابتداء سے شروع ہوتا ہے...... یہ ظاہر روایت ہے۔

(۲) ظہر کا وقت مثل اول کے ختم تک رہتا ہے، اور عصر کا وقت مثل ثانی کی ابتداء سے شروع ہوتا ہے...... یہی جمہور کا بھی مذہب ہے۔

(۳) مثل ثانی پورا مہمل وقت ہے۔

(۴) مثل ثانی کے آخر میں تھوڑا وقت مہمل ہے......امام اعظم کی ان مختلف روایتوں کے سلسلہ میں احناف کے تین نقطہ نظر ہیں۔

پہلا نقطہ نظر:

یہ ہے کہ یہ تمام روایات باہم متعارض ہیں۔لہٰذا غور کر کے آخری روایت متعین کی جائے اور مقدم روایات کو منسوخ قرار دیا جائے صاحب خزانة المفتيين اور صاحب فتاویٰ ظہیریہ نے یہی صورت اختیار کی ہے چنانچہ انہوں نے دوسرے قول کی طرف امام صاحب کا رجوع کرنا نقل کیا ہے اور اس کو آخری قول قرار دیا ہے......مگر کتب مذہب میں یہ رجوع معروف نہیں ہے،اس لئے عام طور پر یہ نقطہ نظر تسلیم نہیں کیا جاتا۔

دوسرا نقطہ نظر:

یہ ہے کہ موافقت جمہور یا قوت دلیل کی بناء پر کسی ایک قول کو ترجیح دی جائے چنانچہ امام طحاوی اور صاحب درمختار نے موافقت جمہور کے پیش نظر دوسرے قول کو ترجیح دی ہے،اور یہ فرمایا ہے کہ اسی پر لوگوں کا عمل ہے،اور اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔اور شارح منیۃ علامہ ابراہیم حلبیؒ اور علامہ ابن عابدین شامیؒ اور مفتیان دارالعلوم دیوبند نے قوت دلیل کی بناء پر پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔جو ظاہر روایت ہے علامہ شامی صاحب درمختار پر رد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

''صاحب درمختار نے جو فرمایا ہے کہ ''امام اعظم کی دوسری روایت اظہر ہے، حدیث جبرائیل کی وجہ سے اور حدیث جبرائیل اس مسئلہ میں نص ہے۔'' یہ فرمانا صحیح نہیں ہے کیونکہ امام اعظمؒ کے قول کے کافی دلائل موجود ہیں۔اور امام اعظم کی دلیل کی کمزوری ظاہر نہیں ہوئی ہے، بلکہ امام صاحب کے دلائل قوی ہیں جیسا کہ مطولات اور شرح منیہ کے مطالعہ سے یہ بات معلوم کی جاسکتی ہے،اور علامہ ابن نجیم مصری نے البحر الرائق میں یہ قاعدہ بیان کیا ہے

کہ امام صاحب کا قول چھوڑ کر صاحبین کا قول، یا ان میں سے کسی ایک کا قول کسی ضرورت ہی کی وجہ سے اختیار کیا جا سکتا ہے، مثلاً امام صاحب کی دلیل کمزور ہو یا تعامل امام صاحب کے قول کے خلاف ہو، جیسے مزارعت کا مسئلہ محض مشائخ کے یہ کہہ دینے سے کرفتویٰ صاحبین کے قول پر ہے امام صاحب کا قول نہیں چھوڑا جا سکتا۔'' (شامی ج ا ص ۲۶۴)

تیسرا نقطہ نظر:

یہ ہے کہ امام صاحب کے اقوال میں تطبیق دی جائے اور یوں کہا جائے کہ ظہر کا وقت ایک مثل تک تو بالیقین رہتا ہے، اور مثل ثانی کے ختم تک رہنے کا احتمال ہے اور عصر کا وقت مثل ثالث سے بالیقین شروع ہوتا ہے، مگر مثل ثانی سے شروع ہونے کا احتمال ہے، لہٰذا احتیاط اس میں ہے کہ ایک مثل ختم ہونے سے پہلے ظہر کی نماز مثل اول میں نہ پڑھ سکے تو پھر مثل ثانی میں پڑھ لے، اس سے تاخیر نہ کرے، اور اس کو ادا کہا جائے گا، قضا نہیں کہا جائے گا، اسی طرح اگر کسی مجبوری میں جیسا کہ حاجیوں کو حرمین شریفین میں یہ مجبوری پیش آتی ہے کوئی شخص مثل ثانی میں عصر کی نماز پڑھ لے تو اس کو بھی صحیح کہا جائے گا یعنی ذمہ فارغ ہو جائے گا مگر ظہر اور عصر دونوں کو مثل ثانی میں پڑھنا شریعت کے منشاء کے خلاف ہے، شریعت کا منشا یہ ہے کہ دونوں نمازوں کے درمیان فصل ہونا چاہیے اور یہ فصل عام حالات میں کم از کم ایک مثل کے بقدر ہونا چاہیے، اور مخصوص حالات میں اس سے کم بھی ہو سکتا ہے اور وقت مہمل سے امام صاحب کی مراد یہی عملی اہمال ہے یعنی دونوں نمازوں کے درمیان فصل کرنا۔

حضرت قدس سرہ (شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی) کا نقطہ نظر غالباً یہی ہے، چنانچہ ایضاح الادلہ میں حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ

''وقت ما بین المثلین (یعنی مثل ثانی) کو بوجہ تعارض روایات نہ بالیقین وقت ظہر میں داخل کر سکتے ہیں، نہ وقت عصر ہیں...... یا یوں کہیے کہ ایک وجہ سے ظہر میں داخل ہے تو دوسرے طور سے عصر میں، تو اب بوجہ احتیاط حضرت امام صاحب نے ظاہر الروایت میں

وقت مذکور (مثل ثانی) وقت ظہر میں شامل کر دیا تا کہ کوئی صلوٰۃ عصر وقت مذکور (مثل ثانی) میں ادا کر کے ادائے صلوٰۃ قبل الوقت کے احتمال میں نہ پڑ جائے اور وقت یقینی کو ترک کر کے وقت محتمل میں صلوٰۃ عصر کو ادا نہ کرے۔

رہی صلوٰۃ ظہر اس کا وقت یقینی گو ایک مثل تک ہے، لیکن اگر کسی ضرورت یا غفلت کی وجہ سے کسی کو صلوٰۃ مذکور (ظہر کی نماز) وقت یقینی میں ادا کرنے کا اتفاق نہ ہوا تو اب یہی چاہیے کہ **ما بین المثلین** (مثل ثانی) ہی میں اس کو ادا کر لے، کیونکہ یہ وقت گو وقت محتمل ہے تاہم اور اوقات سے تو عمدہ ہے، یہاں احتمال ادا تو ہے اور اوقات میں تو یہ بھی نہیں بلکہ بالیقین قضاء محض ہے۔

بالجملہ مطلب ظاہر الروایت یہ ہے کہ وقت ما بین المثلین کا بوجہ مفروضہ (مذکورہ وجہ کی بناء پر) وقت ظہر میں شمار کرنا مناسب ہے، کیونکہ وقت عصر میں داخل کرنے سے ادا صلوٰۃ قبل الوقت کا احتمال باقی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ وقت مذکور (مثل ثانی) بالیقین وقت ظہر میں داخل ہے اور جیسا بقاء ظہر مثل تلک یقینی ہے بعینہ ایسا ہی مثلین تک وقت ظہر باقی رہتا ہے بلکہ وقت ظہر یقینی تو مثل تلک ہے، اور ابتداء عصر بالیقین مثلین سے ہوتا ہے، اور درمیان کا وقت بوجہ روایات مختلفہ دونوں امر کا محتمل ہے۔'' (ص ۱۵۵ تا ص ۱۵۶ فخریہ)

حضرت قدس سرہ نے یہ نقطہ نظر دو وجہ سے اپنایا ہے، ایک اس وجہ سے کہ مثلین تک وقت ظہر کے باقی رہنے کی کوئی صریح روایت نہیں ہے، اس لئے احتمال ہے کہ مثل ثانی عصر کا وقت ہو اور دوسری وجہ یہ ہے کہ امامت جبرئیل والی حدیث کی تاریخ معلوم ہے وہ اس وقت کی روایت ہے جب پانچ نمازیں فرض ہوئی تھیں یعنی اسلام کے بالکل دور اول کی روایت ہے اور باقی تمام روایتیں مابعد کی ہیں اس لئے احتمال ہے کہ مثل اور مثلین کے معاملہ میں نسخ ہوا ہو یعنی عصر کا وقت کٹ کر مثلین سے کر دیا گیا ہو اور ظہر کا وقت بڑھا کر مثلین تک کر دیا ہو، لہٰذا مثل ثانی میں شک پیدا ہو گیا کہ وہ عصر کا وقت رہا یا نہیں؟ اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ

عصر کی نماز مثل ثانی کے بعد پڑھی جائے تا کہ بالیقین ذمہ فارغ ہو جائے اگر مثل ثانی میں عصر کی نماز پڑھی جائے گی تو آخری تین روایتوں کی بناء پر کھٹکا رہے گا کہ شاید نماز وقت سے پہلے پڑھی گئی ہو اور ذمہ فارغ نہ ہوا ہو۔

رہا ظہر کا معاملہ تو اگر وہ مثل اول میں ادا کی گئی ہے تب تو وہ بالیقین ادا ہو گئی، اور اگر مثل ثانی میں پڑھی گئی ہے تب بھی ذمہ فارغ ہو جائے گا کیونکہ امامت جبرئیل والی حدیث کے پیش نظر اگر ظہر کی نماز ادا نہ ہو گی تو قضا ہو جائے گی۔ اور قضاء سے بھی ذمہ فارغ ہو جاتا ہے۔

الغرض جمہور نے جو موقف اختیار کیا ہے وہ اولاً تو مبنی بر احتیاط نہیں اور ثانیاً ان کے مذہب کے مطابق آخری تین روایتوں کو ترک کرنا لازم آتا ہے اور امام اعظم نے ایسا طریقہ اختیار فرمایا ہے کہ اس میں احتیاط بھی ہے اور تمام روایتوں پر عمل بھی ہو جاتا ہے۔ **فجزاه الله تعالٰی خیرا و اثابه بما هو اهله (آمین)**

جمہور کے پاس بھی کوئی قطعی دلیل نہیں ہے:

جمہور کا مستدل یعنی امامت جبرئیل والی حدیث قطعی دلیل نہیں ہے، کیونکہ اس میں نسخ کا احتمال ہے اور یہ احتمال بے دلیل نہیں ہے بلکہ آخری تین روایتوں کی بناء پر یہ احتمال پیدا ہوا ہے دلیل کے قطعی ہونے کے لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسی نص پیش کی جائے جس سے دائماً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل ثانی میں عصر پڑھنا ثابت ہوتا ہو، یا کم از کم ایسی تصریح پیش کی جائے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل مثل ثانی میں عصر پڑھنے کا تھا اور ایسی تصریحات جمہور کے پاس نہیں ہے۔

احناف کے دلائل

پہلی حدیث:

عن عبد الله بن رافع مولی ام سلمة زوج النبی صلی الله علیه وسلم انه

سال ابا هريرة عن وقت الصلوة فقال ابو هريرة انا اخبرك صلى الظهر إذا
كان ظلك مثلك والعصر اذا كان مثليك.

ترجمہ: عبداللہ بن رافع جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بی ام سلمہؓ کے مولیٰ ہیں انہوں
نے ابو ہریرہؓ سے نماز کا وقت پوچھا، کہا ابو ہریرہؓ نے میں بتاؤں تجھ کو نماز پڑھ ظہر کی جب
سایہ تیرا تیرے برابر ہو جائے اور عصر کی جب سایہ تیرا تجھ سے دونا ہو۔
(موطا امام مالک مترجم علامہ وحید الزمان غیر مقلد ص ۱۹)

دوسری حدیث:

عبدالله بن رافع مولى أم سلمة زوج النبى صلى الله عليه وسلم عن ابى
هريرة انه ساله عن وقت الصلوة فقال ابوهريرة انا اخبرك صل الظهر اذا
كان ظلك مثلك والعصر اذا كان ظلك مثليك

ترجمہ: عبداللہ بن رافع جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ام سلمہؓ کے آزاد کردہ غلام
ہیں۔ انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نماز کے اوقات کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت
ابو ہریرہؓ نے کہا۔ میں تمہیں بتلاتا ہوں۔ ظہر کی نماز ادا کرو جب تمہارا سایہ تمہارے برابر ہو
جائے اور نماز عصر جب تمہارا سایہ تم سے دوگنا ہو جائے۔ (موطا امام محمد مترجم ص ۲۷)

تیسری حدیث:

عن أم سلمة قالت كان رَسُولُ الله صلى الله عليه وسلم أشد تعجيلا
للظهر منكم وانتم اشدُّ تعجيلا للعصر منه.

(ترمذی ص ۵۱، مسند احمد ج ۶، ص ۲۸۹)

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو ظہر کی نماز تم سے
جلدی پڑھتے تھے اور تم لوگ عصر کی نماز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جلدی پڑھتے ہو۔

چوتھی حدیث:

رافع بن خديج ان رسول الله صلى الله وسلم كان يا مرهم بتأخير

العصر. (بیهقی ج۱ ص۴٤۳، وهامشه الجوهر النقی ج۱ ص٤٤۱)

حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو حکم دیتے تھے کہ وہ عصر کی نماز کو مؤخر کر کے پڑھیں۔

پانچویں حدیث:

عن الأعمش قال كان اصحاب عبد الله بن مَسْعُودٍ يعجلون الظهر ويؤخرون العصر. (مصنف عبدالرزاق ج۱ ص٥٤٠)

حضرت عبداللہ بن مسعود کے ساتھی اور شاگرد ظہر کی نماز جلدی پڑھتے تھے اور عصر کی نماز تاخیر سے پڑھتے تھے۔

چھٹی حدیث:

عن ابی هريرة أنه كان يؤخر العصر حتى اقول قد اصفرت الشمس.

(مصنف ابن ابی شیبه ج۱ ص۳۲۷)

سوار بن شبیب کہتے ہیں حضرت ابو ہریرہؓ عصر کو اتنا موخر کر کے پڑھتے تھے کہ میں یہ خیال کرتا تھا شاید سورج زرد ہو گیا ہے۔

ساتویں حدیث:

علی بن شيبان قال قدمنا على رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة فكان يوخر العصر مَا دَامَتِ الشمس بيضاء نقية.

(ابو داؤد ج۱ ص۵۹، ابن ماجه ص٤٨)

علی بن شیبان کہتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ عصر کی نماز مؤخر کر کے پڑھتے تھے جب تک سورج سفید اور صاف ہوتا ہو (زرد ہونے سے پہلے)

آٹھویں حدیث:

عن إبراهيم قال كان من قبلكُمْ اشَدَّ تَعجِيلاً للظهر واشد تاخيرًا للعصر

منکم ۔ (مصنف عبد الرزاق ج۱ ص ۵۴۰)

حضرت ابراہیم نخعی کہتے ہیں تم سے پہلے لوگ ظہر کی نماز کو تمہاری بہ نسبت جلدی پڑھتے اور عصر کی نماز کو تم سے زیادہ مؤخر کرتے تھے۔

حکیم صاحب کی دلیل کا جواب:

حدیث جبرائیل یعنی حکیم صاحب نے ص ۲۴۴ پر یہ حدیث نقل کی ہے مگر حدیث نقل کرنے میں کئی خیانتیں کی ہیں۔

۱......حدیث آدھی نقل کی ہے۔

۲......اس حدیث کی سند میں ایک راوی عبد الرحمٰن بن الحارث ضعیف ہے۔ میزان الاعتدال ج ۲ص ۵۵۴) مگر حکیم صاحب نے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔

۳......متن حدیث میں مرتین کے الفاظ موجود تھے اور خود حکیم صاحب نے نقل بھی کئے ہیں مگران کا ترجمہ قصداً نہیں کیا۔ ترجمہ دومرتبہ اس لیے نہیں کیا کہ جب عوام کو اس بات کا علم ہوگا کہ جبرائیل علیہ السلام نے دومرتبہ نماز پڑھائی ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلے دن کا ذکر تو حکیم صاحب نے نقل کر دیا مگر دوسرے دن کا ذکر نہ کیا کیونکہ وہ ان کے مسلک کے خلاف تھا اس میں عصر کی نماز کا وقت مثلین پر ہے۔

(۴)اور حدیث کے آخر میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔ **ثم التفت إلی فَقَالَ یا محمد هذا وقتُ الأَنْبِیَاء مِنْ قَبْلِكَ وَالْوَقْتُ بین هذین الوقتین.**

ترجمہ: پھر میری طرف متوجہ ہوکر کہا اے محمد، یہ آپ سے پہلے نبیوں کا وقت ہے اور وقت ان دو وقتوں کے درمیان ہے۔

ہم نے اپنے دلائل میں یہاں پر صرف آٹھ حدیثیں نقل کیں ہیں اگر کسی کو زیادہ تفصیل درکار ہو تو تنویر الحق مصنفہ نواب قطب الدین محدث دہلوی کا صفحہ ۳۴ تا ۵۰ تک ملاحظہ فرمائیں۔ اور حضرت شیخ الہندؒ کی ادلہ کاملہ اور ایضاح الادلہ دیکھیں۔

اعتراض نمبر ۱۱:

جمع صلوٰ تین

فرمان رحمت عالمؐ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلاةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ اِذَا كَانَ عَلٰى الظُّهْرِيْنِ وَيَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ.
(بخاری)

حضرت ابن عباس روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے تو راستے میں ظہر عصر کو اور مغرب عشاء کو جمع کر کے پڑھتے تھے؟

حضور رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ لوگوں کے طوق وزنجیر اتارنے اور بوجھ دور کرنے والے تھے۔ دُنیا والوں کے لئے آسانیاں لے کر آئے تھے۔ ان ہی آسانیوں میں مسئلہ جمع صلوٰ تین ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کی دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھا۔ ظہر کو عصر کے ساتھ اور مغرب کو عشاء کے ساتھ۔ حج میں بھی اور دوسرے سفروں میں بھی اس فعل پاک سے اُمت کے لیے آسانی ہوگئی کہ سفر کے دوران وہ بھی جمع صلوٰ تین کر سکتے ہیں لیکن حنفی مذہب یہ آسانی روکتا ہے۔

فقہ کا اختلاف:

وَلَا يَجْمَعُ فَرْضَانِ فِيْ وَقْتٍ بِلاَ حَجٍّ (شرح وقایہ، جلد اول، کتاب الصلوٰۃ)
''حج کے موقعہ کے سوا کسی اور وقت دو فرض نمازوں کو جمع کر کے نہیں پڑھنا چاہیے۔''

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دین میں آسانی رکھی تھی اس کو فقہ نے اٹھا دیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں دو نمازیں جمع کریں اور اپنے اس فعل سے امت کے لیے سہولت پیدا کریں اور امتی اس سہولت کو اٹھا دیں۔ افسوس!

(سبیل الرسول ص ۲۴۷، شمع محمدی ص ۱۴۱، ظفر المبین ص ۱۲۱، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۵۵، اختلاف امت کا المیہ ص ۶۱)

جواب:

دوفرضوں کوجمع کرنے کے تین طریقے ہو سکتے ہیں۔

(۱) جمع تقدیم: ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر کو اور مغرب کے وقت میں مغرب اور عشاء کو اکٹھا پڑھ لیا جائے۔

(۲) جمع تاخیر: عصر کے وقت میں ظہر اور عصر کو اور عشاء کے وقت میں مغرب اور عشاء کو اکٹھا پڑھ لیا جائے ان دونوں صورتوں میں ایک ایک نماز ضرور بے وقت پڑھنی پڑتی ہے۔

(۳) جمع صوری، ظہر کی نماز ظہر کے آخر وقت میں اور عصر کی نماز اس کے اول وقت میں پڑھ لی جائے۔ اسی طرح مغرب کی نماز آخر وقت میں غروب شفق سے پہلے اور عشاء کی نماز کو اول وقت میں غروب شفق کے فوراً بعد پڑھ لیا جائے اس صورت میں ہر ہر نماز اپنے وقت میں پڑھی جاتی ہے کوئی نماز بے وقت نہیں پڑھی جاتی۔ اس لئے اس کو جمع حقیقی نہیں جمع صوری کہتے ہیں۔ یہ سفر میں بالاتفاق جائز ہے اور حکیم صاحب نے جو بخاری کے حوالہ سے حدیث نقل کی ہے اس سے یہی جمع مراد ہے۔ فقہ کا مسئلہ تو خود بخاری مسلم کی حدیث سے صراحۃً ثابت ہے۔

عن عبد الله بن مسعود قال ما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى صلوة الا لميقاتها الا صلواتين صلوة المغرب والشاء بجمع وصلى الفجر يومئذ قبل ميقاتها. (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں میں نے کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بے وقت نماز پڑھتے نہیں دیکھا مگر دو نمازیں مغرب اور عشاء حج کے موقعہ پر اور اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز وقت (معتاد) سے پہلے ادا فرمائی۔

بالکل یہی مسئلہ فقہ کا ہے حکیم صاحب نے اس متفق علیہ حدیث کو ماننے سے انکار کر دیا ہے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا

مَوْقُوتًا بے شک نماز مومنوں پر فرض ہے وقت پر جب نماز وقت پر فرض ہوتی ہے اور وقت سے پہلے فرض ہی نہیں ہوتی تو ادا کیسے ہوگی جیسے حج کا وقت مقرر ہے اب کوئی شخص دو ماہ پہلے شوال میں حج کر آئے تو اس کا حج ہرگز ادا نہ ہوگا۔ اسی طرح رمضان شریف کے روزوں کا وقت مقرر ہے اب کوئی شخص رمضان شریف کے آنے سے تین ماہ پہلے ہی روزے رکھ لے تو فرض ادا نہیں ہوگا۔ جمعہ کی نماز کا دن اور وقت مقرر ہے کوئی شخص بدھ کے دن ہی جمعہ کی نماز ادا کر لے تو نماز ادا نہیں ہوگی۔ جیسے موت سے پہلے جنازہ پڑھنا یا نکاح سے قبل اولاد کا ہونا غلط ہے ایسے ہی وقت آنے سے پہلے نماز پڑھنا غلط ہے۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں لیس فی جمع التقدیم حدیث قائم وقت سے پہلے نماز جمع کرنے کی کوئی حدیث صحیح نہیں۔ مگر مولوی ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد نے عبدالحفیظ نامی ایک ملازم کو اجازت دے دی کہ وہ عصر کی نماز (وقت ہونے سے پہلے) ظہر کے وقت میں پڑھ لیا کرے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۶۱۵)

اور سارے غیر مقلد خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ثناء اللہ امرتسری کی تقلید کر رہے ہیں نہ خدا کی سنتے ہیں نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

(۴) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطٰى (البقرہ: ۲۳۸) پابندی کرو نمازوں کی یعنی ان کے وقتوں میں پڑھو لیکن مولوی ثناء اللہ امرتسری نے عصر کے وقت فٹ بال کھیلنے والوں کو فتویٰ دے دیا ہے کہ وہ عصر کے وقت فٹ بال کھیل لیا کریں ہاں عصر کی نماز وقت ہونے سے پہلے ظہر کے وقت پڑھ لیا کریں۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۶۳۱ ملخصاً) کس طرح فٹ بال لہو ولعب کو فرض نماز سے بڑھایا جا رہا ہے اور پھر بھی دعویٰ اہل حدیث ہونے کا ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا (مریم: ۵۹) یعنی پھر ہوئے ایسے ناخلف جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا (یعنی وقت سے بے وقت پڑھ کر) اور اپنی شہوتوں کے پیچھے پڑ گئے

عنقریب وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔

(٦) اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (الماعون: ٤، ٥) تباہی اور بربادی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز سے غافل ہیں پس جو شخص ظہر کا سارا وقت نماز سے غافل رہا اور اسے عصر کے وقت میں پڑھا یا مغرب کا سارا وقت غافل رہا نماز ادا نہ کی اور عشاء کے وقت میں اسے پڑھا وہ بھی اس آیت کا مصداق ہے۔

(٧) لیکن یہ حکیم صاحب وقت پر نماز پڑھنے کو بوجھ اور طوق قرار دے کر قرآن پاک سے غلط استدلال کر رہے ہیں۔

(٨) عن ابی قتادہ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اما انه لیس فی النوم تفریط التفریط علی من لم یصل حتی یجیئ وقت الصلوة الأخری (مسلم)
حضرت ابو قتادہؓ فرماتے ہیں رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیند میں تفریط نہیں ہے تفریط تو یہ ہے کہ آدمی نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔

(٩) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ تفریط یہ ہے کہ تو نماز میں اتنی تاخیر کرے کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔ (طحاوی)

(١٠) حضرت ابن عباسؓ سے بھی اس کے ہم معنی روایت طحاوی نے صحیح سند سے روایت کی ہے۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ جو لوگ ظہر قضا کر کے عصر کے ساتھ ملا کر پڑھتے ہیں یا مغرب قضا کر کے عشاء کے ساتھ پڑھے وہ گنہگار ہے۔ خلاصہ یہ کہ جمع کی پہلی صورتوں میں یا تو دو نمازوں کو قضا کرنا پڑتا ہے جو گناہ کبیرہ ہے یا دو نمازوں کو وقت سے پہلے پڑھنا پڑتا ہے تو فرض ہی ادا نہیں ہوتا یہ بھی گناہ کبیرہ ہے اسی لئے امام محمد فرماتے ہیں کہ ہم سے ثقہ راویوں نے علاء بن الحارث سے انہوں نے ...... سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے

ساری دنیا کو یہ لکھ بھیجا اور ان کو ایک وقت میں دو نمازوں کے جمع کرنے سے منع فرمایا اور لکھا کہ ایک وقت میں دو نمازوں کا جمع کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ (موطا امام محمدؒ)

حضرت فاروق اعظمؓ کے اس حکم پر کسی نے انکار نہیں کیا گویا یہ مسئلہ امت میں اجماعی حیثیت رکھتا تھا لیکن نواب وحید الزمان غیر مقلد لکھتا ہے کہ دو نمازوں کو ایک وقت میں بلا عذر بھی جمع کر کے پڑھنا ہم اہل حدیثوں کی علامت ہے۔

اعتراض نمبر۱۲:

عورت مرد کی نماز میں امتیاز

حدیث کا ارشاد:

نماز کے متعلق حضرت انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عام حکم ہے۔

صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ (بخاری شریف)

''نماز پڑھو (اے عورتو، مردو) جس طرح میں پڑھتا ہوں۔''

اس میں کوئی تفریق نہیں کہ مرد اس طرح پڑھے اور عورت اس طرح بلکہ یہی حکم ہے کہ سب طریق رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھیں:

حضرت ابو حمید ساعدیؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ. (مشکوٰۃ باب صفت الصلوٰۃ)

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے مونڈھوں کے برابر۔''

فقہ کا اختلاف:

حضور انورؐ کا مذکورہ فعل سب کے لیے یعنی مردوں اور عورتوں کے لیے مساوی ہے۔ اب فقہ کی تقسیم دیکھئے:

يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِیَ بِاِبْهَامَيْهِ شَحْمَةَ اُذُنَيْهِ. (ہدایہ باب صفت الصلوۃ)

''مرد ہاتھ اٹھائیں اس طرح کہ انگوٹھے کان کی لو کے برابر ہو جائیں۔''

یعنی مرد کان کی لو کے برابر تک ہاتھ اٹھائیں۔ مونڈھوں تک نہ اٹھائیں۔ اب کیا مجال جو حنفی نماز میں مونڈھوں تک ہاتھ اٹھائیں۔ ساری عمر کانوں کی لو تک اٹھاتے گزر گئی۔ زندگی بھر ایک مرتبہ بھی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق مونڈھوں تک نہیں اٹھائیں گے اب عورت کے متعلق سنئے:

وَالْمَرْأَةُ تَرْفَعُ يَدَيْهَا حِذَاءَ مَنْكِبَيْهَا. (ہدایہ)

''اور عورت مونڈھوں تک ہاتھ اٹھائے۔''

مرد کے لیے مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانے منع، اور عورت کے لیے مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانے جائز ہیں۔ یہ تفریق مرد اور عورت کے درمیان کیوں؟ مرد مونڈھوں تک ہاتھ اٹھائے تو اس کو گھوریں، اور یہی فعل عورت، کے لیے عین درست بتایا جاتا ہے۔ شریعت میں امتیوں کو اس تقسیم کا کیا حق ہے؟ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد اور عورت کی نماز میں فرق نہیں بتایا تو امتی کیوں بتائے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہاتھ باندھنے کے متعلق ملاحظہ ہو:

عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰی عَلٰی يَدِهِ الْيُسْرٰی عَلٰی صَدْرِهٖ.

(بلوغ المرام بحوالہ ابن خزیمہ)

وائل بن حجرؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا اور ہاتھ سینے پر باندھے۔

اس فعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ساری امت کے مردوں اور عورتوں کے لیے نماز میں

ہاتھ سینے پر باندھنے کا حکم ملا۔ اب فقہ کا دخل ملاحظہ ہو:

یَعْتَمِدُ بِیَدِہِ الْیُمْنٰی عَلَی الْیُسْرٰی تَحْتَ السُّرَّۃِ (کتب فقہ)

''مردوں کو نماز میں ہاتھ ناف کے نیچے باندھنے چاہئیں۔''

قارئین کرام! اوپر کی غیر مجروح حدیث کے خلاف حکم دیا کہ مرد ہاتھ زیر ناف باندھیں، لیکن عورتوں کو حکم دیا: کہ وہ ہاتھوں کو سینے پر باندھیں، زیر ناف نہ باندھیں۔ یہ اختیار امتیوں کو کس نے دیا؟ کہ نماز کا طریقہ مردوں کے لئے جدا بنا دیا اور عورتوں کے لیے علیحدہ وضع کر لیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث، سنت اور فرمان کے مطابق کیوں نہ مرد اور عورتیں سب کے سب مونڈھوں تک ہاتھ اٹھائیں اور ہاتھوں کو سینے پر باندھیں۔

فرد فال محمود سے در گذر
خودی کو نگاہ رکھ ایازی نہ کر

(سبیل الرسول ص ۲۴۸، شمع محمدی ص ۱۴۲، ظفر المبین ص ۱۰۴، اختلاف امت کا المیہ ص ۶۱)

جواب:

جواب سے قبل ایک بات تمہیداً سمجھ لیں تا کہ فہم مراد میں آسانی ہو۔

کتاب وسنت میں تمام جزئی مسائل تصریحاً نہیں ہوتے بعض تنصیصًا ہوتے ہیں اور بعض تعلیلاً۔

مثال:

قرآن پاک میں ہے کہ حیض والی عورت کے بارہ میں سوال ہوا اس کا جواب تو اتنا ہی تھا کہ فاعتزلوا النساء عورتوں سے دور رہو لیکن اللہ تعالیٰ نے جواب سے پہلے ایک علت بیان فرمادی، قل ھو اذی کہہ دیجئے وہ ناپاکی ہے۔ اس میں ایک قاعدہ بتا دیا کہ حائضہ سے صحبت منع ہونے کی وجہ ناپاکی ہے۔ اب اسی علت سے نفاس کا حکم بھی معلوم ہو گیا کیونکہ ناپاکی کی علت وہاں بھی پائی گئی اور اسی علت کی بنا پر نفاس کے تمام مسائل کو حیض کے مسائل

پر قیاس کر لیا گیا مثلاً نفاس والی مسجد میں داخل نہ ہوں، قرآن کو ہاتھ نہ لگائے، قرآن پاک کی تلاوت نہ کرے، نمانہ نہ پڑھے، روزہ نہ رکھے، مرد سے ہمبستر نہ ہو وغیرہ وغیرہ اگر آپ قیاس کو نہ مانیں تو نفاس والی عورت کے لئے قرآن پڑھنے، نماز، روزہ، صحبت وغیرہ کے بارہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک صریح حکم سنا دیں۔

بالکل اسی طرح عورت کی نماز کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قاعدے ارشاد فرما دیے۔ حدیث میں آتا ہے۔

حدیث:

عن یزید بن ابی حبیب انه صلی الله علیه وسلم مر علٰی امراتین تصلیان فقال اذا سجدتها فضما بعض اللحم الی الارض فان المرأة فی ذالك لیست کالرجل (رواه ابو داؤد فی مراسیله)

رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم سجدہ کرو تو اپنا گوشت (جسم) زمین کے ساتھ چمٹا دو کیونکہ عورت اس (نماز) میں مرد کی مثل نہیں۔

پہلا قاعدہ:

دیکھئے اس حدیث میں حضرت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا قاعدہ بتا دیا کہ عورت کی نماز مرد کی طرح نہیں لیکن آپ (حکیم صاحب) نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کو نہیں مانا۔

حدیث:

عن ابن عمر مرفوعا اذا جلست المرأة فی الصلوة و صفت فخدها علی فخذها الاخری فاذا سجدت الصقت بطنها علی فخذها کاستر ما یکون فان الله تعالی ینظر الیها ویقول یا ملائکتی انی قد غفرت لها (رواه ابن عدی

والبیهقی کنز العمال ج٤ ص ١١٧)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عورت نماز میں بیٹھے تو اپنی ایک ران کو دوسری ران پر رکھے پھر جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو اپنے رانوں پر رکھے اور جتنا زیادہ ستر (پردہ پوشی) ہو سکے کرے اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرماتے ہیں گواہ رہو میں نے اس عورت کو بخش دیا۔

دوسرا قاعدہ:

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا قاعدہ ارشاد فرمادیا کہ عورت کی نماز کے مسائل میں سب سے زیادہ اہمیت ستر کی ہے۔ اس لئے جس حالت میں ستر زیادہ ہوگی وہی نماز عورت کی خدا کو زیادہ محبوب ہوگی اور ذریعہ مغفرت بنے گی۔ اس حدیث کی روشنی میں علمائے اہل سنت کہتے ہیں اصل میں عورت کی ستر کا مسئلہ ہے نماز میں جتنا بھی عورت کا ستر ہوگا بہتر ہے۔ اس حدیث کو پیش نظر رکھ کر مرد عورت کا فرق واضح کیا گیا ہے۔

فرق کی بعض باتیں:

چنانچہ مرد کے لئے فرض نماز مسجد میں پڑھنا ضروری ہے۔ عورت کے لئے گھر میں نماز پڑھنا زیادہ ثواب ہے (بوجہ ستر)

نماز باجماعت میں مرد کے لئے اول صف افضل ہے عورت کے لئے آخری صف افضل ہے (بوجہ ستر)

نماز باجماعت میں امام کا وسط صف میں کھڑا ہونا بالاتفاق مکروہ ہے لیکن عورت وسط وصف میں ہی کھڑی ہو (بوجہ ستر)

آپ کے مرد ننگے سر نماز پڑھتے ہیں اور عورتیں ننگے سر نماز نہیں پڑھتیں۔

مرد ٹخنے اور آدھی پنڈلیاں ننگی کر کے نماز پڑھتے ہیں جب کہ عورتیں پنڈلیاں اور ٹخنے ڈھانپ کر نماز پڑھتی ہیں۔ بہرحال یہ شریعت مقدسہ کا کلیہ قاعدہ ہے کہ عورت نماز اس طرح

ادا کرے جس میں ستر کا زیادہ سے زیادہ اہتمام ہو۔ اب آیئے اصل مسئلے کی طرف۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ میں دو طرح ہاتھ اٹھاتے رہے کبھی کانوں تک کبھی کندھوں تک پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری عمر میں حضرت وائلؓ کو جب نماز سکھائی تو حکم دیا کہ تم اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ اور عورت چھاتیوں تک (اس حالت میں ہاتھوں کی انگلیاں کندھوں تک پہنچ جاتی ہیں) (رواہ الطبرانی اب دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بوجہ ستر عورت مرد کی نماز میں فرق کر دیا۔

ابو حنيفه عن نافع عن ابن عمر انه سئل كيف كان النساء يصلين على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كن يتربعن ثم أمرن ان يحتفزن.

(جامع المسانيد ج۱ ص ۴۰۰)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ عورتیں عہد رسالت میں نماز کیسے پڑھتی تھیں فرمایا وہ چارزانو بیٹھتی تھیں۔ پھر انہیں حکم دیا گیا کہ خوب سمٹ کر بیٹھیں۔

اب دیکھئے ایک حدیث میں دو طرح بیٹھنا آتا ہے ایک پاؤں کھڑا کر کے دوسرا بچھا کر بیٹھنا اور سمٹ کر سرین پر بیٹھنا جسے تورک کہتے ہیں۔ عہد رسالت میں بوجہ تستر عورت کو نماز میں تورک کی طرح بیٹھنے کا حکم دے دیا گیا جب کہ مرد پہلے طریقے پر ہی بیٹھتے رہے۔

عن علی قال إذا سجدت المرأة فلتحتفز والتضم فخذيها.

(رواہ ابن ابی شیبہ)

حضرت علی فرماتے ہیں کہ عورت جب سجدہ کرے تو اس کو سمٹ کر سجدہ کرنا چاہیے اور سارے جسم کو ملا کر سجدہ کرنا چاہیے۔

دیکھئے اس طرح سجدہ کرنا مرد کے لئے بالاتفاق مکروہ ہے مگر عورت کے ستر کا اہتمام اس میں زائد تھا اس لئے یہ حکم دیا گیا۔

اسی طرح ائمہ اربعہ کا اجماع اس پر ہے کہ عورت سینے پر ہاتھ باندھے (فقہ علیٰ مذاہب

اربعہ، درمختار: ج ا ص ۳۲۰، عالمگیری ج ا ص ۷۳) اور اس اجماع کی بنیاد وہی قاعدہ ہے جو پہلے حدیث میں بیان کیا گیا جس کا مفہوم و مطلب فقہاء نے یہ بیان کیا ہے **لانـــــہ استر لها** (شرح نقایہ ج ا ص ۷۳) کہ اس میں ستر کا زیادہ اہتمام ہے۔

اور دوسری حدیث حضرت علیؓ سے یہ تھی **عن علی قال ان من السنة فی الصلوٰة وضع الالکف علی الالکف تحت السرة** (احمد، ج ا ص ۱۱۰) نماز کا سنت طریقہ یہ ہے کہ ہتھیلی ہتھیلی پر رکھ کر ناف کے نیچے ہاتھ باندھے جائیں۔ اس سنت پر بھی عمل جاری رہا۔ دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق صریح حدیث سے نہیں ملتی، آپ کسی صحیح حدیث سے جو صریح بھی ہو ان دونوں قسم کی احادیث پر عمل کرنے کا طریقہ بتادیں تو ہم صریح کو ترجیح دیں گے اگر آپ صریح حدیث کی تطبیق کی پیش نہ کرسکیں تو مجتہد نے حدیث کی بیان کردہ علت کو سامنے رکھ کر دونوں قسم کی احادیث پر عمل کرنے کا جو طریقہ بتایا ہے اسے کیوں چھوڑا جائے۔

نوٹ: اگر آپ ان دونوں قسم کی احادیث سے ایک کو صحیح دوسری کو ضعیف قرار دیں تو ان کا صحیح یا ضعیف ہونا حدیث صحیح صریح سے ثابت کریں کیونکہ آپ کے نزدیک امتی کا قول شرعی دلیل نہیں ہم امتیوں کے اجماع اور مجتہد کے ارشاد کو دلیل سمجھتے ہیں اس لئے مجتہد کی تطبیق کے مقابلہ میں کسی غیر مجتہد کی بات نہیں مانتے اور خیر القرون کے مجتہد کے مقابلہ میں مابعد خیر القرون کے کسی آدمی کی بات تسلیم نہیں کرتے کیونکہ خیر القرون کی خیریت منصوص بالاحادیث ہے۔

نوٹ: مرد عورت کی نماز میں فرق کے متعلق دار العلوم کراچی کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

استفتاء

خواتین کے طریقہ نماز کا ثبوت:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

لڑکی حنفی مذہب سے تعلق رکھتی ہے جس کی شادی غیر مقلد لڑکے سے ہوئی ہے۔ لڑکی کا

شوہر اپنی حنفی بیوی سے کہتا ہے کہ تم مردوں کی طرح نماز پڑھا کرو کیونکہ عورتوں کی نماز کا طریقہ مردوں کی نماز کے طریقہ کے مطابق ہے اور عورتوں کی نماز کا مردوں سے جدا ہونا ثابت نہیں تو اب پوچھنا یہ ہے کہ لڑکی کو غیر مقلد لوگوں کے طریقہ سے نماز پڑھنی چاہیے یا نہیں اگر اس کا شوہر ایسا حکم دے تو حنفی بیوی پر غیر مقلد شوہر کا حکم ماننا ضروری ہے یا نہیں؟ اور نیز حنفی مذہب میں عورت کی نماز کا طریقہ مردوں کی نماز کے طریقہ سے جدا ہونا احادیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ مفصل اور مدلل جواب دے کر مطمئن فرمائیں۔

المستفتی: شبیر احمد سانگھڑوی

الجواب حامداً و مصلیاً:

مذکورہ صورت میں اہل حدیث شوہر کا اپنی حنفی بیوی کو مردوں کے طریقہ سے نماز پڑھنے پر مجبور کرنا جائز نہیں کیونکہ عورتوں کی نماز کا طریقہ بالکل مردوں کی نماز کی طرح ہونا صراحۃً ثابت نہیں بلکہ خواتین کا طریقہ نماز مردوں کے طریقہ سے جدا ہونا بہت سی احادیث اور آثار صحابہ و تابعین سے ثابت ہے اور چاروں ائمہ فقہ، امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی و امام احمد رحمہم اللہ اس پر متفق ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہیں۔

(۱) عن ابن عمر رضی الله عنهما انه سئل کیف کان النساء یصلین علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم قال کن یتربعن ثم امرن ان یحتفزن.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ خواتین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کس طرح نماز پڑھا کرتی تھیں تو انہوں نے فرمایا کہ پہلے چار زانو ہو کر بیٹھتی تھیں پھر انہیں حکم دیا کہ خوب سمٹ کر نماز ادا کریں۔ (جامع المسانید ج ۱ ص ۴۰۰)

(۲) وعن وائل بن حجر رضی الله عنه قال قال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم یا وائل بن حجر! اذا صلیت فاجعل یدیك حذاء اذنیك والمرأة تجعل یدیها حذاء ثدییها.

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازہ کا طریقہ سکھلایا تو فرمایا کہ اے وائل بن حجر! جب نماز شروع کرو تو اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ اور عورت اپنے ہاتھ چھاتیوں تک اٹھائے۔ (مجمع الزوائد ج۲ ص۱۰۳)

(۳) عن يزيد ابن ابى حبيب ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على امرأتين تصليان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم إلى الارض فان المرأة ليست فى ذالك كالرجل.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوعورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ جب تم سجدہ کرو تو تم اپنے جسم کے بعض حصوں کو زمین سے چمٹا دو اس لئے کہ اس میں عورت مرد کے مانند نہیں ہے۔

(السنن الكبرىٰ البيهقى ج۲ ص۲۶۳، اعلاء السنن بحواله مراسيل ابى داؤد ج۳ ص۱۹)

(٤) عن عبد الله ابن عمر رضى الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا جلست المرأة فى الصلاة وضعت فخذها على فخذها الأخرى وإذا سجدت الصقت بطنها فى فخذيها كَاَسِرَّ ما يكون لها وان الله تعالى ينظر اليها ويقول يا ملائكتى اشهدكم انى قد غفرت لها.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نماز کے دوران جب عورت بیٹھے تو اپنی ایک ران کو دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ میں جائے تو اپنے پیٹ کو اپنی دونوں رانوں سے ملا لے اس طرح کہ اس سے زیادہ سے زیادہ ستر ہو سکے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی طرف دیکھتے ہیں اور فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! تم گواہ رہو میں نے اس عورت کی بخشش کر دی۔

(بيهقى ج۲ ص۲۲۳، كنز العمال ج۷ ص۵۴۹)

(۵) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم التسبیح للرجال والتصفیق للنساء.

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ (اگر نماز کے دوران کوئی ایسا امر پیش آجائے جو نماز میں حارج ہو تو مردوں کے لئے یہ ہے کہ وہ تسبیح کہیں اور عورتیں صرف تالی بجائیں۔ (ترمذی ص ۸۵، مسلم شریف ج ۱ ص ۱۸۰)

(٦) قال ابوبکر بن ابی شیبه سمعت عطاء سئل عن المرأة کیف ترفع یدیها فی الصلاة قال حذو ثدییها (و قال ایضا بعد اسطر) لا ترفع بذالك یدیها کالرجل واشار فخفض یدیه جدًا وجمعها الیه جدًا وقال ان للمرأة هیئة لیست للرجل.

ترجمہ: امام بخاری کے استاد ابو بکر بن ابی شیبہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سے سنا کہ ان سے عورت کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ نماز میں ہاتھ کیسے اٹھائے تو انہوں نے فرمایا کہ اپنی چھاتیوں تک، اور فرمایا نماز میں اپنے ہاتھوں کو اس طرح نہ اٹھائے جس طرح مرد اٹھاتے ہیں اور انہوں نے اس بات کو جب اشارہ سے بتایا تو اپنے ہاتھوں کو کافی پست کیا اور ان دونوں کو اچھی طرح ملایا اور فرمایا کہ نماز میں عورت کا طریقہ مردوں کی طرح نہیں ہے۔ (المصنف لابی بکر ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۹)

(۷) حدثنا ابو الاحوص عن ابی اسحاق وعن علی رضی الله عنه قال اذا سجدت المرأة فلحتفز ولتضم فخذیها.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا کہ جب عورت سجدہ کرے تو سرین کے بل بیٹھے اور اپنی رانوں کو ملالے۔ (بیہقی ج ۲ ص ۲۲۳)

(۸) عن ابن عباس رضی الله عنهما انه سئل عن صلاة المرأة فقال تجتمع وتحتفز.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عورت کی نماز کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ (سب اعضاء کو) ملالے اور سرین کے بل بیٹھے۔

(المصنف لابن ابی بکر ابن ابی شیبہ ج ا ص ٢٧٠)

مذکورہ بالا احادیث اور آثار صحابہ وتابعین سے عورتوں کی نماز کا طریقہ مردوں کی نماز سے واضح طور پر مختلف ہونا ثابت ہوا اب اس بارے میں ائمہ فقہ کا مسلک ملاحظہ فرمائیں۔

وفی مذهب الحنفية:

وأما النساء اتفقوا على ان السنة لهن وضع اليدين على الصدر لانه استرلها كما فى البناية وفى المنية المرأة تضعها تحت ثدييها. (ج١، ص١٥٦ السعاية، شرح وقايه)

و المرأة تنخفض فى سجودها وتلزق بطنها بفخذيها لان ذالك استرلها (وفى موضع آخر) وان كانت امرأة جلست على اليتها اليسرى واخرجت رجليها من الجانب الايمن لانه استرلها الخ (ص١١١، ج١، هداية)

وفى مذهب المالكية:

ندب مجافاة اى مباعدة رجل فيه اى سجود (بطنه فخذيه) فلا يجعل بطنه عليها ومجافاه (مرفقيه ركبتيه) اى عن ركبتيه ومجافاة صبعيه اى ما فوق المرفق إلى الابط جنبيه اى عنها مجافاة وسطًا فى الجميع وأما المرأة فتكون منضمة فى جميع أحوالها.

(الشرح الصغير للدردير المالكى ج ١ ص٣٢٩)

وفى مذهب الشافعية:

قال النووى بين ان يجافى مرفقيه عن جنبيه ويرفع بطنه عن فخذيه ونضم المرأة بعضها الى بعض (وقال بعد اسطر) روى البراء بن عازب

رضی الله عنهما ان النبی صلی الله علیه وسلم کان اذا سجد جنح (وروی حجی) والجنح الخاوی) وان کانت امرأة ضمت بعضها الی بعض لان ذالك استرلها (شرح المهذب ص٤٠٤، ج ٣)

وفی مذهب الحنابلة:

وفی المغنی، وان صلت امرأة بالنساء قامت معهن فی الوصف وسطا قال ابن قدامة فی شرحه اذا ثبت هذا فانها اذا صلت بهن قامت فی وسطهن لا نعلم فیه خلافا بین من رأی لها ان تومهن ولان المرأة یستحب لها التستر لذالك لا یستحب لها التجافی الخ (٢٠٢ ج٢)

مذکورہ بالا احادیث طیبہ، آثار صحابہ وتابعین اور چاروں مذاہب فقہ حقہ کے حضرات فقہاء کرام کی عبارات سے جو عورتوں کی نماز کا مسنون طریقہ ثابت ہوا وہ مردوں کے طریقہ نماز سے جدا ہے، عورتوں کے طریقہ نماز میں زیادہ سے زیادہ پردہ اور جسم سمیٹ کر ایک دوسرے سے ملانے کا حکم ہے اور یہ طریقہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے آج تک اس امت میں متفق علیہ اور عملاً متواتر ہے، آج تک کسی صحابی یا تابعی اور تبع تابعین یا دیگر فقہاء امت کا کوئی ایسا فتوی نظر نہیں آیا جس میں عورتوں کی نماز کو مردوں کی نماز کے مطابق قرار دیا ہو نیز خود اکابر اہل حدیث حضرات اس مسئلہ میں مذکورہ بالا عبارات کے مطابق فتوی دیتے رہے ہیں، چنانچہ مولانا عبدالجبار بن عبداللہ غزنوی (جو بانی جامعہ ابی بکر گلشن اقبال کراچی کے دادا ہیں) اپنے فتاویٰ میں وہ حدیث جو ہم نے کنز العمال اور بیہقی کے حوالہ سے نقل کی ہے اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

"اور اسی پر تعامل اہل سنت و مذاہب اربعہ وغیرہ چلا آیا ہے۔"

نیز اس کے بعد مختلف کتب مذاہب اربعہ سے حوالہ نقل کرنے کے بعد آخر میں نتیجتاً فرماتے ہیں کہ:

''غرض یہ کہ عورتوں کا انضمام (اکٹھی ہو کر) اور انخفاض (سمٹ کر اور چمٹ کر) احادیث وتعامل جمہور اہل علم اور مذاہب اربعہ وغیرہم سے ثابت ہے اور اس کا منکر کتب حدیث اور تعامل اہل علم سے بے خبر ہے واللہ اعلم حررہ عبدالجبار عفی عنہ۔

(فتاویٰ غزنویہ ص ۲۷، ۲۸، فتاویٰ علمائے حدیث ج ۳ ص ۱۴۹)

جہاں تک اہل حدیث حضرات کے دعویٰ کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں نہ تو ان کے پاس کوئی آیت قرآن ہے اور نہ کوئی حدیث اور نہ ہی کسی خلیفہ راشد کا فتویٰ البتہ اگرام درداء کا اثر استدلال میں پیش کریں جو مندرجہ ذیل ہے:

''عن مکحول ان ام الدرداء کانت تجلس فی الصلاة کجلسة الرجل.''

ترجمہ: حضرت ام درداء نماز میں مردوں کی طرح بیٹھتی تھیں۔

(المصنف لابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۷۰)

تو ان کے اثر کے بارے میں عرض یہ ہے کہ اس اثر سے استدلال کرنا کئی وجہ سے درست نہیں۔

(۱) پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اگر چہ حافظ مزی نے ان کو صحابیہ کہا ہے لیکن دوسرے محدثین و ناقدین نے ان کو تابعیہ شمار کیا ہے لہٰذا یہ صحابیہ نہیں تابعیہ ہیں اور ایک تابعی کا عمل اگرچہ اصول کے مخالف نہ بھی ہو تب بھی اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

وفی الفتح: وعمل التابعی بمفردہ ولو لم یخالف لا یحتج بہ.

(ص ۲۵۲، ج ۲)

(۲) بالفرض اگر ان کو صحابیہ بھی مان لیا جائے تو یہ ان صحابیہ کی اپنی رائے ہے۔

اور نہ ہی ان صحابیہ نے کسی اور کو اس کی دعوت دی ہے اور نہ ہی انہوں نے اس فعل پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول وفعل اور نہ ہی کسی خلیفہ راشد کا فتوی نقل کیا ہے لہٰذا عورتوں کے نماز کے سلسلہ میں امت کے عملی تواتر کے خلاف اس رائے کی پوزیشن ایسی ہی

ہے جیسا کہ قرآن حکیم کی متواتر قرأت کے خلاف شاذ قرأت کی ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی مسلمان شاذ قرأت کے لئے متواتر قرآن حکیم کی تلاوت نہیں چھوڑتا اور نہ ہی کسی دوسرے مسلمان کو اس کی دعوت دیتا ہے۔

(۳) نیز اگر اس اثر کے الفاظ پر غور سے نظر ڈالی جائے تو اس سے جمہور کے قول کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ اس میں ام درداء کے ہیئت جلوس کو مرد کے ہیئت جلوس سے تشبیہ دی گئی ہے جس سے یہ بات بھی بخوبی واضح ہوتی ہے کہ ام درداء تو مردوں کی طرح بیٹھتی تھیں لیکن دوسری صحابیات اور خواتین کا طریقہ نماز مردوں سے مختلف تھا جس کا احادیث بالا میں ذکر ہوا۔

(۴) اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ اگر یہ اثر قابل استدلال نہیں تو پھر امام بخاری نے اس کو اپنی صحیح بخاری میں کیوں ذکر کیا ہے تو یہ شبہ بھی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ امام بخاری نے اس اثر کو اس لئے ذکر نہیں کیا کہ اس سے عورتوں کی نماز کے طریقہ پر استدلال کیا جائے بلکہ صرف اس بات کی تقویت کے لئے ذکر کیا ہے کہ مردوں کے جلوس کی کیفیت نماز میں کیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں رقمطراز ہیں:

"وعرف من رواية مكحول ان المراد بأم الدرداء الصغرى لتابعية لا الكبرى الصحابية لانه ادرك الصغرى ولم يدرك الكبرى ــ ولم يورد البخارى اثر ام الدرداء واليحتج به بل التقوية الخ (ج۲ ص ۲۵۲)

نیز اگر یہ حضرات صلوا کما رأیتمونی اصلی، سے استدلال کریں کہ عورتوں کی نماز مردوں کے مطابق ہے تو یہ استدلال بھی صحیح نہیں اول تو اس جملہ کا سیاق وسباق ایک خاص واقعہ ہے جس کا خلاصہ یہ کہ ایک خاص وفد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیس دن قیام کے لئے آیا تھا واپسی پر آپ نے ان کو کچھ نصیحتیں فرمائیں ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی تھی کہ

"صلوا کما رأیتمونی اصلی"

بہر حال اس جملہ کو سیاق وسباق سے ہٹ کر دیکھیں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس حدیث کی عمومیت میں مرد وعورت سمیت پوری امت شریک ہے اور پوری امت پر لازم ہے کہ جو طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا ہے وہی طریقہ پوری امت کا ہو لیکن یہ واضح ہو کہ اس عمومیت پر عمل اس وقت تک ہی ضروری ہے جب تک کوئی شرعی دلیل اس کے معارض نہ ہو اور اگر کوئی دلیل خصوص کسی بعض عمل یا افراد میں اس حکم کے معارض ہو تو اس دلیل خصوص کی وجہ سے وہ بعض افراد یا وہ عمل اس امر کی تعمیل سے مستثنیٰ ہوں گے چنانچہ ضعفاء اور مریض ان احادیث سے جن میں ان کو ستر پوشی اور اخفاء کا حکم دیا گیا ہے اس حکم سے مستثنیٰ ہوں گے۔ لہٰذا ان مستثنیات کی موجودگی میں اس جملہ سے عورت اور مرد کی نماز میں مجموعی کیفیت اور طریقہ پر مطابقت کا استدلال درست نہیں چنانچہ حافظ ابن حجر الشافعی نے اس بات کو فتح الباری میں ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ:

وهذا اذا اخذ مفردًا عن ذكر سببه وسياقه اشعر انه خطاب للامة بان يصلو كما كان فيكون الاستدلال به على كل فعل ثبت انه فعله فى الصلاة لكن هذا الخطاب انما وقع لمالك بن الحويرث واصحابه بأن يوقعوا الصلاة لكن هذا الخطاب انما وقع لمالك بن الحويرث واصحابه بان يوقعوا الصلاة على الوجه الذى رأوه صلى الله عليه وسلم يصليه نعم يشاركهم فى الحكم جميع الامة بشرط ان يثبت استمراره صلى الله عليه وسلم على فعل ذالك الشيء المستدل به دائما حتى يدخل تحت الامر ويكون واجبًا وبعض ذالك مقطوع باستمراره عليه واما ما لم يدل دليل على وجوده تلك الصلوات التى تعلق الأمر بايقاع الصلاة على صفتها فان الحكم يتناول الامر فتح ص ۲۳۷، ج۱۳۔

لہٰذا احادیث بالا اور فقہاء امت کی تصریحات کے مطابق سنت یہ ہے کہ عورت سمٹ کر

سجدہ کرے اور سمٹ کر بیٹھے، ستر کا زیادہ اہتمام کرے، ہاتھ سینے پر رکھے ان سب باتوں میں عورت کی نماز مرد سے مختلف ہے اور یہی حق ہے اور اسی پر عمل کرنا چاہیے، واللہ اعلم

الجواب الصحیح: احقر محمد تقی عثمانی عفی عنه الجواب الصحیح: احقر محمد عبدالله عفی عنه (دار الافتاء جامعه دار العلوم کراچی) الجواب الصحیح: احقر محمد بدر عالم صدیقی عفی عنه (دار الافتاء دار العلوم کراچی)

اعتراض نمبر۱۳:

ایک وتر کا مسئلہ

رسول پاکؐ کا فرمان:

وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُوْتِرَ بِثَلٰثٍ فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُوْتِرَ بِوَاحِدَةٍ فَلْيَفْعَلْ.

(ابوداوٗد، نسائی، ابن ماجہ)

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو وتر تین رکعت پڑھنا چاہے وہ تین رکعت پڑھے اور جو وتر ایک رکعت پڑھنا چاہے وہ ایک رکعت پڑھ لے۔''

اَلْوِتْرُ رَكْعَةٌ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ. (صحیح مسلم)

''حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وتر ایک رکعت ہے آخر رات کو۔''

فقہ کا اختلاف:

حضرت انورؐ کے فرمان سے وتر ایک رکعت بھی ثابت ہوا۔ پس ایک رکعت بھی پڑھ سکتے ہیں لیکن فقہ کے مطابق ایک رکعت نہیں پڑھ سکتے۔ حکم ہوتا ہے۔

اَلْوِتْرُ ثَلاثَ رَكْعَاتٍ. (ہدایہ باب الوتر)

''وتر تین رکعت ہیں۔''

تمام حنفی بھائی وتر تین رکعت ہی پڑھیں گئے، کیا مجال جو کبھی ایک رکعت پڑھ جائیں۔

ایک وتر کی حدیث پر عمل کر جائیں، تقلید جامد کرتے ہوئے ساری عمر تین ہی پڑھیں گے۔ سوال یہ ہے کہ ایک وتر کے فرمان رسول پر پابندی لگانے کا امتیوں کو کہاں سے حق حاصل ہو گیا۔ انہیں کہنا چاہئے تھا کہ جس کا دل چاہے وتر تین پڑھے چاہے ایک پڑھے۔

(سبیل الرسول ص ۲۵۱، شمع محمدی ص ۵۴، ظفر المبین ص ۱۲۸، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۵۸، اختلاف امت کا المیہ ص ۶۲)

جواب:

ہر مسلمان جانتا ہے کہ فرائض اور سنت مؤکدہ کی رکعتیں مقرر ہوتی ہیں ان میں کسی کو اپنی مرضی سے کمی بیشی کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا البتہ نوافل کا حساب ایسا ہے کہ جتنا گڑ ڈالو گے اتنا میٹھا ہوگا جتنے پڑھ لو اتنا ہی ثواب مل جائے گا۔ نماز وتر کے بارہ میں احادیث میں کئی اختلافات ہیں جن میں بعض احکام نفل والے ہیں مثلاً جتنی چاہے رکعتیں پڑھ لینا، سواری پر بیٹھ کر وتر پڑھ لینا وغیرہ بعض احکام وجوب کے ہیں کہ تین ہی رکعت پڑھنا سواری پر بیٹھ کر وتر کا جائز نہ ہونا، وتروں کی قضا کا ضروری ہونا۔ اب شریعت (کتاب وسنت) میں ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ ایک ہی نماز کو کبھی نفل کی نیت سے ادا کر لیا جائے اور کبھی واجب کی نیت سے پڑھ لیا جائے اور نہ صراحۃً کسی حدیث میں یہ ہے کہ پہلے یہ احکام تھے اب یہ ہیں جب یہ صراحت نہ ملی بنص حدیث معاذؓ یہاں اجتہاد کی گنجائش نکل آئی مجتہدین نے اجتہاد سے کسی ایک پہلو کو ترجیح دے لی۔ اس بارہ میں احناف یہ کہتے ہیں کہ پہلے وتر نفل تھے اور تہجد میں شامل اس لئے تہجد اور وتر کو ملا کر بیان کر دیا جاتا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ یا تیرہ تک وتر (مع تہجد) پڑھے۔

(۱) اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ امدکم بصلوٰۃ ھی خیر لکم من حمر النعم وھی الوتر جعلھا اللہ لکم فیما بین صلاۃ العشاء إلی صلوۃ الفجر (مستدرک حاکم ج ۱ ص ۳۰۶) حاکم وذہبی نے شرط شیخین پر صحیح کہا

ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک زائد نماز عطا کی ہے جو کہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے اور وہ نماز وتر ہے پس تمہارے لئے اُسے عشاء اور فجر کی نماز کے درمیان رکھا ہے۔ یہ حدیث حضرت خارجہ بن حذافہ (حاکم) حضرت ابو سعید خدری (طبرانی) حضرت عمرو بن العاص، حضرت عبد اللہ بن عباس (دارقطنی) حضرت عمرو بن شعیب (دارقطنی) حضرت عقبہ بن عامر (طبرانی) حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ (خلافیات، بیہقی) حضرت عبد اللہ بن عمر (دارقطنی فی غرائب مالک) سے مروی ہے اس لئے قاضی ابو زید فرماتے ہیں **وھو حدیث مشھور** (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج ۳ ص ۴۱۳)

اس مشہور حدیث سے وتر کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ زیادتی جنس میں ہوتی ہے مثلاً کہا جائے کہ اس سکول میں ایک استاد بڑھا دیا گیا تو وہ استاد ہی شمار ہو گا۔ اسی طرح فرائض میں ایک نماز کا بڑھانا اس کے فرض ہونے کی دلیل ہے لیکن اس کا ثبوت فرائض کی طرح متواتر نہیں اس لئے اس کو واجب کہا گیا۔

(۲) خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی یہی ہے **الوتر حق واجب علی کل مسلم** (رواہ ابن حبان وصححہ، فتح الباری ج ۲ ص ۴۰۰) وتر لازم اور واجب ہے مسلمان پر۔

(۳) حضرت بریدہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے وتر حق (امر ثابت ولازم) ہے لہٰذا جو وتر نہ پڑھے وہ ہمارا نہیں۔ وتر حق (لازم) ہے جو وتر نہ پڑھے وہ ہمارا نہیں وتر حق (لازم) ہے جو وتر نہ پڑھے وہ ہمارا نہیں (اس کو حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے ج ۱ ص ۳۰۶)

(۴) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **الوتر واجب علی کل مسلم** (رواہ البزار) یعنی وتر ہر مسلمان پر واجب ہے۔ اب ظاہر ہے کہ واجب ہو جانے کے بعد نوافل والے تمام احکام ختم ہو گئے نہ اس کی رکعتوں کی تعداد

اپنی مرضی پر رہی نہ ہی اس کا بیٹھ کر پڑھنا خواہ سواری پر ہی ہو جائز رہا۔

اب رہا یہ سوال کہ کتنی رکعتیں واجب ہوئیں تو ظاہر ہے کہ یہ زیادتی پانچ نمازوں پر ہوئی اور پانچ نمازوں میں چار نمازیں جفت ہیں یعنی دو یا چار رکعت ہیں اور صرف ایک ہی نماز طاق (وتر) ہے وہ مغرب کی نماز ہے۔

(۵) عن ابن عمر ان النبی صلی الله علیه وسلم قال صلوة المغرب وتر النهار فاوتروا صلوة اللیل (ابن ابی شیبہ، احمد)

علامہ عراقی فرماتے ہیں اس کی سند صحیح ہے۔ (زرقانی شرح موطا ج۱ص ۲۳۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ مغرب کی نماز دن کے وتر ہیں اسی طرح رات کی نماز کو وتر بنادو۔

(۶) حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں وتر مغرب کی نماز کی طرح ہیں۔ (موطا امام محمد)

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات کے وتر تین ہیں جیسے دن کے وتر یعنی نماز مغرب اس کو دارقطنی کے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(۸) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وتر کی تین رکعت ہیں جیسے نماز مغرب کی تین رکعت ہیں۔ (طبرانی فی الکبیر)

(۹) حضرت ابوخالدہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوالعالیہ سے وتر کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ وتر کی نماز مغرب کی نماز کی طرح پڑھی جاتی ہے ماسوا اس کے کہ ہم اس کی تیسری رکعت میں بھی قرأت کرتے ہیں پس یہ رات کا وتر ہے اور مغرب کی نماز دن کا وتر ہے (طحاوی ج۱ص ۱۴۳)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جب وتر واجب ہوئے تو اس کی تین ہی رکعت مقرر ہو

گئیں جیسے نماز مغرب کی تین ہی رکعتیں ہیں اور وہ دو التحیات اور ایک سلام سے پڑھی جاتی ہیں اسی پر صحابہ خود عمل کرتے رہے اور یہی طریقہ اپنے شاگردوں کو بتاتے رہے اور اس پر بلا تردد انکار خیر القرون میں عمل جاری رہا۔ اس سے ثابت ہو گیا جن احادیث میں وتر کی تعداد مختلف آئی ہے وہ اس دور کی ہیں جب وتر نفل تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر میں تین سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ یہ حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت نعمان بن بشیرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت علیؓ، حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت ابو امامہؓ چودہ صحابہ نے روایت کیا ہے ادھر عہد فاروقی سے بیس تراویح اور تین وتر پر صحابہ کا اجماع ہو گیا یہی اجماع حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ اور بعد میں بھی قائم رہا۔

لہٰذا تین رکعت کے علاوہ جتنی رکعات کا ذکر احادیث میں آتا ہے وہ اجماعاً متروک العمل ہیں۔

وتر پڑھنے کا طریقہ:

ابتدائے اسلام میں نماز میں سلام کلام کی بھی گنجائش تھی اور وتر نفل تھے اس لئے بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین وتروں میں دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیتے اور ایک وتر علیحدہ پڑھ لیتے۔ دیکھنے والے اس کو دو طرح روایت کر دیتے بعض صرف آخری رکعت کا خیال کر کے اسے ایک رکعت ہی روایت کر دیتے اور بعض یوں بیان کر دیتے کہ تین دو سلاموں سے ادا فرمائے لیکن جیسے باقی نمازوں میں سلام کلام جائز نہیں رہا ایسے ہی وتر کے درمیان بھی سلام کلام جائزہ نہیں رہا۔

(۱) عن عائشہؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یسلم فی رکعتی الوتر. (موطا امام محمد ص ۱۵۱، نسائی ج۱ ص ۲۴۸)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی دو رکعتوں میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(۲) اور اسی طریقے پر عمل آخر تک جاری رہا۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کے دفن سے جب فارغ ہوئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا میں نے ابھی وتر نہیں پڑھے پس وہ وتر کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور حاضرین نے بھی ان کے پیچھے صف باندھ لی تو حضرت مسعود بن مخرمہ فرماتے ہیں **فصلی بنا ثلاث رکعات لویسلم إلا فی آخرھن** یعنی حضرت عمر نے ہمیں تین رکعتیں وتر پڑھائے جن میں صرف تیسری رکعت پر سلام پھیرا۔ (طحاوی ج ا ص ۲۰۲، عبدالرزاق ج ۳، ص ۲۰، ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۹۳)

(۳) یہ بات پہلے بھی ذکر ہو چکی ہے۔ دور فاروقی، دور عثمانی دور مرتضوی میں جیسے بیس رکعت تراویح پر اجماع ہوا اسی طرح تین وتر پر بھی اجماع ہوا حضرت ابی بن کعبؓ امام التراویح **کان یوتر بثلاث لا یسلم الا فی الثالثۃ مثل المغرب** (عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۶) تین رکعت وتر پڑھا کرتے اور دوسری رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے بلکہ مغرب کی نماز کی طرح صرف تیسری رکعت پر ہی سلام پھیرتے تھے یعنی اجماع اسی بات پر ہوا کہ وتر تین رکعت دو التحیات اور ایک سلام سے مثل مغرب ہیں۔

(۴) حضرت ابو اسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے (ہزاروں) اصحاب (تین وتر پڑھتے تھے) اور دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(۵) حضرت ابو الزناد فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے ساتوں فقہاء اس پر متفق تھے کہ وتر تین رکعتیں ہیں اور سلام صرف تیسری رکعت کے بعد ہے اور اسی پر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فیصلہ فرمایا۔ (طحاوی ج ا ص ۲۰۳، ۲۰۴)

(۶) حضرت امام حسن بصری فرماتے ہیں **اجمع المسلمون علی ان الوتر ثلاث لا یسلم الا فی آخرھن**. (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۴) سب مسلمانوں کا اجماع ہے کہ

وتر کی تین رکعتیں ہیں جن کے صرف آخر میں سلام پھیرا جاتا ہے۔

ان تمام روایات سے یہ ثابت ہوا کہ سب مسلمانوں کا اجماع ہے کہ ان ہی احادیث پر عمل جاری رہا اور دو رکعت کے بعد سلام پھیرنے پر عمل تو کیا جاری رہتا۔ صرف حدیث ہی روایت کی تو شاگرد سن کر کہنے لگا کہ انی لاخاف ان یقول الناس ھی البیتراء میں ڈرتا ہوں کہ لوگ اس طریقے کو دم کٹی نماز کہیں؟ (طحاوی ج ا ص ۱۹۳)

ظاہر ہے کہ اس وقت لوگ یا صحابہ تھے یا تابعین۔ ان کا اس طریقے کو دم کٹی کہنا اس حدیث کے متروک العمل ہونے کی دلیل ہے جیسا کوئی شخص کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا ذکر کرتا تو لوگ اعتراض کرتے۔

افسوس کہ غیر مقلدین نے احناف کی ضد میں ان احادیث پر عمل چھوڑ رکھا ہے جن پر بلا نکیر عمل جاری رہا اور شاذ روایات کو اپنانا اپنا مشن بنالیا ہے۔

درمیانی قعدہ:

احناف کی ضد میں یا تو غیر مقلدین دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے ہیں یہ غلط طریقہ ہے کیونکہ اس پر عمل باقی نہیں رہا یا احناف کی ضد میں دو رکعت پر سرے سے قعدہ ہی نہیں کرتے یہ بھی ترک واجب ہے ابوداؤد شریف میں حدیث ہے کہ ایک نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درمیانی قعدہ بھول گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سہو فرمایا۔ اس لئے اگر کوئی بھول کر بھی یہ قعدہ نہ کرے تو سجدہ سہو واجب ہے ورنہ اعادہ نماز واجب ہے۔

(۱) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ کان یقول فی کل رکعتین التحیۃ (صحیح مسلم ج ا ص ۱۹۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ ہر دو رکعت پر التحیات ہے۔

(۲) حضرت فضل بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الصلوۃ مثنیٰ مثنیٰ تشھد فی کل رکعتین (ترمذی ج ا ص ۵۰) یعنی نماز دو دو رکعت ہے اور

ہر دو رکعت کے بعد التحیات ہے۔

فائدہ لفظ کل خاص طور پر یہاں قابل توجہ ہے۔

(۳) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی اور دو رکعتوں پر کھڑے ہو گئے لوگوں نے سبحان اللہ کہا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرواہ نہیں کی پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پوری کر چکے تو دو سجدے سہو کے کئے اور پھر سلام پھیرا (رواہ البزار مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۰۳) ہیثمی نے کہا کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **صلٰوۃ اللیل مثنٰی مثنٰی** رات کی نماز دو دو رکعت ہوتی ہے جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ دو دو رکعت کا کیا مطلب ہے تو فرمایا **ان تسلم فی کل رکعتین** (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۷) کہ تم ہر دو رکعت پر سلام پھیرو۔ چنانچہ تہجد کی نماز میں ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جاتا تھا ہاں وتر کی دو رکعت بعد آخر میں یہ سلام باقی نہ رہا تو التحیات پڑھ کر بغیر سلام پھیرے تیسری رکعت میں کھڑے ہوتے تھے اس لئے وہ تمام حدیثیں بھی جن میں سلام کی نفی ہے قعدہ کی دلیل ہیں۔

(۵) وہ تمام احادیث جن میں نماز وتر کو نماز مغرب جیسا قرار دیا گیا ہے وہ بھی درمیانی قعدہ کے لئے دلیل ہیں کیونکہ مغرب کے تین فرضوں کی دو رکعتوں کے بعد اگر التحیات نہ پڑھے یعنی قعدہ نہ کرتے تو بالاتفاق سجدہ سہو واجب ہے۔

(۶) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک رات میں نے اپنی والدہ کو (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محرمہ تھیں) جناب رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر خاص اس مقصد کے لئے بھیجا تا کہ وہ دیکھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز وتر کس طرح ادا فرماتے ہیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وتر ادا فرمائے تو پہلی

رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی پڑھی۔دوسری رکعت میں قُلْ یٰٓا اَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ پڑھی اس کے بعد قعدہ اولیٰ کیا اس کے بعد کھڑے ہوئے اور ان دو رکعتوں کو سلام کے ساتھ تیسری رکعت سے جدا نہیں فرمایا اس کے بعد تیسری رکعت میں (فاتحہ کے بعد) قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ پڑھی یہاں تک کہ جب اس سے فارغ ہوئے تو اللہ اکبر کہا اس کے بعد قنوت پڑھی اور پھر رکوع فرمایا (رواہ ابن عبدالبر فی الاستیعاب)

(۷) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کی نماز دو دو رکعت ہے پھر جب دو رکعت بعد تو (التحیات پڑھ کر) سلام کا ارادہ کرے تو کھڑا ہو کر ایک رکعت ملا لے وہ وتر ہو جائیں گے حضرت قاسم بن محمد فرماتے ہیں میں نے تین وتر ہی لوگوں کو پڑھتے پایا ہے۔(صحیح بخاری ج ا ص ۱۳۵)

دیکھئے بخاری شریف کی اس حدیث سے تین رکعت وتر ایک سلام اور دو التحیات سے ثابت ہو گئے ان سب مشہور روایات کے خلاف غیر مقلدین جس روایت سے استدلال کرتے ہیں وہ یہ ہے۔

امام حاکم پہلے دو سندوں سے **سعید بن ابی عروبہ عن قتادہ عن زرارہ عن ابی اوفی عن سعد بن ھشام عن عائشہ** سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ علم وتر کی پہلی دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔(مستدرک حاکم ج ا ص ۳۰۴) سعید کی یہ حدیث مستدرک حاکم کے علاوہ نسائی ج ا ص ۲۴۸، موطا امام محمد ص ۱۵۱، طحاوی ج ا ص ۱۹۳، محلی ابن حزم ج ۲ ص ۴۸، ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۵، دار قطنی ص ۱۷۵، بیہقی ج ۳ ص ۳۱، مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۶، طبرانی صغیر، ان دس کتابوں میں حدیث کے الفاظ یہی ہیں کہ دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے

اخبرنا ابو نصر احمد بن سهل الفقيه بنجارا ثنا صالح بن محمد بن حبيب الحافظ ثنا شيبان بن فروخ ابن ابی شيبه ثنا ابان عن قتادہ عن زرارہ بن ابی

اوفی عن سعد بن هشام عن عائشة قالت کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یوتر بثلاث لا یسلم (فی نسخۃ لا یقعد) الا فی آخرهن و هذا وتر امیر المؤمنین عمر بن الخطاب وعنه اخذه اهل المدینه.

(المستدرک ج۱ص۳۰۴)

گویا دس سندوں میں تو اتفاق ہے کہ حدیث کے الفاظ لا یسلم ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے اور گیارھویں سند میں دو نسخے ہیں ایک تو یہی لا یسلم دوسرا لا یقعد کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتوں کے بعد نہیں بیٹھتے تھے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ یہ نسخہ جو گیارہ سندوں کے خلاف ہے اس کی سند اور متن کی تحقیق کی جائے کیونکہ اس نسخہ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے متواتر آیت قرآنی کے خلاف کوئی شاذ قرأت ہو یا محکم کے مقابلہ میں متشابہ آجائے۔

(۱) اس کی سند کے پہلے دو راویوں کے حالات نہ تقریب میں ملے ہیں نہ تذکرہ الحفاظ اور میزان الاعتدال اور تہذیب التہذیب میں۔

(۲) تیسرے راوی شیبان بن فروخ کے بارہ میں تقریب التہذیب ص۱۴۸ پر لکھا ہے صدوق یھم ورمی بالقدر یعنی سچا ہے مگر وہم کا شکار تھا اور تقدیر کے انکار کی بھی تہمت اس پر تھی۔

(۳) چوتھا راوی ابان ہے ابان کی ولدیت سند میں مذکور نہیں تقریب التہذیب میں دس ابان نامی راوی ہیں جن میں سے آٹھ ضعیف ہیں اور دو ثقہ ہیں علامہ نیمویؒ نے اس کو ابان بن یزید قرار دیا ہے لیکن ان کی بات غیر مقلدین کے لئے حجت نہیں بن سکتی اور علامہ نیموی فرماتے ہیں کہ ابان بن یزید گو ثقہ ہے لیکن اس کی یہ روایت ثقہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے غیر محفوظ ہے۔ (آثار السنن ج۱ص۱۵)

(۴) فتاویٰ علمائے حدیث میں ہے ابان کی روایت میں بجائے لا یقعد کے لا یسلم ہے (یعنی سلام نہیں پھیرا

کرتے تھے) اس لئے امام بیہقی کی تصریح کے مطابق یقعد والے الفاظ کو خطاء اور غلطی تصور کرنا چاہیئے۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۳ ص ۱۹۹)

(۵) اس روایت کا مدار قتادہ پر ہے اور قتادہ جب عن سے روایت کرے تو غیر مقلدین کا اتفاق ہے کہ اس کی روایت حجت نہیں کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث و اذا قرا فانصتوا کو ماننے سے اسی لئے انکار کیا ہے کہ قتادہ عن سے روایت کر رہا ہے اور نسائی کی حدیث مالک بن الحویرث جس میں سجدوں کے وقت بھی رفع یدین کرنے کا ذکر ہے۔ اس میں بھی قتادہ ہے جس کی وجہ سے اس کو نہیں مانتے۔

پھر یہ روایت ان کے نزدیک کیسے حجت بن سکتی ہے، اس لیے سند کے اعتبار سے یہ روایت ہرگز قابل استدلال نہیں۔

(۶) اس کے متن پر غور کریں تو بھی جملہ لا یقعد صحیح نہیں کیونکہ اس کے بعد اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ وتر پڑھنے کا یہ طریقہ حضرت عمرؓ کا تھا اور یہی طریقہ اہل مدینہ نے ان سے اخذ کیا۔ اب دیکھنا ہے کہ حضرت عمرؓ کا طریقہ لا یقعد والا تھا یا لا یسلم والا تو پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے دفن کے بعد جب حضرت عمرؓ نے سب کو نماز وتر پڑھائی تو آخر میں سلام پھیرا اس میں لا یسلم ہے لا یقعد نہیں۔

(۷) امام حسنؒ سے جب کہا گیا کہ حضرت ابن عمرؓ دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے تھے تو امام حسنؒ نے فرمایا کہ ان کے والد حضرت عمرؓ بڑے فقیہ تھے وہ دوسری رکعت پر سلام پھیرے بغیر تکبیر سے اٹھتے تھے۔ (مستدرک ج ا ص ۳۰۴) حضرت عمرؓ سے کسی صحیح سند سے لا یقعد کا لفظ ثابت نہیں۔

(۸) دوسری بات اہل مدینہ کے وتر کی بابت ہے ان کے بارہ میں بھی گزر چکا کہ بالاتفاق لا یسلم والا طریقہ تھا کسی ایک روایت میں بھی لا یقعد نہیں آتا۔

الغرض لا یقعد والی روایت نہ سنداً صحیح ہے نہ متناً اور اکثر احادیث کے خلاف ہونے

کی وجہ سے نہایت منکر روایت ہے۔

نیتجتاً غیر مقلدین جو تین وتر پڑھتے ہیں دونوں طریقے غلط ہیں ایک متروک بالا جماع ہے دوسرا منکر اور مشہور روایت کے مقابلہ میں منکر حدیث پر عمل کرنا ہے۔

تین رکعت وتر کی بحث میں یہ بات گزر چکی ہے کہ جس دور میں نماز کے اندر سلام کلام جائز تھا اس وقت وتروں میں بھی سلام ہوتا تھا دو رکعت الگ اور ایک وتر الگ پڑھتے تھے اس طرح بعض راوی اس کو تین رکعت روایت کرتے بعض ایک رکعت ورنہ شفع کے بغیر صرف ایک رکعت پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز ثابت نہیں چنانچہ امام رازی اور ابن صلاح سے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں وتر کی روایات کی کثرت کے باوجود ہمیں معلوم نہیں کہ کسی روایت میں یہ آتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی صرف ایک رکعت وتر پڑھا ہو۔ **(التلخیص الحبیر ج۲ ص ۱۵)**

لیکن غیر مقلدین احناف کی ضد میں اسی پر زور دے رہے ہیں اس بارے میں وہ چند استدلال پیش کرتے ہیں جن میں سرفہرست حضرت ابو ایوب انصاری کی حدیث ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چاہے پانچ وتر پڑھ لے جو چاہے تین پڑھ لے جو چاہے ایک پڑھ لے مگر اس میں دو باتیں چھپا جاتے ہیں۔

(۱) یہ حدیث دراصل صحابی کا قول ہے چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں امام ابو حاتم ذہلی، دار قطنی در علل، بیہقی اور بہت سے حضرات نے اس کو موقوفاً صحیح کہا ہے اور یہی درست ہے۔

(التلخیص الحبیر ج۲ ص ۱۳)

موقوف صحابی کے قول کو کہتے ہیں اور غیر مقلدین کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ در موقوفات صحابہ حجت نیست صحابی کا قول حجت اور دلیل نہیں بن سکتا۔

(۲) اس روایت کے آخر میں نسائی ج ۱ ص ۲۴۹ پر یہ بھی ہے جو چاہے ایک وتر پڑھ لے اور جو چاہے اشارہ کر لے۔ یہ جملہ غیر مقلدین ہرگز بیان نہیں کرتے کیونکہ اس سے تو ایک

وتر سے بھی چھٹی ملتی ہے اور کیسی آسانی ہے کہ وتروں کے سارے اختلافات کا خاتمہ ہے۔

(۳) اگر بالفرض ہم مان ہی لیں کہ یہ حدیث صحیح ہے تو بھی آخری جملے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ اس دور کا فرمان ہے جب وتر نفل درجہ میں تھے واجب نہیں تھے کیونکہ واجبات سے چھٹی نہیں مل سکتی نوافل سے مل سکتی ہے۔

(۳) حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ نے مرفوعاً بیان کیا ہے **الوتر رکعة من آخر اللیل** (مسلم ج۱ص ۲۵۷) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ایک رکعت کے الگ پڑھنے میں صریح نہیں کیونکہ احتمال ہے کہ آپ کی مراد یہ ہو کہ گزشتہ دو رکعتوں کے ساتھ ایک ملا کر تین وتر پڑھے۔ (فتح الباری ج۲ص ۳۸۵) یا جیسے میں نے کہا کہ دو رکعت کے بعد جب سلام پھیرتے تھے تو کبھی ایک رکعت کو الگ بیان کر دیتے اس کے بعد خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ نے یہ حدیث روایت فرمائی کہ وتر کی نماز مغرب کی نماز کی طرح ہے اور ظاہر ہے کہ مغرب کے فرض ایک رکعت کوئی بھی نہیں پڑھتا اور آخر میں تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایک رکعت وتر کے اتنے مخالف ہو گئے تھے کہ ایک رکعت وتر پڑھنے والے کو سخت الفاظ بھی فرماتے۔ (طحاوی ج۱ص ۱۹۹) افسوس ہے کہ غیر مقلدین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت جو پہلے دور کی ہے وہ تو پیش کرتے ہیں لیکن آخری دور کی روایات کو چھپاتے ہیں۔

(۴)عن سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم نهی عن البتیرأ ان یصلی الرجل واحدة یوتر بها.

(رواه ابن عبدالبر فی التمهید بحواله اعلا السنن ج٦ ص٤٠)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتیرا سے منع فرمایا ہے یعنی اس سے کہ آدمی ایک رکعت وتر پڑھے۔

(۵)عن محمد بن کعب القرظی ان النبی صلی اللہ علیه وسلم نهی عن

البتیرا (ذیلعی ج۱ ص۳۰۲ و ھو مرسل معتضد)

محمد بن کعب فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیترا سے منع فرمایا۔

(۶) دورِ صحابہ و تابعین میں ان ہی احادیث کے موافق عمل جاری تھا ایک وتر کا کوئی رواج نہ تھا اگر شاذ و نادر کوئی ایک رکعت پڑھتا تو اس پر انکار ہوتا اور لوگ تعجب سے اس کو دیکھتے وہ ان کے انکار کے جواب میں کوئی حدیث پیش نہ کرسکتا ہمارا غیر مقلدین سے یہی مطالبہ ہے کہ ہم ایسے واقعات احادیث صحیحہ سے پیش کریں گے کہ ایک وتر پڑھنے والے پر شدید انکار ہوا۔ اور غیر مقلدین یہ ثابت کریں گے جن پر انکار ہوا انہوں نے فلاں صحیح حدیث سے ان کے سامنے ایک وتر پڑھنا ثابت کیا۔

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا اھون ما یکون الوتر ثلاث رکعات (موطا امام محمد ص۱۵۰) کم از کم وتر کی رکعتیں تین ہیں۔ یہ ایک رکعت وتر کا صریح انکار ہے، اب غیر مقلد ثابت کریں کہ کسی نے ان کے سامنے حدیث سے ایک وتر کا ثبوت پیش کیا ہو۔

(۸) پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے صراحۃً کھل کر فرمایا ما اجزأت رکعة واحدة قط (موطا امام محمد ص۱۵۰) کہ (وتر) کی ایک رکعت کبھی کافی نہیں ہوسکتی۔ اس وقت کوفہ میں سینکڑوں صحابہ اور ہزاروں تابعین موجود تھے کسی نے ایک حدیث بھی ان کے رد میں پیش نہ کی۔

(۹) حضرت سعدؓ نے ایک وتر پڑھا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ایک رکعت ہرگز جائز نہیں وعاب ذالك علی سعدٍ اور حضرت سعدؓ کے اس فعل کو معیوب قرار دیا۔ (طحاوی ج۱ ص۲۰۳) مگر حضرت سعدؓ ایک بھی حدیث ان کے مقابلہ میں پیش نہ کرسکے۔

(۱۰) حضرت عبداللہ بن سلمہ فرماتے ہیں کہ حضرت سعدؓ نے کوفے میں ایک وتر پڑھا میں ان کے پیچھے چلا اور ان کا بازو پکڑ لیا اور پوچھا یا ابا اسحاق ما ھذہ الرکعة یہ رکعت کیا ہے۔ (طحاوی ج۱ ص۲۰۳) اس سے معلوم ہوا کہ شاذ قرأتوں کی طرح ایک وتر کو لوگ

بڑے اچنبھے کی طرح دیکھتے تھے حضرت سعد عبداللہ بن سلمہ کے سامنے بھی کوئی حدیث پیش نہ فرما سکے۔

(۱۱) غیر مقلدین کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ نے ایک وتر پڑھا۔ ہم کہتے ہیں یہ اس عہد میں ایک اجنبی فعل تھا ابن ابی ملیکہ نے آ کر ابن عباسؓ کو بتایا آپ نے فرمایا انـہ فقیـۃ یعنی ایک وتر کے باقی رہنے پر ان کے پاس کوئی صریح حدیث نہیں ہے۔ البتہ ان کی فقہی رائے ہے اور فقیہ اپنی رائے میں خطاء پر بھی ہو تو اسے ایک اجر ملتا ہے اس لئے اصاب بھی فرمایا۔ (بخاری) اور واقعی کوئی غیر مقلد یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ حضرت امیر معاویہؓ نے کوئی صریح حدیث پیش کر کے ثابت کیا ہو کہ یہ میری فقہی رائے نہیں بلکہ صریح حدیث پر عامل ہوں اس سے تو معلوم ہوا کہ پورے مکہ مکرمہ میں کوئی ایک وتر کو جانتا تک نہ تھا جب امیر معاویہؓ آئے تو دیکھا اور حیران ہوئے۔

(۱۲) حضرت ابن ابی ملیکہ کو ابن عباسؓ نے مندرجہ بالا جواب دیا پھر جب عکرمہ نے بھی آ کر بتایا کہ حضرت معاویہؓ نے ایک وتر پڑھا ہے (تو شاید اس خیال سے کہ اس خطائے اجتہادی کا رواج نہ ہو جائے) آپ نے سخت الفاظ بھی ارشاد فرمائے۔

(طحاوی ج ا ص ۱۹۹)

(۱۳) غیر مقلدین کہا کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ایک وتر پڑھا اور ایک رکعت میں سارا قرآن ختم کیا۔ (دارقطنی۔ طحاوی)

ہم کہتے ہیں آپ کے مذہب میں تو حضرت عثمانؓ کا فعل دلیل شرعی نہیں بلکہ ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کرنا آپ کے نزدیک خلاف حدیث اور بدعت ہے پھر آپ کو اس سے کیا فائدہ اور ہم کہتے ہیں کہ اس کی سند میں فلیح بن سلیمان راوی ضعیف ہے۔

پھر اس روایت میں یہ بھی تو ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن التیمی جو صحابی ہیں انہوں نے جب حضرت عثمان کو ایک رکعت پڑھتے دیکھا تو یہ فرمایا اوھم الشیخ یعنی کوئی شخص وہم یا بھول

کر ایک رکعت پڑھ لے تو کچھ مضائقہ نہیں مگر بغیر وہم اور بغیر بھول کہ ایک رکعت کا پڑھنا اس دور میں کسی کے وہم میں بھی نہیں آ سکتا تھا اور حضرت عثمانؓ بھی کوئی ایک حدیث پیش نہ فرما سکے کہ یہ وہم نہیں ہے میں فلاں حدیث پر عمل کر رہا ہوں۔ تمہیں خود حدیث کا علم نہیں اور احناف یہ کہتے ہیں کہ خود دور عثمانی میں بیس تراویح کے ساتھ سب تین وتر پڑھتے تھے جس پر کسی نے انکار نہیں کیا۔ ان سب روایات سے بھی یہی ثابت ہوا کہ ایک رکعت وتر پر عہد صحابہ میں امر منکر کی طرح انکار ہوتا تھا۔ یہ تعامل دلیل ہے کہ حدیث بتیـــراء ہرگز بے اصل نہیں۔

(۱۴) تمام صحاح ستہ میں یہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے **صلوٰۃ اللیل مثنی مثنی** رات کی نماز دو دو رکعت ہوتی ہے اس حدیث سے بھی صاف معلوم ہوا کہ نماز کا کم از کم نصاب دو رکعت ہے اس سے کم نماز نہیں یہی وجہ ہے کہ فرائض و نوافل میں سفر یا حضر میں حتی کہ خوف کی نماز میں بھی کوئی نماز ایسی نہیں ملتی کہ جہاں شریعت نے ایک رکعت کو جائز رکھا ہو۔ ظاہر ہے کہ وتر کی نماز بھی اسی ضابطہ کے تحت آئے گی اور محض ایک وتر نماز نہیں کہلائے گی۔

(۱۵) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضرت عبداللہ بن ابی قیس نے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کتنے وتر پڑھتے تھے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار اور تین چھ اور تین آٹھ اور تین، دس اور تین رکعتیں پڑھا کرتے تھے کبھی تیرہ رکعت سے زائد اور سات رکعت سے کم نہیں پڑھتے تھے۔ (احمد ج ۶، ص ۱۵۶، طحاوی ج ۱ ص ۱۹۸، ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۰) اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت سے نہ زیادہ پڑھتے تھے اور نہ تین رکعت سے کم۔

ان دلائل سے یہ باتیں نہایت وضاحت سے ثابت ہوگئیں۔

(۱) ایک رکعت وتر جائز نہیں رہی جواز کی روایات بیتراء سے منع فرمانے سے پہلے کی ہیں۔

(۲) تین رکعت میں دو رکعت پر سلام پھیرنا یہ طریقہ بھی درست نہیں اس پر عمل جاری نہیں رہا۔

(۳) تین رکعت کے درمیان قعدہ نہ کرنا یہ بھی غلط طریقہ ہے کسی صحیح حدیث سے اس کا ثبوت نہیں۔

(۴) وتر کا صحیح طریقہ جس پر عمل جاری رہا یہی ہے کہ تین وتر دو التحیات اور ایک سلام سے پڑھے جائیں۔

اعتراض نمبر ۱۴:

جلسہ استراحت

فعلِ رسولؐ:

فَإِذَا كَانَ فِيْ وِتْرٍ مِنْ صَلَاتِهِ لَمْ يَنْهَضْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا. (بخاری شریف)

''حضورؐ جب نماز کی پہلی یا تیسری رکعت سے اٹھتے تو (دوسرا سجدہ کر کے) پوری طرح آرام سے بیٹھ کر اٹھتے۔''

سمجھ گئے آپ کے حضورؐ پہلی یا تیسری رکعت میں دوسرا سجدہ کر کے، اچھی طرح بیٹھ کر اٹھتے تھے۔ اب فقہ کا حکم سنیے:

فقہ کا اختلاف:

وَاسْتَوٰى قَائِمًا عَلٰى صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ وَلَا يَقْعُدُ. (ہدایہ باب صفت الصلوٰۃ)

''اپنے پنجوں پر سیدھا کھڑا ہو جائے اور بیٹھے نہیں۔''

تمام حنفی بھائی ہدایہ کا حکم بے دلیل مان کر ہرگز نہیں بیٹھتے۔ جلسہ استراحت نہیں کرتے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم کیوں نہیں مانتے، قول کے مقابل کیوں حدیث چھوڑ دیتے ہیں؟

مسلمان بھائیو! حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر عمل کر کے جلسہ استراحت کیا

کرو۔ ائمہ اربعہ نے بھی احادیث پر عمل کرنے کا ارشاد فرمایا ہوا ہے۔

(سبیل الرسول ص ۲۵۲، شمع محمدی ص ۵۷، ظفر المبین ص ۱۱۰، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۵۵، اختلاف امت کا المیہ ص ۶۲)

جواب:

لیکن اس کے نقل کرنے میں ایک زبردست خیانت کی ہے اس حدیث کے راوی نے بتایا کہ ایک بوڑھے بزرگ نماز میں یہ جلسہ استراحت کرتے تھے **لم ار احدًا منهم يفعلونه** میں نے اور کسی کو یہ کرتے نہیں دیکھا۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۱۳) نیز فرماتے ہیں میں نے عمرو بن سلمہؓ بوڑھے کو جلسہ استراحت کرتے دیکھا ہے **لا اراكم تصنعونه** (طحاوی ج ۲ ص ۴۴۴) تم میں سے کسی کو یہ کرتے نہیں دیکھا، امام طحاوی فرماتے ہیں ایوب نے جلیل القدر تابعین اور تبع تابعین) کی زیارت کی ہے ان کا یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ یہ فعل سنت نہیں (طحاوی ج ۲ ص ۴۴۴) ورنہ یہ سب صحابہ اور تابعین اس کو ترک نہ فرماتے ظاہر ہے کہ وہ بوڑھے حضرت عمرو بن سلمہؓ اس بڑھاپے کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔ اب اس بوڑھے کا جلسہ استراحت کرنا اور باقی سب خیر القرون والوں کا چھوڑنا اس حدیث کی عملی تشریح ہے کہ یہ نماز کی سنت نہیں ہاں کوئی بوڑھا یا مریض سیدھا کھڑے ہونے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ عذر کی وجہ سے یہ جلسہ استراحت کرسکتا ہے۔

دوسرا فریب یہ کیا کہ ہدایہ کی عبارت کو بھی نہایت نامکمل نقل کیا۔

ہدایہ کی پوری عبارت:

سجدہ ثانیہ کے بعد سیدھا اپنے قدموں پر کھڑا ہو جائے نہ بیٹھے اور نہ زمیں پر ہاتھوں سے ٹیک لگائے امام شافعی فرماتے ہیں کہ تھوڑا سا بیٹھ کر اٹھے اور زمین پر ہاتھ کا سہارا لے کر اٹھے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ (جلسہ استراحت) کیا ہے اور ہماری دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنے پاؤں پر سیدھے کھڑے

ہوتے تھے (یعنی یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک عادت تھی) اور جس حدیث میں جلسۂ استراحت کا فعل مذکور ہے وہ بڑھاپے پر محمول ہے یعنی جب آپ کا بدن مبارک بڑھاپے کی وجہ سے بوجھل ہو گیا تھا۔ (ابوداؤد) اس وقت آپ نے یہ فعل فرمایا اور یہ آرام کا قعدہ ہے اور نماز آرام کے لئے نہیں بنائی گئی۔ (ہدایہ ج۱ص ۱۱۰، باب صفۃ الصلوٰۃ)

دیکھو صاحب ہدایہ نے نہ تو جلسہ استراحت والی حدیث کا انکار کیا کہ ان پر انکار حدیث کی تہمت لگائی جائے اور نہ فقہ کے مسئلہ کو بے دلیل لکھا بلکہ باقاعدہ حدیث پاک سے اُسے ثابت فرمایا۔ صادق صاحب نے ہدایہ میں اس حدیث کو پڑھنے کے باوجود حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دیا بلکہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب ہدایہ کا بے دلیل حکم قرار دیا اور اس سنت پر عمل کرنے کو حدیث کے چھوڑنے سے تعبیر کیا۔

مثال:

اس کو مثال سے سمجھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر پیشاب فرمایا کرتے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کھڑے ہو کر پیشاب فرمانا بھی بخاری شریف کی صحیح ترین حدیث سے ثابت ہے اب ایک عالم ان دونوں حدیثوں میں یہ تطبیق بیان کر دے کہ سنت تو بیٹھ کر پیشاب کرنا ہی ہے اور جو حدیت بظاہر اس کے مخالف ہے وہ عذر پر محمول ہے کہ کوئی عذر ہو تو کھڑے ہو کر پیشاب کرنا بھی جائز ہے لیکن بلا عذر طریق سنت کو نہ چھوڑنا چاہیے، اب کوئی اس عالم کو منکر حدیث کہنا شروع کر دے تو دراصل وہ خود منکر سنت ہے احناف نے کسی کتاب میں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ہمارا یہ مسئلہ محض قیاسی ہے۔

احناف کے دلائل:

حضرت ابوہریرہؓ کی مشہور حدیث مسیئ الصلوٰۃ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے نماز سکھاتے ہوئے فرمایا کہ دوسرے سجدہ کے بعد سیدھا کھڑا ہو جا۔

(بخاری ج ۲ ص ۹۳۴، و ج ۲ ص ۹۸۶)

یہ صاف حکم ہے کہ جلسہ استراحت کی بجائے سیدھے کھڑے ہونا چاہیے۔ نوٹ بخاری ج ۱ ص ۱۰۵ پر جالساً کا لفظ ہے مگر وہ راوی کا وہم ہے۔ (فتح الباری)

(۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ چار رکعت نماز میں ۲۲ تکبیریں سنت ہیں۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۰۸) محدث کبیر امام طحاوی فرماتے ہیں کہ نماز قولی اور بدنی عبادت کا مجموعہ ہے اس میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف انتقال ہو تو ساتھ ذکر ہوتا ہے۔ مثلاً قیام سے رکوع کو جائیں تو تکبیر۔ رکوع سے قومہ کی طرف اُٹھیں تو تسمیع۔ اسی طرح سجدوں میں جھکنے اور اٹھنے کے ساتھ تکبیریں ہیں لیکن اس جلسہ کے لئے شریعت نے کوئی تکبیر مقرر نہیں کی ورنہ چار رکعت میں ۲۴ تکبیریں ہوتیں تو نماز میں ایسا فعل جو ذکر سے خالی ہو وہ عبادت اور افعال نماز قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اقم الصلوٰۃ لذکری کے خلاف ہے۔

(طحاوی ج ۲ ص ۴۴۴، مع تفسیر)

(۳) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینھض علی صدور قدمیہ (ترمذی) کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاؤں پر سیدھے کھڑے ہوتے تھے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں اس کا راوی خالد بن ایاس ضعیف ہے اور اس پر اہل علم کا عمل ہے یعنی مؤید بالعمل ہونے کی وجہ سے ضعف مضر نہیں۔

(۴) حکیم صادق صاحب حدیث ابو حمید کو دس صحابہ کی تائید کے ساتھ مسئلہ رفع الیدین میں تو بڑے زور شور سے پیش کرتے ہیں مگر شاید جلسہ استراحت کے بارہ میں شاید ان کو یہ لفظ نظر نہیں آتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے سجدے سے اٹھے اور بیٹھے نہیں۔

(طحاوی ج ۲ ص ۴۴۴)

(۵) حضرت ابو مالک اشعریؓ نے اپنے سارے قبیلہ کو اکٹھا کر کے رسول اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم والی نماز سکھائی نہ تو اس میں پہلی تکبیر کے بعد کسی جگہ رفع یدین کی اور نہ ہی جلسہ استراحت کیا۔(مسند احمد)

(٦) امام شعبیؒ (جنہوں نے پانچ سو صحابہ کرام کی زیارت کی) فرماتے ہیں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نماز میں اپنے قدموں پر سیدھے کھڑے ہوئے تھے۔(ابن ابی شیبہ، نصب الرایہ ج ا ص ٣٨٩)

(٧) حضرت نعمان بن ابی عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے صحابہ کو پایا وہ جب نماز میں پہلی اور تیسری رکعت کے بعد کھڑے ہوتے ایسے کھڑے ہوتے کہ بیٹھے ہی نہیں۔

(٨) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی نماز میں جلسۂ استراحت نہیں کیا کرتے تھے۔(مصنف عبدالرزاق ج ٢ ص ١٧٩)

(٩) حضرت عبداللہ بن زبیر نماز میں جلسہ استراحت نہیں فرماتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ ج ا ص ١٦٣)

(١٠) ان کے علاوہ حضرت ابوسعید خدریؓ بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے۔

(بیہقی الرایہ ج ا ص ٣٨٩)

صادق صاحب ظاہر ہے کہ حدیث مالک بن الحویرثؓ میں جلسہ استراحت کرنے کا ذکر ہے اور دوسری احادیث میں نہ کرنے کا اب اس ظاہری تعارض کو کیسے رفع کیا جائے، آپ کے نزدیک دلیل شرعی صرف قرآن حدیث ہے آپ اس تعارض کا حل قرآن وحدیث سے پیش کریں اگر آپ کے نزدیک ایک صحیح باقی ضعیف ہیں تو یہ بھی حدیث سے ثابت کریں کسی امتی کا قول پیش کر کے مشرک نہ بنیں اگر ایک ناسخ اور باقی منسوخ ہیں تو بھی صحیح حدیث سے ثابت کریں۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ کسی صحیح حدیث میں اس بارہ میں کوئی فیصلہ موجود نہیں نہ صحیح ضعیف کا نہ

ناسخ منسوخ کا نہ باری باری دونوں پر عمل کرنے کا۔ اب جو فیصلہ کتاب وسنت سے نہ ملے ہمارے نزدیک حدیث معاذؓ کے موافق اجتہاد کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ مجتہد نے خیر القرون کے تعامل پیش نظر قدرت طاقت والے شخص کو جلسہ استراحت نہ کرنے کا حکم دیا اور بوڑھے معذور کو کرنے کی اجازت دی جیسا حضرت عمرو بن سلمہ کرتے تھے دونوں قسم کی احادیث پر عمل کا طریقہ سکھا دیا کہ حالت قدرت میں جلسہ استراحت نہ کرنے والی حدیث پر عمل کرو اور عذر میں جلسہ استراحت والی حدیث پر اب جو دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل کریں ان کو حدیث کا مخالف اور جو احادیث میں خیانت کرے اس کو اہل حدیث کہا جائے۔

اعتراض نمبر ۱۵:

مسئلہ تیمّم

حدیث میں ایک ضرب:

ضَرَبَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بِکَفَّیْہِ الْاَرْضَ وَنَفَخَ فِیْھِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِھِمَا وَجْھَہٗ وَکَفَّیْہِ. (بخاری، مسلم)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تیمّم میں) اپنے دونوں ہاتھ مٹی پر مارے۔ پھر پھونک کر اپنے چہرے پر ملے اور دونوں پہنچوں پر ملے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل پاک سے تیمّم میں ایک ضرب ثابت ہوئی لیکن فقہ میں ارشاد ہوتا ہے:

فقہ کا اختلاف:

وَالتَّیَمُّمُ ضَرْبَتَانِ. (ھدایہ باب التیمم)

''اور تیمّم میں دو ضربیں ہیں۔''

حنفی بھائی بھول کر بھی ایک ضرب پر عمل نہیں کرتے

آنکھوں سے حسرت کے فسانے آنسو بن کر ٹپکے ہیں

عمر ہماری منزل منزل اشک بداماں گزری ہے

(سبیل الرسول ص ۲۵۲، شمع محمدی ص ۵۸، ظفر المبین ص ۶۹، فتح المبین ص ۵۸، اختلاف امت کا المیہ ص ۶۲)

جواب:

(ا) نقل حدیث میں فریب:

حکیم صاحب نے حضرت عمار بن یاسرؓ کی حدیث کا ٹکڑا نقل کیا ہے حالانکہ اس کے تمام طرق حکیم صاحب کو پیش کر کے اس اضطراب کو ختم کرنا چاہیے تھا۔ کسی حدیث میں کچھ ہے اور کسی میں کچھ مثلاً

(ا) ایک ضرب سے تیمّم کرے اور چہرے اور ہتھیلیوں پر ہاتھ پھیرے۔

(بخاری ج ا ص ۴۸، مسلم ج ا ص ۱۱۶)

(ب) تیمّم دو ضرب ہے ایک ضرب چہرے کے لئے دوسری ضرب دونوں ہاتھوں سے کندھوں اور بغلوں تک کے لیے۔

(ابوداؤد ج ا ص ۵۱، نسائی ج ا ص ۶۰، طحاوی ج ا ص ۶۶، مسند احمد ج ۴ ص ۲۶۳)

(ج) تیمّم دو ضرب سے ایک ضرب چہرے کے لیے دوسری ضرب دونوں ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک۔

(رواه البزار في مسنده (نصب الرايه ج۱ ص۱۵٤، قال الحافظ ابن حجر باسناد حسن (الدرايه ص۳۱۱)

حکیم صاحب کا فرض تھا کہ وہ پہلے اس حدیث کے مکمل طرق نقل کرتے پھر ایک طریق کو قبول اور دو طریقوں کے رد کرنے کی وجہ کسی حدیث صحیح سے بیان کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ فلاں طریق قبول کر لینا کہ وہ صحیح ہے اور فلاں فلاں دو طریق حدیثوں کے رد کر دینا کہ وہ ضعیف ہیں لیکن حکیم صاحب نے نقل میں خیانت سے کام لیا ایک طریق

بتایا اور دو کو چھپایا۔

عجیب بات ہے کہ حکیم صاحب نے بھی حضرت عمار بن یاسرؓ کے ایک ہی طریق کو مانا اور دو کو بلا وجہ بیان کئے چھوڑا تو وہ اہل حدیث رہے ہم نے بھی اس کے ایک طریق پر عمل کیا مگر ہمیں حدیث کا مخالف کہا گیا۔ احناف نے جن دو طریق کو چھوڑا اس کی باقاعدہ وجہ بیان کی ہے۔ فقیہ شہیر محدث کبیر امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جس حدیث میں کندھوں تک مسح کا ذکر ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں بلکہ نزول آیت سے پہلے صحابہ کی اپنی اپنی رائے تھی چنانچہ امام طحاوی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حدیث نقل فرماتے ہیں کہ میرا ہار سفر میں گم ہو گیا صحابہ ہار کی تلاش میں گئے جب نماز کا وقت ہوا تو پانی نہ ملنے کی وجہ سے صحابہ نے تیمّم کیا کسی نے صرف ہتھیلیوں تک کسی نے کندھوں تک پس یہ بات جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت تیمّم نازل ہوئی۔ (طحاوی ص ۸۰، ج ۱) معلوم ہوا کہ یہ بعض صحابہ کا اپنا عمل تھا۔

جب آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صحابہ کو تیمّم کا طریقہ سکھایا، چنانچہ حضرت عمارؓ فرماتے ہیں کہ میں ان ہی لوگوں میں تھا جب کہ تیمّم کی رخصت نازل ہوئی ہمیں حکم دیا گیا اور ہم نے ایک ضرب سے چہرے کا مسح کیا اور دوسری ضرب سے دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کیا۔ (رواہ البزار باسناد حسن الدرایہ لحافظ ابن حجر ص ۳۶)

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہی طریقہ قرآن پاک کے بھی موافق ہے کیونکہ قرآن پاک میں پہلے وضو کا حکم ہے پھر پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کو وضو کا قائم مقام قرار دیا ہے وضو میں چار فرائض کا ذکر تھا تیمّم میں ان میں سے دو ساقط فرما دیئے اور دو کو باقی رکھا ان کی کیفیت اصل وضو کے موافق ہونی چاہیے تا کہ وہ ان کے قائم مقام کہلا سکیں۔ اب وضو میں حکم ہے فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ (المائدہ:۶) تم اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک، اور تیمّم کے بارہ میں فرمایا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ

مِنْــهُ (المائدہ:٦) مسح کرو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کا اب ظاہر ہے کہ وضو میں چہرہ کو دھونے اور ہاتھوں کو دھونے کے نے الگ الگ پانی لیا جاتا ہے اس لیے تیمّم میں بھی چہرے اور ہاتھوں کے مسح کے لیے الگ الگ ضرب ہوگی اور وضو میں پورے چہرے کو دھویا جاتا ہے تو تیمّم میں بھی چہرے کا تو پورا مسح ہوگا مگر ہاتھوں کا کہنیوں تک تا کہ تیمّم وضو کا ان دونوں فرضوں میں پورا پورا قائم مقام ہو۔ (طحاوی ج ا ص ۸۱) رہا حضرت عمار بن یاسرؓ کا وہ طریق جو حکیم صاحب نے بیان کیا ہے۔ یہ بعد کا ہے، جب حضرت عمار بن یاسرؓ کو تیمّم کا طریقہ تو آتا تھا مگر وہ اس کو صرف وضو کے تیمّم کا طریقہ سمجھتے تھے جب ان پر غسل فرض ہوا اور پانی نہ ملا تو وہ سارے کپڑے اتار کر زمین پر لوٹے پھر آ کر یہ واقعہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا کہ غسل اور وضو کے تیمّم میں کوئی فرق نہیں چونکہ طریقہ پہلے حضرت عمارؓ جانتے تھے اس لئے اختصار کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرما دیا۔

صاحب ہدایہ کی عبارت نقل کرنے میں فریب:

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں، تیمّم دو ضربوں سے ہے ایک کے ساتھ چہرے کا مسح کرے اور دوسری کے ساتھ دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تیمّم دو ضربوں کے ساتھ ہے ایک ضرب چہرے کے لئے اور دوسری ضرب دونوں ہاتھوں کے لئے (ص ۵۰) دیکھئے صاحب ہدایہ نے صاف طور پر فرمایا تھا کہ یہ طریق فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے لیکن حکیم صاحب نے اس عبادت کو آنکھوں سے دیکھ کر بھی نقل نہ کیا، جو سبیل رسول نہیں بلکہ سبیل یہود ہے۔

احناف کے دلائل:

(۱) حضرت عمار بن یاسرؓ کی روایت مسند بزار کے حوالہ سے گزر چکی ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

التيمم ضربتان ضربة للوجه وضربة لليدين إلى المرفقين (رواہ الحاکم والدار قطنی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیمّم دو ضربوں سے ہے ایک ضرب چہرہ کے لئے دوسری دونوں ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں کو تیمّم کا یہی طریقہ سکھاتے رہے ان کا یہ فتویٰ مصنف عبد الرزاق ج۱ ص۲۱۲ پر تین سندوں سے ہے اور عبدالرزاق فرماتے ہیں بہ ناخذ نیز طحاوی ج۱ ص۸۱، اور دار قطنی میں بھی ہے۔

(۴) عن جابر عن النبی صلی الله علیه وسلم قال التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة للذراعین إلى المرفقین.

(مستدرك حاكم وقال صحيح الاسناد ج۱ ص۱۸۰ وقال الذهبي اسناده صحيح تلخيص المستدرك ج۱ ص۱۸۰)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیمّم دو ضربوں سے ہے ایک ضرب چہرے کے لئے اور دوسری دونوں بازوؤں کے لئے کہنیوں تک حاکم اور ذہبی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

(۵) حضرت جابرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی اسی طریقہ سے تیمّم سکھایا کرتے تھے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اس نے بتایا کہ مجھ پر غسل فرض تھا میں تیمّم کی نیت سے مٹی پر لوٹا حضرت جابرؓ نے فرمایا تو گدھا بن گیا تھا پھر اس کو دو ضربوں سے تیمّم کا یہی طریقہ سکھایا جو اوپر حدیث میں ہے۔ (طحاوی ج۱ ص۸۱)

نوٹ: صحابہ کے یہ فتاویٰ بھی حکماً مرفوع ہیں کیونکہ غیر مدرک بالقیاس ہیں۔

(٦) حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جن کے ہار گم ہونے کی وجہ سے اس موقعہ پر آیت تیمّم نازل ہوئی فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة لليدين إلى المرفقين (رواہ البزار فی مسندہ زیلعی

ج ۱ ص ۱۵۱) تیمّم دو ضربوں سے ہے ایک چہرے کے لئے دوسری کہنیوں تک ہاتھوں کے لئے۔

(۷) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلا سے نکلے ایک راہ گیر نے آپ کو سلام کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ضربوں سے تیمّم کر کے اُس آدمی کو سلام کا جواب دیا جب کہ وہ گلی کے موڑ سے چھپنے والا تھا۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۵۳، طحاوی ج ۱ ص ۶۴، دار قطنی ج ۱ ص ۶۵، الطیالسی ج ۱ ص ۲۵۳، بیہقی ج ۱ ص ۲۰۶) اگر ایک ضرب سے تیمّم کی گنجائش ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جلدی کے موقع پر ضرور اختصار سے کام لیتے اذ لیس فلیس

(۸) حضرت اسلعؓ بھی اس سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جس میں آیت تیمّم نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسلعؓ کو حکم دیا یا اسلع قم فتیمم صعیدا طیبا ضربتین ضربة لوجهك وضربة لذراعيك ظاهرهما وباطنهما الحديث (طحاوی ج ۱ ص ۸۱) اے اسلعؓ کھڑا ہو اور پاک مٹی سے تیمّم کر ایک ضرب اپنے چہرے کے لئے اور دوسری ضرب اپنے بازوؤں کے لئے اندر باہر دونوں طرف یہ روایت اس طرح بھی ہے کہ ربیع کہتے ہیں مجھے میرے باپ نے دو ضربوں سے تیمّم کر کے دکھایا میرے ابا کو میرے دادا نے اس طرح تیمّم کر کے دکھایا میرے دادا کو حضرت اسلع نے اسی طرح تیمّم کر کے دکھایا اور حضرت اسلع فرماتے ہیں مجھے اس طرح رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمّم کر کے دکھایا۔

(اخرجه الطبرانی والدارقطنی والبیهقی زیلعی ج ۱ ص ۱۵۳)

(۹) حضرت ابوجہمؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیوار پر ہاتھ مار کر پہلے چہرے مبارک پر مسح فرمایا پھر دوسری ضرب کے بعد اپنے ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح فرما کر میرے سلام کا جواب دیا۔ (دار قطنی ج ۱ ص ۶۵)

(۱۰) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ کچھ جنگل کے رہنے والے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تیمّم کا طریقہ خود اس طرح سکھایا کہ زمین پر ایک ضرب لگا کر چہرہ مبارک کا مسح فرمایا اور پھر زمین پر دوسری ضرب لگا کر اپنے ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح فرمایا۔ (بیہقی ج ا ص ۲۰۶)

(۱۱) حضرت علیؓ نے تیمّم کا طریقہ یوں بیان فرمایا کہ ایک ضرب چہرے کے لئے اور ایک ضرب دونوں ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک۔ (کنز العمال حدیث ۲۹۳۲) بحوالہ (عب) نوٹ عبدالرزاق کے مطبوعہ نسخہ میں رسغین ہے اور صاحب کنز الاعمال کے نسخہ میں مرفقین ہے، اب مرفقین تک مسح کرنے میں رسغین بھی یقیناً شامل ہو جاتے ہیں۔

(۱۲) حضرت امام حسن بصری بھی تیمّم کا یہی طریقہ سکھایا کرتے تھے کہ ایک ضرب چہرے کے لئے اور دوسری ضرب دونوں ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک۔

(عبدالرزاق ج ا ص ۲۱۲، طحاوی ج ا، ص ۸۱)

الغرض حجاز میں حضرت ابن عمرؓ اور عراق میں حضرت علیؓ بصرہ میں حضرت امام حسن بصریؒ یہی طریقہ سکھایا کرتے تھے۔

(۱۳) یہی مذہب امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام سفیان ثوریؒ، امام شافعیؒ، امام لیث بن سعد مصریؒ اور عام فقہاء کا ہے اور ابن المنذر نے یہی مذہب حضرت علیؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت بصریؒ، امام شعبیؒ اور سالم بن عبداللہؒ سے روایت کیا ہے کمافی شرح المہذب ج ۲ ص ۲۱۰ للنووی قال وہوقول اکثر العلماء (بحوالہ معارف السنن ج ا ص ۴۷۸) امام مالک کا یہی مسلک قواعد ابن رشد ج ا ص ۵۶ اور المدونۃ الکبریٰ ج ا ص ۴۶ پر مذکور ہے۔

حکیم صاحب اگر ان احادیث کو ضعیف ثابت کرنا چاہیں تو صراحۃً نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی روایت کا صحیح ہونا اور باقی سب احادیث کا جھوٹا ہونا ثابت کر دیں کسی غیر معصوم امتی کا قول ہرگز پیش نہ کریں کیونکہ اس کے نزدیک کسی غیر معصوم امتی کا قول دلیل شرعی

نہیں۔ رہا ہمارا مسلک تو یہ ہے کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحۃً کسی ایک حدیث کی ترجیح ثابت نہ ہو تو وہ فان لم تجد فيه میں شامل ہے اور اب باجازت رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجتہد کی طرف رجوع ہو گا چنانچہ ہم نے خیر القرون کے مجتہد اعظم امام ابوحنیفہ کی طرف رجوع کیا انہوں نے خیر القرون کے تعامل اور کتاب وسنت کو سامنے رکھ کر دو ضربوں سے تیمّم والی احادیث پر عمل کیا اور کروایا کیونکہ خیر القرون میں بلانکیر اسی پر عمل جاری تھا۔ اب خیر القرون کے مجتہد کے مقابلہ میں کسی مابعد الخیر القرون کے امتی کے اقوال کو پیش کرنا گویا حدیث خیر القرون کی کھلم کھلا مخالفت ہے۔

اور صادق صاحب یہ بھی یاد رکھیں کہ احناف کو کسی ایک حدیث کی مخالفت کا بھی کھٹکا نہیں کیونکہ جب دو ضرب سے تیمّم کرتے ہیں تو ان دو میں سے ایک ضرب یقیناً آجاتی ہے اس طرح دونوں حدیثوں پر عمل ہو جاتا ہے اور جب وہ کہنیوں تک مسح کرتے ہیں تو اس میں ہتھیلیاں اور پہنچے یقیناً آجاتے ہیں اور اس طرح اس طریقہ تیمّم میں سب احادیث پر عمل ہے اور کسی حدیث کی مخالفت لازم نہیں آتی۔

حکیم صاحب نے ایڑی سے چوٹی تک زور لگالیا لیکن یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ثابت نہ ہو سکا۔

اعتراض نمبر ۱۶:

پگڑی پر مسح

خاتم النبین ؐ کا عمل:

عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهٖ وَعَلَى الْعِمَامَةِ وَعَلَى الْخُفَّيْنِ. (صحیح مسلم)

"مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرتے وقت پیشانی کے اوپر کے بالوں، پر اور پگڑی پر...... اور موزوں پر مسح کیا؟

فقہ کا اختلاف:

حدیث میں اوپر آ گیا کہ حضورؐ نے پگڑی پر مسح کیا۔ لیکن حنفی مذہب پگڑی پر مسح کرنے سے روکتا ہے۔ حکم ہوتا ہے:

وَلاَ يَجُوْزُ الْمَسْحُ عَلَى الْعِمَامَةِ. (ہدایہ کتاب الطہارت)

''اور نہیں جائز مسح کرنا پگڑی پر۔''

حضور انورؐ تو پگڑی پر مسح کریں لیکن فقہ کا فتویٰ ہے کہ پگڑی پر مسح جائز نہیں! یہ بلا دلیل لاَ يَجُوْزُ کہنے والے کون ہیں؟

(سبیل الرسول ص ۲۵۳، شمع محمدی ص ۵۸، ظفر المبین ص ۷۳، فتح المبین ص ۵۵، اختلاف امت کا المیہ ص ۶۲)

جواب:

حکیم صاحب نے یہ مسئلہ شمع محمدی ص ۵۸ سے لیا اور صاحب شمع محمدی نے یہ مسئلہ ظفر المبین حصہ اول ص ۷۳ سے سرقہ کیا ہے اس کا اصل جواب تو فتح المبین میں دیکھیں ہم یہاں پر مختصر نقل کرتے ہیں۔ حکیم صاحب نے جو حدیث بیان کی ہے وہ بالکل ہمارے خلاف نہیں کیونکہ اس حدیث میں صرف پگڑی کے مسح کا ذکر نہیں بلکہ ساتھ ناصیہ کا ذکر بھی ہے اور ناصیہ کا ترجمہ خود حکیم صاحب نے (پیشانی کے اوپر کے بالوں) کا کیا ہے، ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ اگر سر کے چوتھائی حصہ کا مسح کر لیا۔ اور بقایا پورے سر کا مسح پگڑی پر کر لیا تو اس طرح کرنا جائز ہے کیونکہ فرض تو ناصیہ پر مسح کرنے سے پورا ہو گیا کیونکہ وضو میں چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے جب فرض ادا ہو گیا تو وضو ہو جائے گا۔

سر پر مسح کرنے کے دلائل

قرآن کریم:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ

اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُؤُسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ (المائدہ:٦)

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم کھڑے ہو نماز کی طرف پس دھولو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے سروں پر اور اپنے پاؤں کو بھی ٹخنوں تک دھولو۔

(پ ٦، سورۃ المائدہ آیت ٦)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے سر پر مسح کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک:

حدیث نمبر ۱:

امام بخاری نے بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے ایک روایت نقل کی ہے اس میں آتا ہے۔

ثُمَّ مَسَحَ رَاْسَهٗ بِیَدَیْهِ فَاَقْبَلَ بِهِمَا وَاَدْبَرَ بَدَاَ بِمُقَدَّمِ رَاْسِهٖ حَتّٰی ذَهَبَ بِهِمَا اِلٰی قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا اِلَی الْمَکَانِ الَّذِیْ بَدَاَ مِنْهُ.

(بخاری شریف جلد اول ص ۳۱، مسلم ج ۱ ص ۱۳۲)

ترجمہ: سر کا مسح کیا اپنے دونوں ہاتھوں سے آگے سے لے گئے ہاتھوں کو پیچھے سے لائے یعنی شروع سر کے اگلے حصے سے کیا اور ہاتھوں کو گدی تک لے گئے اور گدی سے واپس وہاں تک لائے جہاں سے شروع کیا تھا۔

حدیث نمبر ۲:

اَخْبَرَنَا مَالِكٌ قَالَ بَلَغَنِی عَنْ جَابِرِ بن عَبدِ اللّٰهِ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنِ الْعِمَامَةِ فَقَالَ لَا حَتّٰی یُمسَّ الشَّعْرَ الْمَاءَ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ وَهُوَ قَولُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ.

(موطا امام محمد مترجم ص ٤٦، ٤٧، باب المسح علی العمامة والخمار)

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ مجھے جابر بن عبداللہ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ ان سے

عمامہ کے بارہ میں سوال کیا گیا انہوں نے کہا عمامہ کا مسح نہ کرے۔ جب تک سر کے بالوں کا پانی سے مسح نہ کرے۔

امام محمدؒ کہتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

حدیث نمبر۳:

اَخبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ قَالَ رَأَيْتُ صَفِيْنَةً ابْنَةَ اَبِىْ عُبَيْدَةَ تَتَوَضَّأُ وَتَنْزَعُ خِمَارَهَا ثُمَّ تَمْسَحُ بِرَاْسِهَا قَالَ نَافِعٌ وَاَنَا يَوْمَئِذٍ صَغِيْرٌ.

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاْخُذُ لَا يَمْسَحُ عَلَى الْخِمَارِ وَلَا الْعِمَامَةِ بَلَغَنَا اَنَّ الْمَسَحَ عَلَى الْعِمَامَةِ كَانَ فَتُرِكَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَآئِنَا. (موطا امام محمد مترجم ص ۴۸، ۴۹)

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا نافع نے انہوں نے کہا کہ میں نے صفیہ بنت ابوعبیدہ (زوجہ عبداللہ بن عمرؓ) کو دیکھا کر وہ اپنی اوڑھنی اتار کو سر کا مسح کرتی تھیں۔ نافع کہتے ہیں ان دنوں میں چھوٹا سا تھا امام محمد کہتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے کہ پگڑی اور اوڑھنی پر مسح نہ کیا جائے ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ ابتداء میں عمامہ پر مسح تھا پھر ترک کر دیا گیا۔ یہی امام ابوحنیفہ اور ہمارے دوسرے علماء کا قول ہے۔

امام نووی شافعی کا حوالہ:

نووی شرح مسلم شریف میں لکھتے ہیں۔

وَلَوْ اُقْتَصَرَ عَلَى الْعِمَامَةِ وَلَمْ يَمْسَحْ شَيْئًا مِنَ الرَّاْسِ لَمْ يُجْزِهٖ ذٰلِكَ عِنْدَنَا بِلاَ خِلَافِ وَهُوَ مَذْهَبُ مَالِكٌ وَاَبِىْ حَنِيْفَةَ وَاَكْثَرِ الْعُلَمَاءِ.

(نووی شرح مسلم شریف ج۱، ص)

اور اگر فقط عمامے کا مسح کیا اور سر کو مطلق چھوڑ دیا تو نہیں کافی ہوگا۔ نزدیک ہمارے بلا خلاف اور یہی مذہب ہے امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور اکثر علماء کا۔

اعتراض نمبر ۱۷:

شراب کا سرکہ بنانا

حدیث میں حرمت:

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْخَمْرِ یُتَّخَذُ خَلًّا فَقَالَ لَاَ (مسلم)

''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا شراب کا سرکہ بنالیا جائے۔آپؐ نے فرمایا: ہرگز نہیں۔''

فقہ کا اختلاف:

وَاِذَا تَخَلَّلَتِ الْخَمْرُ حَلَّتْ سَوَآءٌ صَارَتْ خَلًّا بِنَفْسِهَا اَوْ بِشَیءٍ یُطْرَحُ فِیهَا وَلَا یُکْرَهُ تَخْلِیْلُهَا. (ہدایہ کتاب الاشربہ)

''شراب کا جب سرکہ بن گیا تو شراب حلال ہوگیا۔آپ ہی سرکہ بن جائے یا کسی چیز کے ملانے سے سرکہ بنالیا جائے (حلال ہے) اور شراب کا سرکہ بنانا مکروہ نہیں ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتویٰ دیں کہ شراب کا سرکہ بنانا ہرگز جائز نہیں لیکن حنفی مذہب کا فتویٰ ہے کہ شراب کا سرکہ بنانا جائز ہے؟ اب آپ ہی فیصلہ کرلیں کہ حدیث کی مخالفت کا کیا انجام ہوسکتا ہے۔امام ابوحنیفہؒ کا مشہور فرمان ہے:

اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَهُوَ مَذْهَبِیْ.

''صحیح حدیث میرا مذہب ہے۔''

پس صحیح مسلم کی صحیح حدیث میں آ گیا کہ شراب کا سرکہ بنانا ناجائز ہے۔تو حنفی بھائی کو اس حدیث کی رو سے شراب کی تحلیل کو حرام سمجھنا چاہیے۔

(سبیل الرسول ص ۲۵۴، شمع محمدی ص ۶۵، ظفر المبین ص ۶۷، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۵۵، اختلاف امت کا المیہ ص ۶۳، احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ ص ۴۴)

جواب:

حکیم صاحب نے یہ مسئلہ شمع محمدی سے لیا اور صاحب شمع محمدی نے یہ مسئلہ بھی ظفر المبین حصہ اول ص ٦٧، وص ٢٤٠ سے سرقہ کیا تھا اس کا جواب بھی اسی زمانہ میں فتح المبین ص ٦٤ میں دیا گیا ہم وہ ہی یہاں پر نقل کرتے ہیں۔

اقول:

کہا علامہ عینی نے شرح کنز الدقائق میں کہ ہماری دلیل قول اللہ تعالیٰ کا ہے حلال کی گئیں واسطے تمہارے پاک چیزیں اور تحقیق عین شراب کا متغیر ہو گیا ہے اور سرکہ بالطبع پاک ہوتا ہے حلال ہوگا اور دوسری دلیل قول علیہ السلام کا اچھا نان خورش سرکہ ہے روایت کیا اس کو مسلم نے اور یہ مطلق ہے پس شامل ہوگا اس کی تمام صورتوں کو اور مراد نہی سے جو کہ حدیث میں وارد ہے یہ ہے کہ شراب کا استعمال سرکے کا سا ہو باین طور کہ اس سے نفع مثل سرکہ کے لیا جائے مثل نان خورش بنانے وغیرہ کے اگر کہے تو کہ روایت کی ابوداؤد اور امام احمد نے انس سے کہ ابوطلحہ نے سوال کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ یتیم شراب کے وارث ہو گئے ہیں فرمایا بہادو اس کو عرض کیا گیا سرکہ اس کا نہ بنالیں فرمایا نہیں میں کہتا ہوں روایتیں اس میں مختلف آئی ہیں ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ فرمایا آپ نے فرمایا سرکہ بنالو اس کا پس حجت نہیں ہو سکتی اور اگر ثابت ہو جیسا کہ کہا انہوں نے حمل کیا جائے گا اس پر کہ ممانعت ابتدائے اسلام میں تھی جس وقت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بابت خمر کے مبالغہ فرماتے تھے واسطے زجران کے اور واسطے چھوڑ دینے عادت مالوفہ کے کیا نہیں جانتا تو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا مٹکے توڑنے کا اگر چہ اب جائز نہیں اسی طرح سرکہ بنانے کو سمجھنا چاہیے انتہیٰ اور شرح مسلم نے لکھا کہ یہ مذہب اوزاعی اور لیث کا ہے اور امام مالک سے بھی ایک روایت میں یہ آیا ہے انتہی۔

اعتراض نمبر ۱۸:

کتے کی خرید وفروخت

حدیث میں حرام:

عَنْ أَبِیْ مَسْعُودٍ الْاَنْصَارِیِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ ثَمَنِ الْکَلْبِ وَمَھْرِ الْبَغِیِّ وَحُلْوَانِ الْکَاھِنِ.

(مشکوٰۃ کتاب البیوع بحوالہ بخاری و مسلم)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت، زانیہ کی زنا کی اجرت اور کاہن کے حلوا (شیرینی، اجرت) سے منع کیا ہے۔"

اس حدیث میں کتے کی خرید وفروخت سے حضور نے منع کیا ہے۔ لیکن حنفی مذہب کا فتویٰ ملاحظہ ہو!

فقہ کا اختلاف:

یَجُوْزُ بَیْعُ الْکَلْبِ. (ہدایہ کتاب البیوع)

"کتے کی خرید وفروخت جائز ہے۔"

حنفی بھائیو! تقلید جامد چھوڑ دو اور دلیل (حدیث) کی روشنی میں کتے کی خرید وفروخت کو ناجائز مان لو کہ اتباع رسول کی قرآن میں تاکید آئی ہے۔

(سبیل الرسول ص ۲۵۵، شمع محمدی ص ۶۹، ظفر المبین ص ۱۶۵، فتح المبین ص ۵۲، اختلاف امت کا المیہ ص ۶۵، احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ ص ۴۸، مقلدین ائمہ کی عدالت میں ص ۲۱۸، نتائج التقلید ص ۱۲۰)

جواب:

حکیم صاحب نے یہ مسئلہ شمع محمدی سے لیا اور صاحب شمع محمدی نے یہ مسئلہ ظفر المبین

ص ۱۶۵، وص ۲۴۳، حصہ اول سے سرقہ کیا ہے اس کا مفصل جواب فتح المبین ص ۱۶۷ تا ۱۷۰ پر موجود ہے۔ یہاں پر ہم مختصر نقل کرتے ہیں۔

شریعت میں کتے کا حکم تدریجاً نازل ہوا ہے۔

قرآن:

آیت: فَكُلُوْا مِمَّا اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ (المائدہ:۴) تو کھاؤ اس شکار میں سے جو وہ (شکاری کتے وغیرہ) مار کر تمہارے لئے رہنے دیں اور اس پر اللہ کا نام لو۔ (المائدہ)

حدیث نمبر ۱:

ابن المغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ ثُمَّ رَخَّصَ فِيْ كَلْبِ الصَّيْدِ وَكَلْبِ الْغَنَمِ پھر شکاری کتے کی اور بکریوں کے محافظ کی رخصت دے دی۔ (مسلم ج ۲ ص ۲۵)

حدیث نمبر ۲:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اِذَا اَرْسَلْتَ الْكَلْبَ الْمُعَلَّمَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَاَخَذَ فَكُل جب تو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر سدھایا ہوا کتا شکار پر چھوڑے اور کتا اسے پکڑ لے تو ایسے شکار کا کھانا تیرے لئے جائز ہے۔ (نسائی جلد ۲ ص ۱۹۲)

حدیث نمبر ۳:

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ شکاری کتے کی قیمت سے منع نہیں فرمایا۔ (نسائی ص ۱۹۵، بیہقی ج ۶ ص ۱۱)

حدیث نمبر ۴:

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رخص رسول الله عليه وسلم فی

ثمن کلب الصید حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شکاری کتے کی قیمت لینے کی اجازت دی۔ (مسند امام اعظم ص ۱۶۹)

معلوم ہوا کہ ابتداء اسلام میں ہر قسم کے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا پھر صرف کالے کتے کو قتل کا کہا گیا پھر مفید اور غیر مضر کتوں کے حق میں یہ حکم فرما دیا گیا جو قرآن اور دیگر احادیث میں موجود ہے بلکہ جو کتا شکار کر سکتا ہے اس کے شکار کو بھی قرآن وحدیث نے حلال قرار دیا۔ علماء احناف کی نظر چونکہ قرآن مجید پر اور سب حدیثوں پر ہے اور مختلف حدیثوں میں تطبیق دینے کی بفضلہٖ تعالیٰ بہت بڑی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے فرمایا کہ جو کتے ضرر دیتے ہیں اور فائدہ نہیں دے سکتے ان کی خرید وفروخت بمطابق حدیث ابی مسعودؓ انصاری منع ہے اور جو کتے ایسے نہیں ان کی خرید وفروخت منع نہیں جائز ہے جو کچھ ان حدیثوں سے ثابت ہوا ہے وہی کچھ ہدایہ میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ ہدایہ کے علاوہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ عالمگیری

بَیْعُ الْکَلْبِ الْمُعَلَّمِ جَائِزٌ ...... وبیع الْکَلْبِ الْغَیْرِ الْمُعَلِمِ یَجُوْزُ اِذَا کَانَ قَابِلاً وَاِلَّا فَلاَ هُوَ الصَّحِیْحُ جو کتا شکار کے لئے سدھایا گیا ہو یا سدھایا جا سکتا ہو صرف اس کی بیع جائز ہے اور جو ایسا نہیں اس کی خرید وفرفت منع ہے یہی صحیح ہے۔ (جلد۳ ص ۱۱۴)

سوال: حدیث نمبر۳ کو نسائی شریف میں لیس هو بصحیح کہا گیا ہے۔

الجواب: لیکن امام نسائی نے "الرخصة فی ثمن الکلب" کا عنوان قائم کر کے اس حدیث سے شکاری کتے کی قیمت کا جواز ثابت کیا ہے معلوم ہوا کہ محدث مذکور کے نزدیک یہ حدیث "لیس هو بصحیح" کہلانے کے باوجود درجہ استدلال واحتجاج سے ساقط نہیں کیونکہ ماہرین اصول حدیث جانتے ہیں کہ عدم صحت سند مضمون حدیث کی عدم صحت کو مستلزم نہیں ہوتا چنانچہ ترمذی ج ۱ ص ۱۳۳، ومشکوٰۃ ص ۲۷۵ میں ایک ایسی حدیث کو لاَ یَصُحّ مِنْ قِبَلِ اِسْنَادِهٖ کہا گیا ہے۔ جس کا مضمون سورۃ النساء ۴، آیت ۱، کے موافق ہونے کی وجہ

سے بالکل صحیح ہے نیز حدیث نمبر۴ نے الاحادیث بعضھا تضری بعضا کے ضابط کے تحت اس حدیث کو مستحکم کر دیا ہے۔ بلکہ قرآن وحدیث کی جن مقدس نصوص نے کتے کے شکار کو حلال قرار دیا ہے انہی کے ضمن میں اس کی خریداری کا جواز بھی ثابت ہو جاتا ہے اور حدیث نسائی کو مزید تقویت مل جاتی ہے کیونکہ اسلام مجموعہ اضداد کا نام نہیں کتے کا شکار تو حلال ہو اور اس کی خریداری حرام اور قیمت ممنوع ہو۔

حدیث:

ایک دفعہ ایک شخص نے کسی کے شکاری کتے کو قتل کر دیا تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے قَضٰی فِیْ کَلْبِ صَیْدٍ قَتَلَهُ رَجُلٌ بِأَربعین دِرهِمًا فرمایا کہ کتے کا قاتل اس کے مالک کو چالیس درہم ادا کرے۔ (بیہقی، طحاوی جلد۲ ص ۳۲۸) اگر شکاری کتے کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوتی تو مندرجہ ذیل فیصلہ ہرگز نہ فرمایا جاتا۔

اعتراض نمبر۱۹:

متنفل کے پیچھے مفترض کی اقتدا

حدیث میں جواز:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ کَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ یُصَلِّیْ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ یَأْتِیْ قَوْمَهُ فَیُصَلِّیْ بِهِمْ. (بخاری ومسلم)

''حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبلؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز (عشاء) پڑھتے تھے۔ پھر اپنی قوم کے پاس جا کر ان کی امامت کراتے۔''

اس سے ثابت ہوا کہ متنفل امام کے پیچھے مفترض مقتدی کی نماز ہو جاتی ہے۔ گویا یہ امت کے لیے آسانی ہے۔ لیکن حنفی مذہب کا فتویٰ اس کے خلاف ہے۔ دیکھیے:

فقہ کا اختلاف:

وَلَا یُصَلِّی الْمُفْتَرِضُ خَلْفَ الْمُتَنَفِّلِ. (کتب فقہ)

''اور فرض پڑھنے والے کی نماز نفل پڑھنے والے کے پیچھے نہیں ہوتی۔''

غور فرمائیں کہ حدیث میں نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی نماز ہو جاتی ہے۔ معاذؓ متنفل مفترضوں کی امامت کراتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم منع نہیں فرماتے، لیکن حنفی مذہب بنانے والے ایسا کرنے سے منع کرتے ہیں۔ فرض پڑھنے والوں کو نفل پڑھنے والے کی اقتدا سے روکتے ہیں، آخر کیوں؟ حنفی بھائیو! غور کرو! کیا یہ حدیث کا مقابلہ نہیں ہے؟

قلندران طریقت بہ نیم جو نخرند!
قبائے اطلس آنکس کہ از ہنر عاریست

(سبیل الرسول ص ۲۵۶، شمع محمدی ص ۱۵۵، ظفر المبین جدید حصہ دوم ص ۵۲، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۵۲، اختلاف امت کا المیہ ص ۶۳، احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ ص ۱۵)

جواب:

حکیم صاحب نے یہ مسئلہ شمع محمدی سے لیا ہے اور صاحب شمع محمدی نے ظفر المبین حصہ دوم ص ۵۲ سے سرقہ کیا ہے۔ اس کا جواب ہماری طرف سے کئی بار دیا جا چکا ہے۔

(۱) حکیم صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے اس میں کسی نماز کا ذکر نہ تھا مگر حکیم صاحب نے ترجمہ میں عشاء کا لفظ اپنے پاس سے بخاری مسلم سے بڑھا دیا ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ حضرت معاذؓ کس نیت سے پڑھتے اس کا کوئی ذکر نہیں کیونکہ نیت تو ایک باطنی امر ہے اس پر کوئی دوسرا مطلع نہیں ہو سکتا جب تک نیت کرنے والا خود نہ بتائے اس لئے یہ بات درست ہوگی کہ حضرت معاذؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نفل کی نیت سے نماز پڑھتے ہوں تا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کا طریقہ سیکھ سکیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ کر برکت حاصل کر سکیں اور پھر اپنی قوم کے پاس

جا کر فرض نماز پڑھاتے ہوں جب اس بات کا احتمال ہے تو دوسرے حضرات کا استدلال درست نہ ہوگا۔

اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ ایک صحابی رسول کے فعل کو ایسے معنی پر محمول کرنا جو متفق علیہ ہے زیادہ بہتر ہوگا ایک ایسے معنی پر محمول کرنے سے جو مختلف فیہ ہے (چنانچہ نفل نماز کی نیت کے ساتھ اس امام کے پیچھے نماز پڑھنی جو فرض نماز پڑھ رہا ہو۔ بالاتفاق سب کے نزدیک جائز ہے لیکن نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے فرض والے کی نماز میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے، احناف، مالکیہ، حنابلہ اس کے قائل نہیں)

نیز مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

عَنْ مَعَاذِ بنِ رِفَاعَةَ عَنْ سُلَيْمٍ رجل مِنْ بَنِي سَلَمَةَ قَالَ رَسُول الله صلى الله عليه وسلم يا معاذ بن جَبَلٍ لَا تَكُنْ فَتَّانًا اِمَّا ان تصلى معى وانا ان تُخفف على قومك. (مسند احمد ج۵ ص۷۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ سے فرمایا اے معاذ بن جبل: یا تو تم میرے ساتھ نماز پڑھو اور پھر اپنی قوم کے ساتھ ہلکی نماز پڑھو۔

اس کا معنی یہی ہے کہ یا تو تم فرض نماز میرے ساتھ پڑھو اور اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ فرض نہ پڑھو، اور یا میرے ساتھ فرض نہ پڑھو تا کہ وہ تمہارا انتظار نہ کریں۔

چنانچہ امام عبدالسلام ابن تیمیہ جو اکابر حنابلہ میں سے ہیں (صاحب منتقی) (یہ مشہور امام ابن تیمیہ کے دادا ہیں) کہتے ہیں۔

وَقَدِ احْتَجَّ بِهِ بَعْضُ مَنْ مَنَعَ اِقْتِدَاءَ الْمُفْتَرِضِ بِالْمُتَنَفِّلِ قَالَ لِاَنَّهُ يَدُلُّ عَلٰى اَنَّهُ مَتٰى صَلّٰى مَعَهُ اِمْتَنَعَتْ اِمَامَتُهُ وَبِالْاِجْمَاعِ لَا تَمْتَنِعُ بِصَلَاةِ النَّفْلِ مَعَهُ فَعُلِمَ اَنَّهُ اَرَادَ بِهٰذَا الْقَوْلِ صَلَاةَ الْفَرْضِ وَاَنَّ الَّذِيْ كَانَ يُصَلِّيْ مَعَهُ كَانَ يَنْوِيْهِ نَفْلاً.

(منتقى مترجم ج۱ ص۵۷۸)

جو نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی نماز کو درست نہیں قرار دیتے، اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اس حدیث میں دلالت ہے اس بات پر کہ فرض پڑھنے والے کی اقتداء نفل پڑھنے والے کے پیچھے نہیں ہوتی کیونکہ جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تو پھر ان کی امامت ممنوع ہوگی حسر والی تقسیم کا یہی مقتضیٰ ہے اور یہ بات بالاجماع ثابت ہے، اگر وہ آپ کے پیچھے نفل کی نیت سے نماز پڑھیں تو پھر ان کی امامت ممنوع نہ ہوگی۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ معاذؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مامور تھے کہ وہ اپنی قوم کو امامت کرائیں تو ظاہر ہے وہ فرض نماز یقیناً اپنی قوم کے ہمراہ جماعت کے ساتھ ہی ادا کرتے تھے۔(شرح نقایہ ج ا ص ۸۸)

اس حدیث میں یہ نہیں آیا کہ حضرت معاذؓ نے یہ کام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے کیا ہو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اجازت دی ہو کہ فرض میرے پیچھے پڑھ لیا کرو اور نفل کی نیت سے اپنے مقتدیوں کو پڑھا دیا کرو۔ زیادہ سے زیادہ یہ حضرت معاذؓ کا عمل تھا مگر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسم کو اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو منع فرما دیا۔

اعتراض نمبر۲۰:

ارکان نماز کی اہمیت

حدیث میں ارکان کی فرضیت:

مشکوٰۃ میں صحیح بخاری کے حوالہ سے حدیث میں موجود ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ کے سامنے تین چار بار نماز پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بار اسے فرمایا: اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ. لوٹ جاؤ، پھر نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ آخر اس نے عرض کیا: حضور مجھے نماز سکھاؤ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وہ غلطیاں بتائیں جن کے سبب

نماز نہیں ہوتی تھی۔ سنوار کر وضو کرنے، قبلہ رخ کھڑے ہو کر تکبیر کہہ کر، قرأت پڑھنے کی ہدایت کے بعد فرمایا:

ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا پھر رکوع کر یہاں تک کہ اطمینانِ خاطر سے رکوع کرے تو ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِيَ قَائِمًا پھر اٹھا (سر) یہاں تک کہ سیدھا کھڑا ہو تو (قومہ میں) ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا پھر سجدہ کر یہاں تک کہ اطمینان خاطر سے سجدہ کرے تو ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا پھر اٹھا (سر) یہاں تک کہ اطمینان خاطر سے بیٹھے تو (جلسہ میں) ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا پھر سجدہ کر یہاں تک کہ اطمینان خاطر سے سجدہ کرے تو۔"

حضرت انورؐ نے جو اس شخص کو بار بار نماز لوٹانے کا حکم دیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جلدی جلدی رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ کرتا تھا بغیر اطمینان کے ارکان سے گزرتا تھا۔ (جس طرح آج کل عام نمازی بڑی پھرتی سے نماز پڑھتے ہیں) جلدی جلدی ٹھونگیں مارتے ہیں، حضورؐ نے اس کو تاکید کی کہ وہ بڑے آرام سے رکوع کرے، پھر آرام سے سیدھا کھڑا ہو جائے۔ یعنی بڑے آرام و اطمینان سے قومہ بجالائے۔ پھر آرام سے سجدہ کرے۔ پھر بڑے اطمینان سے جلسہ کرے یعنی سجدے سے اٹھ کر اطمینان سے بیٹھے۔ پھر دوسرا سجدہ آرام سے کرے۔"

حضورؐ کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ نماز کے فرض اور رکن ہیں۔ ان کی طمانیت کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اب فقہ میں ان ارکان کے متعلق حکم ملاحظہ ہو۔

فقہ میں اختلاف:

اَمَّا الْاِسْتِوَآءُ قَآئِمًا فَلَيْسَ بِفَرْضٍ (ہدایہ)

"رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا فرض نہیں۔"

كَذَا الْجَلْسَةُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ (ہدایہ)

"اسی طرح دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا (جلسہ) بھی فرض نہیں۔"

وَالطَّمَانِيَةُ فِي الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ وَهٰذَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَمُحَمَّدٍ (ہدایہ)

''اور رکوع اور سجدہ بھی اطمینان سے کرنا فرض نہیں، امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک یہی حکم ہے۔''

غور کیا آپ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فرمائیں کہ رکوع کے بعد سیدھے کھڑے ہو جاؤ کہ قومہ فرض ہے، لیکن بقول صاحب ہدایہ، امام ابوحنیفہؒ کہیں کہ رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا فرض نہیں۔ حضور انورؐ فرمائیں بڑے اطمینان سے رکوع کرو اور بڑے اطمینان سے سجدہ کرو (کہ رکوع اور سجدہ میں اطمینان فرض ہے) لیکن بقول صاحب ہدایہ امام ابوحنیفہؒ کہیں رکوع اور سجدہ میں اطمینان فرض نہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں کہ دونوں سجدوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھو (کہ جلسہ فرض ہے) بقول صاحب ہدایہ امام ابو حنیفہ کہیں، دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا یعنی جلسہ فرض نہیں۔

حنفی بھائیوں کے لیے لمحہ فکریہ

برادران احناف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس اور آپ کی اطاعت کی فرضیت کو سامنے رکھ کر جواب دیں کہ آپ نے حضرت انورؐ کے حکم (اطمینان سے قومہ کرنا) کو ترک کر کے امام کے حکم (قومہ فرض نہیں) کو مان کر قومہ کی طمانیت ترک کر دی ہے۔ یعنی رکوع کے بعد آرام سے کھڑا ہونا چھوڑ رکھا ہے بلکہ قومہ میں حضورؐ کی دعا: حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ بھی نہیں پڑھتے۔ یہاں تک کہ اکثر تو صرف اشارہ کر کے سجدہ میں چلے جاتے ہیں، اور اسی طرح حضورؐ کے حکم (رکوع اور سجدہ کی طمانیت) کو ترک کر کے امام کے حکم (رکوع اور سجدہ میں طمانیت فرض نہیں) کو مان کہ رکوع اور سجدہ آرام سے نہیں کرتے، اور حضور اکرمؐ کے حکم (اطمینان سے جلسہ کرنا) کو ترک کر کے امام کے حکم (جلسہ فرض نہیں) کو تسلیم کر کے دو سجدوں کے درمیان آرام سے نہیں بیٹھتے بلکہ حضورؐ کی فرمودہ دُعا: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاهْدِنِیْ وَعَافِنِیْ وَارْزُقْنِیْ بھی نہیں پڑھتے۔ حالانکہ حضور انورؐ نے

ان ارکان میں کوتاہی کرنے والے نمازی کو فرمایا تھا، فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ تو نے نماز پڑھی ہی نہیں پھر آپ حضرات نے ارکان اربعہ کی فرضیت کو ترک کر کے مقابلہ میں قولِ امام پر عمل کر رکھا ہے۔ کل قیامت کو جب خدا نے پوچھا کہ تم نے نماز کس کے طریقے پر پڑھی؟ تو آپ کیا جواب دیں گے؟ پیارے بھائیو! یاد رکھو! خدا تعالیٰ اسی عمل کو قبول کرے گا جو سنت کے مطابق، فرمودۂ رسولؐ کے موافق ہوگا، اور جو ارشاد سید المرسلینؐ سے بے اعتنائی برت کر کیا ہوگا، وہ ہرگز بارآور نہیں ہوگا۔ اس کا کچھ اجر نہیں ملے گا۔ نماز کے متعلق حضورؐ نے فرمایا:

صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ (بخاری شریف)

''پڑھو نماز (ہو بہو) جس طرح میں پڑھتا ہوں۔''

پس آپ حضورؐ کے فرمان کے مطابق نماز کے ارکان اربعہ کو فرض جان کر بڑے آرام و اطمینان سے ادا کریں اور جو اقوال حدیث پاک کے مطابق نہ ہوں، انہیں ترک کر دیں کہ رحمت عالمؐ کی محبت اور اطاعت کا یہی تقاضا ہے۔

از پیام مصطفیٰ آگاہ شو!

فارغ از ارباب دون اللہ شو!

(سبیل الرسول ص ۲۵۷، ظفر المبین ص ۱۰۸، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۵۸، اختلاف امت کا المیہ ص ٦٧)

جواب:

حکیم صاحب نے اس مسئلہ میں بھی صرف عوام کو دھوکہ دیا ہے۔ یہاں پر اختلاف صرف یہ تھا کہ اطمینان کرنا، فرض ہے واجب ہے کہ سنت ہے۔ اور یہ اختلاف فقہاء میں اس وجہ سے ہوا کہ احادیث میں بھی پایا جاتا ہے۔ حکیم صاحب نے اس کو فرض کہا ہے۔ حکیم صاحب کو چاہیے تھا کہ پہلے فرض کی تعریف کرتے پھر اس کو فرض ثابت کرنے کے لیے دلائل دیتے حکیم صاحب نے یہ تو نہ کیا بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ ایک جھوٹ لگا دیا فرماتے

ہیں۔

غور کیا آپ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فرمائیں کہ رکوع کے بعد سیدھے کھڑے ہو جاؤ (کہ قومہ فرض ہے) سبیل الرسول ص ۲۵۹ میں مزید فرماتے ہیں:

حضور انور حکم دیں کہ دونوں سجدوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھو (کہ جلسہ فرض ہے) (سبیل الرسول ص ۲۵۹)

ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرض کا لفظ استعمال نہیں فرمایا اگر کسی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قومہ یا جلسہ کو فرض کہا ہے تو وہ پیش کرو۔

بہر حال امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قومہ اور جلسہ اطمینان سے کرنا واجب ہے۔ اور یہی فقہ حنفی کا مفتیٰ بہ مسلک ہے۔ ملاحظہ فرمائیں علمائے احناف کی تصریحات

شرح وقایہ کا حوالہ:

فقہ حنفی کی مشہور کتاب۔ شرح وقایہ باب صفۃ الصلوٰۃ میں واجبات نماز کا ذکر کرتے ہوئے صاحب وقایہ لکھتے ہیں:

اور ارکان کا اطمینان سے ادا کرنا واجب ہے۔ امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کا اس میں اختلاف ہے اس لیے کہ ان دونوں کے نزدیک فرض ہیں اور وہ رکوعؑ اور سجدہ کو اطمینان سے ادا کرنا اور اس کی مقدار ایک تسبیح کے برابر ہے۔ اور ایسے ہی رکوع اور سجدہ اور دونوں سجدہ کے درمیان اطمینان کرنا۔ (اشرف الوقایہ شرح اردو شرح الوقایہ ج ۱ ص ۱۵۴)

مفسر قرآن صوفی عبدالحمید سواتیؒ حنفی واجبات نماز کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تعدیل ارکان:

نماز میں تعدیل ارکان بھی واجب ہے۔ یعنی رکوع، سجود، قومہ، جلسہ اطمینان سے ادا کرنا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ اَعْرَابِیًّا جَاءَ فَصَلّٰی وَسَلَّمَ عَلَیْهِ فَقَالَ

اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَفَعَلَ ثَلاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا اُحْسِنُ غَیْرَ هٰذَا فَعَلِّمْنِیْ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ اِلَی الصَّلٰوةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَیَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰی تَسْتَوِیَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِیْ صَلٰوتِكَ كُلِّهَا.

(بخاری ج۱ ص۱۰۹، مسلم ج۱ ص ۱۷۰)

وَفِیْ رِوَایَةِ اَبِیْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیِّ فَاِذَا فَعَلْتَ هٰذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلٰوتُكَ وَمَا انْتَقَصْتَ مِنْ هٰذَا فَقَدِ انْتَقَصْتَ مِنْ صَلٰوتِكَ.

(ابوداؤد ج۱ ص۱۲٤، ترمذی ص ۷۰)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی آیا اور اس نے نماز پڑھی اور آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واپس لوٹ کر پھر نماز پڑھو۔ تم نے تو نماز نہیں پڑھی۔ اس نے تین دفعہ ایسا کیا اور آپ نے اسی طرح فرمایا۔ پھر اس شخص نے عرض کیا۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں اس سے اچھی نماز پڑھنی نہیں جانتا۔ آپ مجھے سکھلا دیں۔ تو آپ نے فرمایا جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو پہلے تکبیر کہو پھر جتنا قرآن میسر ہو پڑھو، پھر رکوع کرو اطمینان سے پھر رکوع سے سر اٹھاؤ اور سیدھے کھڑے ہو پھر سجدہ کرو اطمینان سے، پھر اسی طرح اپنی تمام نماز میں کرتے رہو۔ ابوداؤد اور ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں اور جب تم نے یہ پورا کر لیا تو تم نے اپنی نماز کو پورا کر لیا اور جو تم نے کم کیا اس سے تو بے شک تم نے اپنی نماز میں نقص کیا۔

(نماز مسنون ص ۳۰٦)

متکلم اسلام حضرت مولانا محمد الیاس گھمن حنفی لکھتے ہیں:

پندرہویں اعتراض کا جواب:

احناف کے نزدیک رکوع اور سجدہ میں اطمینان واجب ہے۔ طمانیت کی تین حالتیں

ہیں۔ایک وہ طمانیت ہے۔جس سے رکوع اور سجدہ مکمل ہوتا ہے اور اس کے بغیر رکوع اور سجدہ ہوتا ہی نہیں اور وہ یہ ہے کہ پہلی حرکت ختم ہو جائے۔اور یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک واجب ہے اور امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالی کے نزدیک فرض ہے یعنی رکوع کی جانب جھکنے کی حرکت مکمل ہو جائے اور رکوع کی حالت شروع ہو جائے۔ اسی طرح سجدہ کی جانب جھکنے کی حرکت مکمل ہو جائے اور سجدہ کی حالت شروع ہو جائے اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب کہ ہر جوڑا اپنی جگہ پر آ جائے۔ جیسا کہ علامہ برکلی نے معدل الصلوٰۃ میں لکھا ہے۔

اور طمانیت کی دوسری حالت یہ ہے کہ رکوع وسجدہ کی حالت مکمل ہونے کے بعد ایک تسبیح کی مقدار اسی حالت میں رہنا یہ باقی حضرات کے نزدیک واجب ہے اور امام ابوحنیفہ سے روایت یہ ہے کہ سنت ہے اور طمانیت کی تیسری حالت یہ ہے کہ رکوع وسجدہ کی حالت مکمل ہونے کے بعد تین تسبیحات کی مقدار تک اسی حالت میں رہنا تو یہ سنت ہے۔اسی کو علامہ ابن حجر نے امام طحاوی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ تین تسبیحات کی مقدار تک رکوع اور سجدہ میں رہنا یہ رکوع اور سجدہ کی مقدار ہے۔

وخالفهم آخرون فقالوا اذا استوى راكعا واطمان ساجدا اجزاء ثم قال وهذا قول ابى حنيفة وابى يوسف ومحمد. (فتح الباری جلد اول ص۴۲۲)

اور دوسرے لوگوں نے اس نظریہ کی مخالفت کی اور کہا کہ جب آدمی رکوع میں برابر ہو جائے اور سجدہ میں اطمینان کرلے تو یہ جائز ہے اور یہ قول امام ابوحنیفہ، ابو یوسف اور امام محمد کا ہے۔

غیر مقلد عالم علامہ وحید الزمان صاحب فرماتے ہیں کہ رکوع کا کم از کم اطلاق اس پر ہوگا کہ کھڑا آدمی اس انداز کا جھک جائے کہ وہ اپنی ہتھیلیوں کو اپنے گھٹنوں سے لگا لے طمانیت کے ساتھ۔پس اگر اس نے جھکنے کی حرکت اور اٹھنے کی حرکت کے درمیان فاصلہ نہ کیا تو اس

کی نماز جائز ہوگی۔ (نزل الابرار ج اص ۷۸)

احناف کے نزدیک جس حدیث میں جس صحابی کو اطمینان سے نماز پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے اس میں رکوع اور سجدہ کو مکمل کرنے کا اطمینان بھی مراد ہوسکتا ہے اور اس سے زائد بھی۔ اگر اس سے وہ اطمینان مراد ہے جس سے سجدہ اور رکوع مکمل ہوتا ہے تو یہ احناف کے نزدیک بھی فرض ہے اور جو شخص اس کو ترک کرتا ہے اس کا رکوع اور سجدہ نہ ہونے کی وجہ سے نماز ہی نہ ہوگی۔

اور امام بخاری کے انداز سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی یہی اطمینان مراد ہے جس کے بغیر رکوع اور سجدہ پورا نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ باب قائم کرتے ہیں "**باب اذا لم یتم الرکوع** اور **باب امر النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام الذی لا یتم رکوعہ بالا عادۃ**" پھر آگے وہی نماز کی تعلیم والی روایت ذکر کی ہے۔

(بخاری ج اص ۱۰۹)

جب آدمی رکوع پورا نہ کرے تو اس کے بیان میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس آدمی کو نماز دوبار پڑھنے کا حکم جس نے رکوع پورا نہیں کیا تھا اس کے بیان میں باب اور رکوع اور سجدہ کے مکمل ہونے کے بارہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے:

لا تجزئ صلوۃ الرجل حتی یقیم ظھرہ فی الرکوع والسجود

(ابوداود، ج اص ۱۲۴)

آدمی کی نماز اس وقت تک جائز نہیں ہوتی جب تک رکوع اور سجدہ میں اپنی پشت کو برابر نہ کرے۔

اور اگر حدیث میں رکوع اور سجدہ کی حالت میں پہنچ جانے کے بعد اس سے زائد اطمینان مراد ہے تو مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ امام صاحب نے اس کو سنت اور باقی احناف نے واجب اور شوافع نے اس کو فرض کہا ہے۔ فرض نہ ہونے کے دلیل یہ ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

تعدیل میں نقص کونماز کا نقصان بتایا ہے۔

اور نماز میں سنت کو چھوڑ دینے سے نماز مع الکراہت ہو جاتی ہے اسی وجہ سے فتاویٰ عالمگیری میں امام صاحب اور امام محمد کے نزدیک مسئلہ کی جوصورت تھی اس کو بیان کیا کہ

فان ترك الطمانية تجوز صلوته عند ابی حنيفة و محمد

(عالمگیری ج ا ص ۴۷)

پس اگر نمازی نے طمانیت کو چھوڑ دیا تو اس کی نماز امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہو جائے گی۔ اور اس طمانیت سے مراد بقدر تسبیح یا اس سے زائد اطمینان ہے اور اس سے پہلے عالمگیری میں ہے کہ اگر کسی نے صرف ایک دفعہ تسبیح پڑھی تو یہ جائز تو ہے مگر مکروہ ہے۔

عالمگیری کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس کا درجہ فرض واجب نہیں بلکہ اس سے کم کا ہے اسی لیے امام صاحب سے روایت اس کے سنت ہونے کی ہے جب کہ احناف کا مفتی بہ قول اس کے وجوب کا ہے۔ جس کے بھول کر چھوڑنے کی وجہ سے سجدہ سہو لازم آتا ہے۔ اور جان بوجھ کر چھوڑنے سے نماز کا اعادہ لازم آتا ہے۔

(ملاحظہ ہوا البحر الرائق ج ا ص ۲۹۹، ۳۰۰، بہشتی زیور ص ۱۱۹، بحوالہ جی ہاں فقہ حنفی قرآن و حدیث کا نچوڑ ہے، ص ۱۸۶ تا ۱۸۹)

اعتراض نمبر ۲۱:

جماعت کھڑی ہونے پر سنتیں پڑھنا

ممانعت رسولؐ:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا صَلٰوةَ اِلَّا الْمَکْتُوْبَةَ. (صحیح مسلم)

''حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب فرض نماز (کی جماعت) کھڑی ہو جائے تو اس فرض نماز کے سوا اور نماز (پاس)

نہیں ہوتی۔"

حدیث بالا سے ثابت ہو گیا کہ جب فرض کی جماعت کھڑی ہو جائے تو پاس کوئی نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ وہ نماز ہوگی ہی نہیں، لیکن فقہ کا حکم ہے پڑھ لو۔ فتویٰ ملاحظہ ہو:

فقہ کا اختلاف:

مَنِ انْتَهٰى اِلَى الْاِمَامِ فِيْ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَهُوَ لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ اِنْ خَشِيَ اَنْ تَفُوْتَهٗ رَكْعَةٌ وَيُدْرِكَ الْاُخْرٰى يُصَلِّيْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ. (ہدایہ)

"صبح کی نماز باجماعت ہو رہی ہو تو جو شخص امام کے پاس پہنچے اور اس نے دو رکعت سنتیں نہ پڑھی ہوں وہ ڈرے کہ ایک رکعت فوت ہو جائے گی، اور دوسری رکعت سے پالے گا، تو اسے امام سے ہٹ کر مسجد کے دروازے کے پاس دو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہو جانا چاہیے۔"

غور کریں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جماعت کے ہوتے پاس کوئی نماز پڑھنی، منع کرتے ہیں: لا صلوۃ فرماتے ہیں کہ نماز ہوتی ہی نہیں لیکن فقہ کا حکم یہ ہے کہ اگر ایک رکعت فرض مل جانے کی امید ہو تو پاس سنتیں پڑھ لو۔ سنتیں ضرور پڑھ لو خواہ فرضوں کی ایک رکعت جاتی رہے!

آج سارے ملک کے اندر حنفی صبح کی جماعت کے ہوتے ہوئے پاس سنتیں پڑھتے ہیں۔ حضورؐ کی حدیث سنائیں کہ فرض نماز کے ہوتے ہوئے پاس نماز پڑھنی منع ہے تو کوئی پروا نہیں کرتے اور فقہ کے حکم سے جماعت کے پاس سنتیں پڑھے جاتے ہیں گویا تقلید جامد کی ظلمت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کئے جاتے ہیں۔

حنفی بھائیو! خدا کا خوف کرو، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو دبا کر امام کے قول کو غالب کر کے سنتیں پڑھتے ہو۔ قیامت کے روز حدیث کے خلاف احکام فقہ پر آپ کے

اعمال جب خدا کے سامنے پیش ہوئے تو خدا اُن کا کیونکر اجر دے گا؟ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوں گے اور امام ابو حنیفہ کہیں گے: خداوندا! میں کوئی کتاب اپنے اقوال کی لکھ کر اپنے پیچھے نہیں چھوڑ گیا تھا کہ لوگ ان پر عمل کریں اور حنفی مذہب بنا لیں۔ اللہ تو گواہ ہے کہ میں نے کہا تھا کہ اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَھُوَ مَذْھَبِیْ ''میرا مذہب صحیح حدیث ہے۔'' پھر جن لوگوں نے خواہ مخواہ مجھے امام اعظم بنا کر میری تقلید شروع کی اور خود خلاف احادیث اقوال کا طومار گھڑ کر میرے ذمہ لگایا۔ آج ان کو پکڑے۔ میں بری الذمہ ہوں۔

حدیث کو دانستہ چھوڑ کر حضرت امام ابو حنیفہؒ کے (فرضی) اقوال پر چلنے والوں کو خدا کے غضب سے ڈرنا چاہیے۔ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے دانستہ حدیث کے خلاف حکم دیا ہو؟ یہ خلاف حدیث اقوال اور مغائر دین طومار بعد کے لوگوں کا گھڑا ہوا ہے، اس پر اندھا دھند نہ چلیں۔ جو باتیں حدیث کے مطابق ہوں وہ لے لیں اور جو خلاف ہوں وہ چھوڑ دیں۔ حدیث کے خلاف کسی کی بات مت مانیں، کسی کے قول پر مت چلیں۔ تحقیق کی روشنی میں عمل کریں اور یہ نہ کہیں کہ ہمارے باپ دادا ایسا کرتے آئے ہیں، ہمارے مولوی صاحب یوں فرماتے ہیں بلکہ حدیث کی دلیل کے ساتھ سب کا فرمان سر آنکھوں پر رکھیں کہ سلامتی اسی میں ہے۔

(سبیل الرسول ص ۱۶۱، شمع محمدی ص ۹۲، ظفر المبین ص ۱۱۸، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۵۴، اختلاف امت کا المیہ ص ۶۷)

جواب:

حکیم صاحب نے یہ مسئلہ شمع محمدی سے لیا ہے اور صاحب شمع محمدی نے یہ مسئلہ ظفر المبین ص ۱۱۸ سے سرقہ کیا ہے۔ ہماری طرف سے اسی زمانے میں فتح المبین فی کشف مکائد غیر مقلدین ص ۱۲۴ تا ۱۲۶ میں اس کا جواب دے دیا تھا۔ تفصیل وہاں پر ہی ملاحظہ فرمائیں، مختصر طور پر یہاں پر لکھا جاتا ہے۔

ادائے سنت فجر:

تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی سنتیں بوقت اقامت جماعت نہ پڑھیں کیونکہ سنتیں بعد فرائض کے اسی نماز کے وقت میں ہی پڑھی جا سکتی ہیں۔ ہاں فجر کی سنتیں جمہور صحابہ وتابعین، امام ابو حنیفہؒ، امام ثوریؒ، امام مالکؒ فی روایۃ امام اوزاعیؒ، امام حسن بصریؒ، امام مسروقؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ کے نزدیک دو شرطوں سے پڑھی جاسکتی ہیں۔

(۱) مصلی خارج مسجد ہو یا جماعت اور مصلی کے درمیان کوئی چیز حائل ہو۔

(۲) ایک رکعت امام کے ساتھ مل جانے کا غالباً گمان ہو۔

(۱) احادیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ فجر کی نماز کی سنتوں کی تاکید باقی سنتوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ (آثار السنن ج ۲ ص ۲۲، ج ۲ ص ۲۹)

(۲) نماز فجر کے بعد نوافل پڑھنا منع ہے (آثار السنن ج ۲ ص ۲۷، ۲۸)
تو اگر یہ سنتیں پہلے نہ پڑھی جائیں تو وقت میں پڑھنے کا موقع ہی نہ رہا۔

(۳) **عدم قضاء سنة من غير تبعية الفرض** (معارف السنن ج ۴ ص ۴۷)

اس لئے احناف نے دلائل میں تطبیق کی ایسی کوشش کی کہ تطبیق بھی ہو جائے اور تمام فضیلتیں بھی حاصل ہو جائیں۔

(۱) حدیث ابی ہریرہ میں جو آتا ہے **اذا اقیمت الصلوة فلا صلوة الا المکتوبة** (مسلم ج ۱ ص ۲۴۷) اس کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے امام ترمذی فرماتے ہیں زکریا بن اسحاق، ایوب، ورقا بن عمر، زیاد بن سعد، اسماعیل بن مسلم اور محمد بن حجارہ، اس کو عمرو بن دینار عن عطا بن یسار عن ابی ہریرہ مرفوع روایت کرتے ہیں اور حماد بن زید اور سفیان بن عیینہ، عمرو بن دینار سے موقوف روایت کرتے ہیں والمرفوع اصح حماد بن سلمہ (کتاب الام ج ۱ ص ۱۲۶، وحاشیہ الام ج ۱ ص ۱۲۹، ابن علیہ عند ابن ابی شیبہ، ابراہیم بن اسماعیل بن

مجمع عندابن ابی حاتم (معارف السنن ج ۴ ص ٦٦، ٦٧) بھی اس کوموقوف روایت کرتے ہیں محمد بن طاہر مقدسی نے بھی اسے موقوف ہی قرار دیا ہے (تذکرۃ الموضوعات ص ٦) اسی اختلاف کی وجہ سے امام بخاری نے صحیح میں اس کوسنداً روایت نہیں کیا۔ غالباً اسی اختلاف کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کو ترمذی نے صحیح کی بجائے حسن قرار دیا ہے۔ (۲) پھر خود ابو ہریرہ سے بسند صحیح لاتدعوا رکعتی الفجر ولوطردتکم الخیل (آثار السنن ج ۱ ص ۲۹) مروی ہے (۳) اور حضرت ابو ہریرہ سے ہی مرفوعاً **من ادرك ركعة من الصلوة فقد ادرك الصلوة** (مسلم ج ۱ ص ۲۲۱) (۴) اوران سے ہی مرفوعاً مروی ہے **اذا كنتم في المسجد فنودي بالصلاة فلا يخرج احدكم حتى يصلي (رواه احمد رجاله رجال الصحيح، مجمع الزوائد ج۲ ص۵)** توان سب احادیث کوجمع کرلیا گیا جس سے یہ مسئلہ نکلا کہ مسجد کے باہر یا درمیان میں کوئی چیز حائل ہوتو ایک رکعت مل سکنے کی صورت میں فجر کی سنتیں ادا کر کے جماعت میں شامل ہوجائے تو سنتیں پڑھے تاکہ **لو طردتكم الخيل** کی مخالفت نہ ہو بعض نے بواسطہ **مسلم بن خالد زنجي عن عمرو بن دينار ولا ركعتي الفجر** روایت کیا ہے لیکن اس کی سند میں جو مسلم بن خالد ہے وہ یحییٰ بن دینار کے سات شاگردوں پر زیادتی کر رہا ہے۔ (آثار السنن ج ۲ ص ۳۰) اس کے برعکس بیہقی نے **بطريق ليث بن سعد عن عطاء عن ابي هريره ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الا المكتوبة الا ركعتي الفجر** بھی روایت کیا ہے۔ البتہ اس کی سند میں حجاج بن نصیر مختلف فیہ ہے۔ (میزان ج ۱ ص ۴٦۵) اور عباد بن کثیر الرملی مختلف فیہ ہے۔ (میزان ج ۲ ص ۳۷۰)

عبداللہ بن مالک بن بحینہ کی روایت (بخاری ج ۱ ص ۹۱، مسلم ج ۱ ص ۲۴۷) پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ سے جماعت کے لئے مسجد میں آتے تھے آپ نے مسجد میں ہی کسی کونماز پڑھتے دیکھا اور فرمایا **لا تجعلوا هذه مثل صلاة الظهر قبلها وبعدها**

اجعلوا بيتهما فصلاً (مسند احمد ج ا ص ۲۱۹، مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۵) اور مسلم میں دوسری جگہ ہے فان رسول الله صلى الله عليه وسلم امرنا ان لا نوصل صلوة بصلاة (مسلم ج ا ص ۲۸۸) در بصرة لعموم اللفظ لا لخصوص المورد ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ بالکل جماعت کے ساتھ وصل نہ ہو بلکہ فاصلہ پر پڑھی جائیں۔

عن عبدالله عمر قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا صلاة لمن دخل المسجد والامام قائم يصلى فلا ينفرد وحده بصلوة ولكن يدخل مع الامام فى الصلوة.

(رواه الطبرانى فى الكبير وفيه يحيىٰ بن عبد الله الباهلى وهو ضعيف، مجمع الزوائد ج۲ ص۷۵)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ مسجد سے باہر سنتیں پڑھ لیتے تھے اور مسجد میں آ کر جماعت میں مل جاتے تھے۔ (آثار السنن ج ۲، ص ۳۱، ۳۲، ۳۳)

عن انس خرج النبى صلى الله عليه وسلم اقيمت الصلاة فرأى ناسًا يصلون ركعتين بالعجلة فقال أصلاتان معاً فنهى ان يصلى فى المسجد اذا اقيمت الصلاة (عمدة القاری ج ۲ ص ۳۰) اور تعلیقاً پڑھنا بھی (حاشیہ بخاری ص ۹۱) اپنا عمل پڑھنے کا تھا۔ (آثار السنن ج ۲ ص ۳۳) ابوموسیٰؓ نے منع روایت کرتے ہیں۔ (آثار السنن ۲ ص ۳۰) مگر حضرت ابن مسعودؓ نے ان کے سامنے استطوانہ کی اوٹ میں سنتیں پڑھیں تو انہوں نے منع نہیں فرمایا۔ (آثار السنن ج ۲ ص ۳۲، ۳۳)

معلوم ہوا ان کے نزدیک منع کی روایت ساتھ جماعت کے پڑھنے پر محمول ہے۔ عبداللہ بن سرجس کی روایت بھی فى ناحية المسجد جماعت سے متصل پر محمول ہوگی عہد صحابہ وتابعین میں مدینہ میں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عام لوگ یہ سنتیں پڑھتے تھے خود حضرت ابن عمرؓ پڑھتے تھے کسی نے انکار نہ کیا مکہ میں ابن عباسؓ کوفہ میں ابن مسعودؓ بصرہ میں حسن بصریؒ

وغیرہ پڑھتے تھے مگر کوئی انکار نہ کرتا تھا۔ (راجع طحاوی شرح معانی الآثار) بلکہ جو احادیث منع والی ہیں ان میں عہد نبوت میں سنتیں پڑھنے کا عام ذکر ملتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف ساتھ مل کر پڑھنے سے منع فرماتے تھے ایک بھی حدیث موجود نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اوٹ میں پڑھنے والے کو منع کیا ہو۔ جو جماعت کا ثواب بھی پا لے۔اخرج احمد فی سندہ حدثنی عبداللہ حدثنی ابو سعد و حسین بن محمد قالا حدثنا اسرائیل عن ابی اسحاق عن الحارث عن علیؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی رکعتی الفجر عند الاقامة. واخرج ابن ماجه فی باب ماجاء فی رکعتین قبل الفجر من طریق شریك عن ابی اسحاق عن الحارث عن علیؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الرکعتین عند الاقامة (حارث الدعور میزان الاعتدال ج۱ص۴۳۵) ترمذی کتاب الزکوة باب ما جاء فی زکوة الذهب والورق (ج۱ص۱۱۳) معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے سنت فجر پڑھ کر نمونہ پیش فرما دیا۔ صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی پڑھتے تھے آپ صرف ساتھ مل کر پڑھنے سے روکتے تھے اور خلافت راشدہ و خیر القرون میں بلا نکیر اس پر عمل جاری تھا۔

اعتراض نمبر۲۲:

حلالہ کی لعنت

حلالہ کرنے والا ملعون ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهٗ. (دارمی، ابن ماجہ)

''عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی حلالہ کرنے والے پر، اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے۔''

جس عورت کو باقاعدہ تین طلاقیں دے دی جائیں وہ عورت اب طلاق دہندہ کے ساتھ رجوع نہیں کرسکتی۔ نکاح بھی نہیں کرسکتی، ہاں عدت کے بعد اپنی مرضی سے کسی اور شخص کے ساتھ نکاح کرے، وہ شخص چھ مہینے، سال دو سال چار سال کے بعد کسی وجہ سے طلاق دے دے جیسے پہلے نے دی تھی یا مر جائے تو اب یہ عورت عدت گزار کر اگر چاہے تو پہلے شوہر کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے۔ اس عورت پر کوئی زور نہیں، دباؤ نہیں۔ پہلے خاوند کے ساتھ نکاح کرنے کی یہ جائز صورت ہے۔

اس کے سوا ایک حیلہ وضع کیا گیا ہے جس کو حلالہ کہتے ہیں۔ اس کی یہ صورت ہے کہ طلاق والی عورت کے ساتھ ایک شخص کا ایک رات کے لیے اس شرط پر نکاح کر دیتے ہیں کہ وہ صحبت کرنے کے بعد اسے طلاق دے دے گا تاکہ تین طلاق بیک بارگی دینے والے کے لیے یہ عورت حلال ہو جائے۔ ایسا حلالہ کرنے کا فعل کرنے والے اور کرانے والے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملعون فرمایا ہے۔

حلالہ کرنے والا اُسے کہتے ہیں جو اس نیت سے عورت سے ایک رات کے لیے نکاح کرے کہ وہ اس سے صحبت کر کے دوسرے دن طلاق دے کر پہلے خاوند کے لیے حلال کر دے گا۔

یاد رہے کہ دین اللہ نے اتارا ہے۔ یہ اللہ کا کام ہے یا اللہ کے حکم اور وحی سے اس کے رسولؐ کا منصب ہے کہ کسی کام کو حلال کرے یا حرام کرے۔ کسی امتی کے لئے ہرگز یہ اجازت نہیں ہوسکتی کہ دینِ اسلام میں کسی امر کو حرام کرے یا حلال کرے۔ ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

اتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (التوبہ:۳۱)

''پکڑا انہوں (یہود و نصاریٰ) نے اپنے علماء اور مشائخ کو رب اللہ کے سوا۔''

جب حضرت عدی رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے مذکورہ آیت کا مطلب پوچھا کہ عیسائیوں نے اپنے علماء ومشائخ کو کیوں کر رب بنایا تھا۔اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب وہ (علماء ومشائخ) لوگوں کے لیے کسی چیز کو (بلا دلیل صرف اپنی رائے سے) حلال کر دیتے تھے تو لوگ حلال جان لیتے تھے اور جب وہ ان کے لیے کسی چیز کو (بلا دلیل صرف اپنی رائے سے) حرام کر دیتے تھے تو لوگ حرام مان لیتے تھے۔ (ترمذی شریف)

یہود ونصاریٰ کا اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ کے سوا رب بنانے کا یہ مطلب ہوا کہ لوگ ان کے حلال کردہ یا حرام کردہ امور کو مان لیتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ کے دین میں اپنی مرضی سے چیزوں کو حلال یا حرام کرنا بڑا جرم ہے!

کسی کی جوان لڑکی کو جو مرد بار بار دیکھے یا گلی کوچہ میں اسے دیکھنے کے لئے بار بار جائے تو لوگ اس کو بے حیا اور بدمعاش کہیں گے، اور اگر وہ باز نہ آئے تو شاید جوتے بھی کھائے گا لیکن جب والدین اللہ کے حکم اور رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق اپنی لڑکی کا نکاح کرتے ہیں تو خوشی خوشی اپنی لڑکی کو ایک مرد (جو پہلے غیر محرم اور اجنبی تھا) کے حوالے کر دیتے ہیں، اب اس مرد اور عورت کا آپس میں ملنا جلنا سب کچھ نیکی اور ثواب بن جاتا ہے...... کیوں؟ اس لیے کہ یہ اللہ کے حکم اور اس کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ماتحت ہوا ہے۔ دیکھا وہی کام جو پہلے خدا کی نافرمانی کے سبب بے حیائی اور بدمعاشی تھا۔ اب خدا کی اطاعت اور رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے اوپر عمل کرنے سے نیکی، پرہیزگاری اور معاشرے کی نیک نامی کا موجب بن گیا ہے۔ پس کسی امر کو حلال یا حرام بنانا خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے، کسی اور کا نہیں۔

حلالہ بھی ایک حیلہ وضع کیا گیا ہے کہ بیک بارگی تین طلاق دینے والا اگر پھر اس مطلقہ کو بیوی بنانا چاہے تو ایک شب کے لیے دوسرے مرد سے نکاح کر دیتا ہے۔ اس غرض سے کہ وہ اس کو خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دے کر پہلے خاوند کے لئے حلال کرے۔ یہ فعل سراسر فرمان

رسولؐ کے خلاف اور حیا کے سخت منافی ہے۔ اسی لیے تو حضورؐ نے محلل اور محلل لہٗ کوملعون فرمایا ہے۔

لیکن بعض اسلام کی روح کو مجروح کرنے والے ایسے مفتی بھی ہیں جو کہتے ہیں:

فَاِنْ طَلَّقَهَا بَعْدَ وَطْيِهَا حَلَّتْ لِلْاَوَّلِ (ہدایہ)

پھر اگر حلالہ کرنے والے نے صحبت کے بعد اس عورت کو طلاق دے دی تو وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهٗ ''کہ حلالہ کرنے والا اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے، دونوں ملعون ہیں۔'' (دارمی، ابن ماجہ)

اسلام دنیا میں رحمت کا پیام ہے۔ اسلام جن کے اوپر خدا کی طرف سے نازل ہوا، وہ رحمت للعالمینؐ ہیں: صلی اللہ علیہ وسلم۔ دیکھئے! خدا تعالیٰ نے قرآن میں طلاق دینے کا طریقہ (اشد ضرورت کے وقت) یہ بتایا ہے کہ یکے بعد دیگرے تین طلاقیں تین مہینوں میں دو، اور پہلی دو طلاقوں میں رجوع کا موقع دیا ہے۔ اگر دو ماہ میں رجوع نہیں ہوا تو پھر تیسرے ماہ تیسری طلاق دینے سے عورت کا تعلق پورے طور پر ختم کر دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے یکبارگی تین طلاق دینے کو قرآن کے ساتھ استہزا فرمایا ہے اور اس کام پر غضبناک ہوئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف)

پھر اگر کوئی نادانی سے بیک وقت تین طلاق دے دے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کیا ہے۔

عن ابن عباس قال کان الطلاق علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وابی بکر وسنتین من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة (صحیح بخاری)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں، اور حضرت ابوبکرؓ کی پوری خلافت میں، اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی دو برس میں (یکبارگی) تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں۔''

غور فرمائیں! کہ بیک بارگی تین طلاقیں جب ایک طلاق کے حکم میں ہیں اور پھر بہ آسانی نبی رحمتؐ کے حکم سے رجوع ہوسکتا ہے تو پھر اس حلالہ کے ایجاد کرنے کی کیا ضرورت رہی! پھر سنیں! کہ کسی شخص کے کہنے پر اس ایجادی حلالہ کے نزدیک نہ پھٹکیں۔ حضور انورؐ نے لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهٗ فرمایا ہے کہ حلالہ کرنے والا اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے۔ دونوں ملعون ہیں۔ (ابن ماجہ)

ہمارے پاس آج تک چالیس سے زیادہ ایسے اشخاص آچکے ہیں۔ جنہوں نے کہا کہ وہ بیک بارگی تین طلاق دے چکے ہیں اور اب رجوع کرنا چاہتے ہیں، لیکن بعض علماء کہتے ہیں کہ حلالہ کرو پھر نکاح کرو لیکن ان کی ضمیر اس قابل شرم حلالہ کی اجازت نہیں دیتی۔

ہم نے ان کو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں پناہ دی تین طلاقوں کو ایک رجعی قرار دے کر ان کے اجڑے گھروں کو بسایا۔ اور وہ اسلام کی خوبیوں کا گن گاتے اور نبی رحمتؐ کے لئے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ کہتے ہوئے خوش وخرم ہیں۔

بھائیو! ہم اسی لئے بار بار عرض کرتے ہیں کہ جامد تقلید چھوڑ دو اور امتیوں کی صرف وہ باتیں مانو جو حدیث کے مطابق ہوں اور جو نہ ہوں وہ چھوڑ دو۔ اب تھوک دو اس حلالہ کو اور توبہ کرو اس طومار سے جو احادیث سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو۔ تحقیق کے اجالے میں آؤ اور شاہراہ ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر چل کر قبول رسالت کی ذمہ داریاں پوری کرو۔

بادہ و خون جگر بیک کس نہ دہند
کہ بیک دست محل است دو ساغر گیرند

(سبیل الرسول ص ۲۶۴ تا ۲۶۹، شمع محمدی ص ۹۷، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۱۳۳، اختلاف امت کا المیہ ص ۶۳، احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ ص ۴۸، مقلدین ائمہ کی عدالت میں ص ۲۱۷)

جواب:

حکیم صاحب نے اس مسئلے کو حدیث کے خلاف ثابت کرنے کے لئے فقہ کا اختلاف والا عنوان قائم نہیں کیا حالانکہ پیچھے تمام مسلوں میں فقہ کا اختلاف عنوان والا قائم کیا مگر اس مسئلہ میں نہیں۔

حکیم صاحب نے صرف لفظ حلالہ پر اعتراض کیا ہے حالانکہ حلالہ کا مطلب ہے حلال ہونا یعنی وہ عورت جس کو تین طلاقیں دی گئی۔ اب وہ اپنے خاوند کے لئے حرام ہوگئی ہے اگر پھر دوبارہ وہ نکاح کرنا چاہے تو اس کا کیا طریقہ ہے اور وہ عورت پہلے خاوند کے لئے کس طرح حلال ہوسکتی ہے۔ قرآن نے اس کا طریقہ بتایا ہے۔

حلالہ کا حکم قرآن میں:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلاَ تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يَّتَرَاجَعَا اِنْ ظَنَّا اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (پ۲، سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۳۰)

ترجمہ۔ پھر اگر اس نے طلاق دے دی عورت کو (یعنی تیسری مرتبہ) پس اس کے بعد اس کے لئے حلال نہیں ہے یہاں تک وہ اس کے علاوہ کسی خاوند کے ساتھ نکاح کرے، پھر اگر اس نے بھی طلاق دے دی اس عورت کو تو کوئی گناہ نہیں ہے ان دونوں پر کہ رجوع کریں اگر وہ گمان کریں کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھیں گے اور یہ اللہ کی حدیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اس قوم کے لئے بیان کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں۔

اس آیت میں فَلاَ تَحِلُّ لَهٗ کے الفاظ سے حلالہ کا لفظ ماخوذ ہے کہ وہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جاتی ہے۔

حلالہ کی دو قسمیں:

حلالہ مشروط اور حلالہ غیر مشروط

پہلی قسم جو اللہ تعالی نے اس آیت میں بیان کی ہے اور یہ ہی ہمارا اہلسنت والجماعت کا مسلک ہے اور یہ بات خود حکیم صاحب کے ہاں بھی مسلّم ہے۔ چنانچہ حکیم صاحب نے ص ۲۶۴ سطر نمبر ۸ سے سطر نمبر ۱۴ تک یہ صورت بیان کی ہے اور آخر میں لکھتے ہیں یہ جائز صورت ہے۔

دوسری قسم، یعنی حلالہ مشروط جو حکیم صاحب نے ص ۲۶۴ سطر نمبر ۱۵ سے ۲۰ تک بیان کی ہے اور اس ہی کو صرف وہ حلالہ تصور کرتے ہیں۔

حکیم صاحب کی یہ بد دیانتی ہے حالانکہ حلالہ کا لفظ عام ہے پہلی صورت بھی حلالہ ہے اور دوسری صورت بھی حلالہ ہے مگر حکیم صاحب عوام کو دھوکہ دینے کے لئے صرف دوسری صورت ہی کو حلالہ فرما رہے ہیں اور اس مشروط حلالہ کو حنفی مذہب قرار دے رہے ہیں جو سراسر جھوٹ ہے۔

حنفی مسلک ملاحظ فرمائیں:

اہل سنت والجماعت حنفی مسلک کے مستند عالم دین اور مشہور مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ بانی مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ نے اپنی تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن تفسیر سورۃ بقرہ حصہ دوم کے ص ۴۰۳ پر ایک سرخی قائم کی ہے۔ ''مشروط نکاح'' اس کے بعد لکھتے ہیں۔

اس وقت مروجہ حلالہ کی جو صورت ہے وہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب ہے۔ یہ حلالہ مشروط نکاح کی صورت میں کیا جاتا ہے۔ جب دیکھتے ہیں کہ اب رجوع کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تو کسی دوسرے شخص کے ساتھ اس شرط پر نکاح کر دیا کہ وہ طلاق دے دے گا اور پھر پہلے خاوند سے نکاح ہو سکے گا اگر چہ اس طرح قانونی جواز تو پیدا ہو جاتا ہے مگر اس شرط کے تحت نکاح کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ ایسے حلالے پر لعنت کی گئی ہے۔

لَعَنَ اللّٰہ المحلل والمحلل لَہٗ

حضور علیہ السلام نے فرمایا حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے کیا گیا دونوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

(۲) مشہور عالم دین حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی حنفی کا حوالہ:

آپ اپنی مشہور زمانہ کتاب بہشتی زیور حصہ چہارم باب تین طلاق دینے کا بیان ص ۵۶ مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ اردو بازار لاہور میں لکھتے ہیں:

مسئلہ نمبر۴: اگر دوسرے مرد سے اس شرط پر نکاح ہوا کہ صحبت کر کے چھوڑ دے گا تو اس اقرار لینے کا کچھ اعتبار نہیں۔ اس کو اختیار ہے چھوڑے یا نہ چھوڑے اور جب جی چاہے چھوڑے اور یہ اقرار کر کے نکاح کرنا بہت گناہ اور حرام ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت ہوتی ہے لیکن نکاح ہو جاتا ہے تو اگر اس نکاح کے بعد دوسرے خاوند نے صحبت کر کے چھوڑ دیا یا مر گیا تو پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے گی۔ (شامی ج۲ص ۸۸۹)

ناظرین کرام یہ ہے حنفی مسلک حکیم صاحب کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ صحیح بات نقل کرے۔ ہم نے صرف دو حوالے دیئے ہیں اس پر ہم کافی حوالے پیش کر سکتے ہیں مگر انصاف کے لئے اتنا بھی کافی ہے۔

ہدایہ کے ایک سو مسائل
کی تحقیق

﴿حصہ اول﴾

افادات

اکابر اہل سنت

جمع وترتیب

پیر جی سید مشتاق علی

ناشر

پیر جی سید عبدالمبین

محلّہ گوبندگڑھ گلی نمبر ۸ مکان نمبر C/36 کالج روڈ، گوجرانوالہ

نام کتاب	ہدایہ کے ایک سو مسائل کی تحقیق
جمع وترتیب	پیر جی سید مشتاق علی شاہ
کمپوزنگ وڈیزائننگ	ماہیر گرافکس گوجرانوالہ
صفحات	112
قیمت	
طباعت	اگست 2023ء

فہرست مضامین

﴿باب اول﴾

مصنف ہدایہ امام مرغینانیؒ کا مختصر تعارف

المرغینانی جو صاحب ہدایہ کے لقب سے معروف ہیں، اطراف واکناف عالم میں انتہائی قدر ومنزلت اور مسلمہ حیثیت کے حامل فقیہ کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ آپ اپنے علمی تجربہ اور فقہی ثقاہت وبصیرت کی بنا پر متاخرین علماء احناف میں سرخیل کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپ نے فقہ وقانون کی دنیا میں بڑی نادرالوجود اور شاہکار تصانیف بطور یادگار چھوڑی ہیں۔ جو اپنے استناد اور افادیت کی وجہ سے کوئی نظیر نہیں رکھتیں لیکن فقہ حنفی کی شہرہ آفاق کتاب ''الہدایہ'' نے آپ کی علمی عظمت وجلالت کو ایسی لازوال حیثیت عطا کر دی ہے کہ عوام و خواص آج تک المرغینانی کو ان کے اصل نام کے بجائے ان کی کتاب الہدایہ کی نسبت سے یاد کرتے ہیں۔

مولد ومسکن:

آپ کا مولد ومسکن مرغینان ہے جو ماوراء النہر کے علاقے میں واقع ولایت فرغانہ کا ایک شہر ہے۔ وادی فرغانہ میں سے ایک روسی دریا آب سیحون گزرتا ہے اور یہ شہر مرغینان اور اس کے جنوب میں واقع ہے (دائرۃ المعارف ج۱۵ ص۲۷۷) صاحب ہدایہ اسی شہر کی نسبت سے مرغینانی کہلاتے ہیں آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ (حدائق الحنفیہ)

پیدائش:

مرغینانیؒ کی ولادت ۸ رجب ۵۱۱ھ کو پیر کے روز بعد نماز عصر ہوئی۔

(مقدمہ ہدایہ عبدالحئی لکھنوی ص۱)

نام علی

کنیت ابوالحسن

لقب برہان الدین

سلسلہ نسب:

سلسلہ نسب اس طرح ہے ابوالحسن علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل بن الخلیل بن ابی بکر حبیب سے ہوتا ہوا حضرت ابوبکرؓ تک پہنچتا ہے۔

تعلیم:

صاحب ہدایہ نے اپنے دور کے ان اساطین امت سے علوم کی تحصیل کی تھی جو ہر فن میں مرجع خلائق تھے یہاں پر چند خاص اساتذہ کے اسماء گرامی نقل کئے جاتے ہیں۔

اساتذہ کرام:

(۱) مفتی الثقلین: نجم الدین ابوحفص عمر بن محمد بن احمد بن اسماعیل بن لقمان النسفی متوفی ۵۳۷ھ ان سے ان کی بعض تصانیف پڑھی ہیں اور مسندات خصاف کا سماع کیا ہے۔

(۲) ابواللیث احمد بن ابی حفص عمر النسفی متوفی ۵۴۷ھ۔

(۳) ابوالفتح محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی توبہ الکشھیمتی المروزی۔ ان سے صحیح بخاری کا اکثر حصہ پڑھا ہے۔

(۴) ضیاء الدین محمد بن الحسین بن ناصر بن عبدالعزیز البندنجی تلمیذ علاؤالدین سمرقندی مؤلف تحفۃ الفقہاء ان سے فقہ پڑھا ہے اور صحیح مسلم کی اجازت حاصل کی ہے۔

(۵) محمد بن الحسین بن مسعود بن الحسن، ان سے امام طحاوی کی شرح معانی الآثار کی اجازت حاصل کی ہے۔

(۶) شیخ الاسلام ضیاء الدین ابومحمد صاعد بن اسعد بن اسحاق بن محمد بن امیرک المرغینانی

ان سے مرغینان میں ترمذی شریف پڑھی ہے۔

(۷) شیخ عثمان بن ابراہیم بن علی بن نصر بن اسماعیل الخواقندی۔ ان سے کچھ فقہی مسائل پڑھے ہیں۔

(۸) ابوالبرکات صفی الدین عبداللہ بن محمد بن الفضل بن احمد بن احمد بن محمد الصاعدی الفرادی۔ان سے نیشاپور میں بالمشافہ اجازت مطلقہ ملی ہے۔

(۹) ابومحمد حسام الدین عمر بن عبدالعزیز بن عمر بن مازہ مشہور بصدر الشہید متوفی ۵۳۶ھ

(۱۰) تاج الدین احمد بن عبدالعزیز بن عمر بن مازہ مشہور بصدر السعید تاج الدین نے فقہ حاصل کی اپنے باپ عبدالعزیز سے انہوں نے امام شمس الائمہ سرخسی صاحب مبسوط سے انہوں حلوائی سے انہوں نے ابی علی نسفی سے انہوں نے ابی بکر محمد بن فضل سے انہوں نے سبز مونی سے انہوں نے ابی عبداللہ سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے امام محمد سے انہوں نے امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت سے۔

(۱۱) قوام الدین احمد بن عبدالرشید بن الحسین البخاری متوفی ۵۹۹ھ۔قوام الدین کے والد صاحب خلاصۃ الفتاویٰ ہیں۔

(۱۲) ابوعمرو عثمان بن علی بن محمد بن محمد بن علی البیکندی المتوفی ۵۵۲ھ۔شاگرد شمس الائمہ سرخسی۔

(۱۳) ابوشجاع ضیاء الاسلام عمر بن محمد بن عبداللہ البلخی البسطامی)

(۱۴) شیخ الاسلام بہاء الدین علی بن محمد بن اسماعیل بن علی بن احمد بن محمد اسحاق السمرقندی الاسیجابی متوفی ۵۳۵ھ

(۱۵) ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن البخاری متوفی ۵۴۶ھ۔

(۱۶) ظاہر الدین ابوالمحاسن الحسن بن علی بن عبدالعزیز بن عبدالرزاق المرغینانی۔

جامع علوم:

ان محترم ومقدس ہستیوں کے فیضان صحبت نے آپ کو کشور علم وفضل کا تاجدار بنادیا تھا

جس کی مکمل تصویر صاحب جواہر مضیہ نے اس طرح کھینچی ہے جس میں ان کے چہرہ فضل و کمال کا ایک ایک خدوخال نمایاں ہو جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

مرغینانی اپنے وقت کے امام، فقیہ، حافظ، محدث، مفسر، جامع علوم، ضابط فنون، متقن، محقق، مرقق، نظار، زاہد، اور فاضل، ماہر اصولی ادیب، شاعر تھے۔ علم اور ادب میں آپ کی مثل آنکھوں نے کوئی شخص نہیں دیکھا۔

آپ کی مدح سرائی:

آپ کی بزرگی اور تقدیم کا آپ کے معاصرین مثل امام فخر الدین قاضی خاں اور محمود بن احمد بن عبدالعزیز مؤلف محیط و ذخیرہ اور شیخ زین الدین ابونصر احمد بن محمد بن عمر عتابی اور ظہیر الدین محمد بن احمد بخاری مؤلف فتاویٰ ظہیریہ وغیرہم نے اقرار کیا ہے۔

سفر حج:

مرغینانی نے ۵۴۴ھ میں نے حج اور زیارت روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف حاصل کیا۔

صاحب ہدایہ کا عالی مقام:

ابن کمال پاشا نے آپ کو اصحاب ترجیح (یعنی مجتہد مقید جن کی کارگزاری صرف اتنی ہی ہوتی ہے کہ صاحب مذہب سے جو مختلف روایتیں ہوں ان میں سے کون سی افضل ہے اور کون سی مفضول اس کو بتاتے ہیں۔

لیکن اکثر علماء نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ آپ کی شان قاضی خاں سے کم نہیں ہے چنانچہ خود قاضی خاں اور زین الدین عتابی سے منقول ہے کہ صاحب ہدایہ فقہ میں اپنے ہم عصروں پر فوقیت رکھتے تھے بلکہ اپنے اساتذہ سے بھی سبقت لے گئے تھے۔ نیز نقد دلائل و استخراج مسائل کا جو ملکہ آپ کو حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں پس انصاف یہ ہے کہ آپ کو

مجتہدین فی المذہب کے زمرہ میں شمار کیا جائے جس میں امام ابو یوسف اور امام محمد تھے۔

درس وتدریس اور شاگرد:

باب افادہ ودرس بہت وسیع تھا۔ شیخ الاسلام جلال الدین محمد نظام الدین عمر، شیخ الاسلام عماد الدین بن ابی بکر، شمس الائمہ عمر بن عبدالستار بن محمد کردری، جلال الدین محمود بن الحسین، شیخ الاسلام الاشتروتنی، برہان الاسلام زرنوجی، قاضی القضاۃ محمد بن علی بن عثمان سمرقندی جیسے آفتاب ومہتاب آپ ہی کے دامن تربیت سے فیضیاب ہیں صاحب جواہر مضیہ نے قاضی عمر بن محمد کے حالات میں بحوالہ صاحب ہدایہ لکھا ہے آپ فرماتے ہیں کہ یہ میرے پاس رشدان سے تحصیل فقہ کے لیے آئے اور ایک مدت تک میرے درس وظائف کی پوری پابندی کرتے رہے، جب واپسی کا ارادہ کیا تو میرے پاس یہ اشعار لکھے۔

ایاذ الذی فاق الانام جمیعها وحاز اسالیب العلی والحامد

وانت عدیم المثل لازلت باقیا وانت جمیع الناس فی ثوب واحد

وانت الذی علمتنی سور العلے وانت الذی ربیتنی مثل واحد

ارید ارتحالا من ذراك ضرورة فهل منك اذن یا كبیر الا ماجد

فان طال اباك الغریب ببلدة فلا بدیو ما ان یكون بعائد

حاشیہ غایہ ج ۳ ص ۱۹۴ پر ہے کہ سب سے پہلے ہدایہ کتاب خود اس کے مصنف سے علامہ شمس الائمہ کردری نے پڑھی۔ برہان الاسلام زرنوجی تلمیذ صاحب ہدایہ نے اپنی کتاب تعلیم المتعلم کی فصل ثانی میں لکھا ہے کہ ہمارے امام اجل صاحب ہدایہ نے یہ شعر مجھ کو سنائے۔

فساد كبیر عالم متهمتك واكبر منه جاهل متسنك

هما فتنة فی العلمین عظیمة لمن بهما فی دینه متمسك

نیز فرماتے ہیں کہ صاحب ہدایہ نے کہا

طالب علم کو چاہیے کہ سستی نہ کرے کیونکہ یہ اس کے تحصیل علم کے لئے بڑی آفت ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ صاحب ہدایہ نے یہ بھی فرمایا تھا۔

کہ طالب کو چاہیے کہ امام اعظم کی کتاب وصیت کو حاصل کرے جو انہوں نے واسطے یوسف بن خالد کے، جب کہ وہ اپنے اہل کے پاس واپس آئے تھے لکھی تھی۔

زرنوجی مزید فرماتے ہیں۔

جب میں اپنے شہر کو واپس آیا تو میرے استاذ نے مجھ کو کتاب وصیت کے نقل کرنے کا حکم دیا پس میں نے اس کو لکھا۔

زرنوجی نے فصل وقت تحصیل میں لکھا ہے

کہ میرے استاذ (صاحب ہدایہ) نے فرمایا ہے کہ بہت سے مشائخ کبیر کو میں نے پایا ہے مگر ان سے استخراج نہیں کیا سو اس فروگزاشت پر میں یہ شعر کہتا ہوں۔

لهفي على فوت الليالي لهفي　　ماكل مافات وينقي يلغى انتهى

سبق میں صاحب ہدایہ کا خاص طرز عمل:

صاحب ہدایہ کے تلمیذ خاص برہان الاسلام زرنوجی نے تعليم المتعلم میں ذکر کیا ہے کہ ہمارے استاذ (صاحب ہدایہ) کی خاص عادت تھی کہ آپ اسباق کی ابتداء بدھ کے روز کراتے تھے اور اس سلسلہ میں یہ حدیث روایت کرتے تھے "ما من شئ بدی یوم الأربعاء الاتم" ایسی کوئی چیز نہیں جو بدھ کے روز شروع کی جائے اور وہ پوری نہ ہو۔

امام صاحب کا بھی طرز عمل یہی تھا۔

صاحب ہدایہ نے یہ حدیث شیخ قوام الدین احمد بن عبد الرشید بن حسین بخاری سے بسند متصل روایت کی ہے۔ فوائد بہیہ میں ہے کہ بعض محدثین نے اس روایت کے متعلق کلام کیا ہے۔ چنانچہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن بخاری نے "المقاصد الحسنة في الأحاديث

المشتهرة علی الألسنة'' میں کہا ہے کہ مجھے اس کی کوئی اصل نہیں ملی، نیز حدیث جابرؓ یوم الاربعاء یوم نحس مستمر (رواہ الطبرانی فی الاوسط) کے معارض ہے، ملاعلی قاری نے المصنوع فی معرفة الموضوع میں حدیث جابرؓ کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ بدھ کا روز کفار کے حق میں نحس ہے جس کا مفہوم یہ نکلا کہ مومنین کے حق میں سعد ہے پس دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں، مولانا عبدالحئ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے حدیث اول کے لئے ایک اور اصل تلاش کی ہے اور وہ یہ کہ امام بخاری نے (ادب میں) اور امام احمد و بزار نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں فتح میں پیر، منگل، بدھ تین ایام میں دعا کی اور بدھ کے روز ظہر وعصر کے درمیان دعا مقبول ہوئی۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے جب بھی کوئی امر مہم درپیش ہوا تو میں نے بدھ کے روز ظہر وعصر کے مابین دعا کی اور وہ مقبول ہوئی۔

علامہ سیوطیؒ نے ''سهام الاصابة فی الدعوات مستجابة'' میں کہا ہے کہ اس کی اسناد جید ہے۔ نورالدین علی بن احمد سمہودی نے ''وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ'' میں اس حدیث کو مسند احمد کی طرف منسوب کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ پس اس حدیث سے یہ نکلا کہ بدھ کے روز میں مستجاب ساعت ہے اس لیے علماء نے بدھ کے روز اسباق کی ابتدا کو بہتر خیال کیا ہے علاوہ ازیں صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حق تعالیٰ نے بدھ کے روز نور کی تخلیق کی اور ظاہر ہے کہ علم سراسر نور ہے۔

تصانیف:

مرغینانی نے فقہ کے موضوع پر متعدد کتب تصنیف کیں۔ ان میں سے جن کا حال ہمیں معلوم ہو چکا ہے درج ذیل ہیں۔

۱۔ الہدایہ (اس پر تفصیلی گفتگو آخر میں مذکور ہے)

۲۔ بدایۃ المبتدی۔ مرغینانی نے اس کتاب میں امام محمد بن حسن شیبانی کی الجامع

الصغیراورامام قدوری کی المختصر کے مسائل کو جمع کیا ہے اور تبرکا الجامع الصغیر کی ترتیب مسائل کو اپنی کتاب میں قائم رکھا ہے۔

(کشف الظنون حاجی خلیفہ ۲۲۷، ۲۲۸ مقدمۃ الہدایہ لکھنوی ص ۱)

اس کتاب کی ایک ضخیم شرح ''شرح ہدایہ المبتدی'' کے نام سے بھی تحریر کی گئی جو استنبول کی (PUBLIC LIBRARY) (دار الکتب العمومیہ) میں موجود ہے۔ ابوبکر بن علی العاطی (م ۷۶۵ھ) نے اس کتاب پر کام کیا اور ''نظم البدایہ'' کے نام سے کتاب تصنیف کی۔ (حاجی خلیفہ ۲۸۸)

۳۔ کفایۃ المنتھی. مرغینانی نے خود بدایۃ المبتدی کی ایک نہایت مبسوط شرح تحریر کی۔ اس کے بارے میں عام تحقیق یہ ہے کہ یہ ۸ مجلدات پر مشتمل تھی۔

مفتاح السعادۃ جلد ۲ ص ۱۲۶ مطبوعہ حیدرآباد دکن میں بیان ہوا ہے کہ کم وبیش اسی (۸۰) مجلدات پر مشتمل تھی۔ اس موقف کو مولانا عبدالحئی لکھنوی نے مقدمۃ الہدایہ میں بیان کیا ہے دیگر محققین کفایۃ المنتھی کے سلسلے میں اس مسئلے پر خاموش ہیں۔ ممکن ہے اسی (۸۰) مجلدات سے مراد اسی اجزاء ہوں جو ضخیم جلدوں کی صورت میں آٹھ ہی بنتے ہوں۔ اور ہر جلد دس اجزاء پر مشتمل ہو۔

اس طرح ان اقوال میں تطبیق ممکن ہے۔ واللہ اعلم بالصواب علامہ عینی شرح الہدایہ میں لکھتے ہیں کہ یہ کتاب اب مفقود ہے۔

۴۔ مناسک الحج (القرشی لکھنوی، حاجی خلیفہ ک ۱۸۳۰)

۵۔ نشر المذاھب (حاجی خلیفہ ک ۱۹۵۳) اسماعیل پاشا البغدادی۔ ہدیۃ العارفین ک ۷۰۲، بعض محققین نے اس کتاب کا نام نشر المذہب لکھا ہے۔

(الجواہر المضیہ۔ القرشی ج ۱ ص ۳۸۳، الفوائد البہیہ لکھنوی ص ۱۴۱)

۶۔ مجموع النوازل (لکھنوی، ابن قطلو بغا اور بعض محققین نے اس کتاب کا نام

مختارات النوازل لکھا ہے۔ (الاعلام زرکلی ج ۵ص ۷۳) بعض علماء نے اس کتاب کا نام ''مختارات مجموع النوازل'' لکھا ہے۔

۷۔ مختار الفتاویٰ (کشف الظنون حاجی خلیفہ ک ۱۶۲۲، معجم المولفین الکحالہ ج ۷ص ۱۴۵، الترقی دمشق ۱۳۷۸ھ، الاعلام، زرکلی ج ۵ص ۷۳)

نمبر ۶ اور نمبر ۷ الگ الگ کتابیں ہیں اور یہی امر مندرجہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہے۔ یہ ایک ہی کتاب کے دو مختلف نام نہیں ہیں جیسا کہ بعض علماء کو غلط فہمی ہوئی ہے۔

۸۔ منتقی الفروع (الاعلام ج ۵ص ۷۳) مصطفیٰ بن عبداللہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون ک ۱۸۵۲ میں اس کا نام منتقی المرفوع لکھا ہے۔

۹۔ الفرائض۔ مرغینانی نے اس کا نام خود ''فرائض العثمانی'' تحریر کیا ہے دراصل یہ کتاب علم وراثت کے موضوع پر شیخ عثمانی نے لکھی جو نہایت عالمانہ تصنیف ہے۔ شیخ عثمانی ایک بلند پایہ فقیہ تھے جو مرغینانی سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ اس میں اصول ''ردذوی الارحام'' اور ان کے متعلقہ احکام درج نہ ہو سکے تھے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب نامکمل تھی۔ مرغینانی نے اس پر اضافات کئے اور ان مضامین کو بھی بیان کیا۔ مرغینانی نے شیخ عثمانی کی جلالت اور فضیلت علمی کے باعث اپنی اس تصنیف کا نام بھی فرائض عثمانی رکھا۔ (کشف الظنون ک ۱۲۵۰، ۱۲۵۱/ القرشی لکھنوی)

مرغینانی کی کتاب الفرائض کی متعدد شروح لکھی گئیں جن میں سے مشہور شرح شیخ منہاج الدین ابراہیم بن سلیمان السرامی کی ہے۔ (حاجی خلیفہ ایضاً)

۱۰۔ التجنیس و المزید: یہ کتاب متاخرین فقہا، کے ان فقہی استنباطات اور اجتہادی تحقیقات کے بیان پر مشتمل ہے جن کو متقدمین نے بیان نہیں کیا تھا۔ یہ زیادہ تر امام حسام الدین جو غالباً مرغینانی کے استاد بھی ہیں کی فقہی تحقیقات کا تکملہ وتتمہ ہے۔ یہ کتاب درج ذیل کتب و رسائل اور تحقیقی کام پر مشتمل ہے۔ نوازل ابی اللیث، عیون السائل،

واقعات الناطفی، فتاوی ابی بکر بن الفضل، فتاوی ائمہ سمرقند، الزوائد، اجناس الناطفی، غریب الروایہ لابی شجاع، فتاویٰ النجم عمر النسفی شرح الکتب المبسوط، الفتاویٰ الصغریٰ (صدر الشہید)

(لکھنوی، ابن قطلو بغا۔ حاجی خلیفہ ک۱۳۵۳، ۱۳۵۲)

۱۱۔ شرح الجامع الکبیر: مرغینانی نے امام محمد بن حسن شیبانی کی معروف کتاب الجامع الکبیر جو احکام السیر کے موضوع پر مرتب کی گئی تھی کی شرح تحریر کی ہے۔

(حاجی خلیفہ ج ۲ ص ۵۶۷)

•

اولاد:

(۱) شیخ الاسلام جلال الدین محمد الفرغانی۔ انہوں نے ادب وفقہ میں نام روشن کیا۔

(۲) شیخ الاسلام عماد الدین ابوبکر الفرغانی۔ یہ کتاب ادب القاضی کے مصنف ہیں۔

(۳) شیخ الاسلام نظام الدین عمر الفرغانی۔ یہ جواہر الفقہ اور الفوائد کے مصنف ہیں۔

وفات حسرت آیات:

صاحب ہدایہ نے ۱۴ ذی الحجہ ۵۹۳ھ یا ۵۹۶ھ میں شب سہ شنبہ کو عالم آب وگل سے رشتہ حیات منقطع کیا اور سرزمین سمرقند میں یہ آفتاب علم وہدایت یہ کہتا ہوا کہ

چنین قفس نہ سزائے چو من خواش الحانست   روم بگلشن رضوان کہ مرغ آن چمنم

ہمیشہ کے لئے روپوش ہوگیا رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً

کہا جاتا ہے کہ سمرقند میں تقریباً چار نفوس مدفون ہیں جن میں سے ہر ایک کا نام محمد ہے۔

الہدایہ کا مختصر تعارف

مرغینانی کی تمام تصانیف میں سے جو شہرت وقبولیت اور منفرد مقام ''الہدایہ'' کو حاصل ہوا کسی اور کتاب کو حاصل نہ ہو سکا، یہ کتاب دراصل مرغینانی کے فقہی تبحر وبصیرت تحقیق و تدقیق، وسعت مطالعہ، صلابت رائے، فکری وفنی پختگی اور اجتہادی ملکہ وثقاہت کا ایسا کامل ثبوت ہے کہ آج تک اس کی افادیت میں کمی واقع نہیں ہو سکی۔ تقریباً ۸۰۰ سال سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود اس کا مقام قانونی دنیا میں بلند وبالا ہی ہے۔ ہر دور کے علماء و فقہاء اور ماہرین قانون اس سے برابر استفادہ کرتے رہتے ہیں اس سے بہتر جامع و مانع، مدلل مربوط اور موجز متن...... (TEXT)...... تاریخ فقہ وقانون میں آج تک دیکھنے میں نہیں آیا۔ قدیم یا جدید قانون کی کوئی بھی کتاب عالمی سطح پر اس قدر مقبولیت وشہرت سے بہرہ ور نہیں ہو سکی۔ اس کتاب پر لاتعداد محققین نے کئی اعتبارات سے کام کیا ان تحقیقات کا کچھ ذکر بعد میں آئے گا۔ قانونی وفقہی اعتبار سے اس کے استناد واحتجاج کا یہ عالم ہے کہ صدیوں سے یہ مدارس میں پڑھائی جا رہی ہے۔ فتاویٰ اور عدالتی فیصلوں کا اس پر کامل انحصار رہا ہے۔ برصغیر پاک وہند میں فقہ حنفی کی وہ کتاب جسے الہدایہ کے بعد سب سے زیادہ پائے اسناد اور شہرت وقبولیت نصیب ہوئی وہ فتاویٰ ہندیہ (فتاویٰ عالمگیری) ہے جو کئی سالوں کی کاوش سے اورنگ زیب عالمگیر کی ہدایت پر متعدد علماء وفقہاء کی اجتماعی تحقیق اور جانفشانی کے نتیجے میں مرتب ہوا۔ جب کہ الہدایہ صرف ایک ہی شخص کی محنت کا نتیجہ ہے۔ جس کا بدل آج تک میسر نہیں آ سکا۔

علامہ بنوری کی نظر میں ہدایہ کی اہمیت:

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے زیلعی کی نصب الرایہ کے مختصر سے پیش نامہ

میں حضرت علامہ کشمیری کا قول براہ راست ان ہی سے سن کر نقل کیا ہے کہ ابن ہمام کی فتح القدر جیسی کتاب لکھنے کے لیے اگر مجھ سے کہا جائے تو یہ کام کر سکتا ہوں، لیکن اگر ہدایہ جیسی کتاب لکھنے کا مطالبہ کیا جائے تو ''ہرگز نہیں'' اس کے سوا اس کا کوئی جواب میرے پاس نہیں ہے۔'' مولانا مناظر احسن گیلانی فرماتے ہیں کہ غالباً خاکسار سے بھی حضرت شاہ صاحب نے یہی فرمایا تھا۔'' شاہ صاحب کی جانب اس مفہوم کی نسبت ان الفاظ میں بھی کی جاتی ہے کہ ''الحمدللہ'' میں ہر کتاب کے مخصوص طرز پر کچھ نہ کچھ لکھ سکتا ہوں لیکن چار کتابیں اس سے مستثنٰی ہیں قرآن عزیز، بخاری شریف، مثنوی اور ہدایہ، ،علامہ کشمیری کی جلالت شان سے جو واقف ہیں وہ ان کے اس قول کے وزن کو محسوس کر سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ صاحب ہدایہ کی وفات پر ساڑھے سات سو سے زیادہ زمانہ گزر چکا مگر ہدایہ آج بھی اسی طرح نصاب میں باقی ہے۔ وجہ یہی ہے کہ جن مقاصد کے پیش نظر یہ کتاب نصاب میں داخل کی گئی ہے فقہ حنفی میں کوئی دوسری کتاب اب تک ایسی تصنیف ہی نہیں ہوئی جو اس کی قائم مقامی کر سکے۔

ہدایہ کے متعلق مولانا محمد حنیف گنگوہی فرماتے ہیں:

میں نہیں جانتا کہ اس مقصد کے لیے ہدایہ سے بہتر کتاب مسلمانوں کے پاس موجود ہے، ہدایہ پڑھنے والے کجراہی اور غلط روی کے شکار نہیں ہو سکتے خود صحیح سوچنے اور دوسرے کے کلام کے صحیح مطلب کے سمجھنے کا جتنا اچھا سلیقہ یہ کتاب پیدا کر سکتی ہے عام کتابوں میں اس کی نظیر مشکل ہی سے ملتی ہے۔

پس کسی شاعر کا اس قطعہ میں یہ کہنا

ان الهداية كالقرآن قد نسخت ما صنفوا قبلها في الشرع من كتب

فاحفظ قراتها والزم تلاوتها يسلم مقالك من زيغ ومن كذب

اشعار کا ترجمہ: ''ہدایہ گویا اس باب میں قرآن سے مشابہ ہے جس نے گزشتہ شرائع کی کتابوں کو منسوخ کر دیا پس اس کتاب کو پڑھتے رہو اور اس کی تلاوت لازم کر لو اگر تم ایسا کرو

گے تو تمہاری گفتگو بھی اور غلطیوں سے پاک ہو جائے گی۔

مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت کا اظہار ہے وکذا فی انشاء عماد الدین ابن صاحب الهدایہ

کتاب الهدایة یهدی الهدیٰ　　　الی حافظیه ویجلوا العمیٰ

فلازمه واحفظ یاذالحجیٰ　　　فمن ناله نال اقصی المنیٰ

تالیف ہدایہ:

صاحب کتاب نے اپنی تصنیف ہدایہ کے دیباچہ میں کہا ہے کہ شروع ہی سے میرے دل میں یہ بات آئی تھی کہ فقہ میں کوئی کتاب ایسی ہونی چاہیے جو صغیر الحجم ہونے کے ساتھ ساتھ ہر نوع کے مسائل پر حاوی ہو حسن اتفاق کہ چند دن بعد ہی میں نے امام قدوری کی مختصر پائی۔ جو اپنی نظیر آپ ہے ادھر میں نے جامع صغیر کے حفظ وضبط کا غایت درجہ اہتمام دیکھا تو میں نے ان دونوں کا انتخاب کر کے جامع صغیر کی ترتیب پر ایک کتاب ہدایہ المبتدی کے نام سے تصنیف کی اگر توفیق شامل حال رہی تو اس کی شرح بھی لکھوں گا جس کا نام کفایة المنتهی ہوگا۔

صاحب مفتاح السعادۃ لکھتے ہیں: **شرحها شرحا فی نحو ثمانین مجلد "وسماه کفایة المنتهیٰ"** کہ حق تعالیٰ کی طرف سے آپ کو شرح کی توفیق ہوئی اور آپ نے اسّی جلدوں میں اس کی شرح لکھی۔ جس کا نام کفایۃ المنتہی ہے پھر اس شرح کا اختصار کیا جس کو ہدایہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور کفایہ نام سے ہے اسی طرح حنابلہ میں ابوالخطاب کی ہدایہ اور شوافع میں شیخ نجم الدین بن الرفعہ کی کفایہ بھی انہی ناموں سے مشہور ہے۔

زمانہ تالیف:

موصوف نے ماہ ذی قعدہ ۵۷۳ھ میں بروز چہار شنبہ بعد نماز ظہر ہدایہ کی تصنیف شروع کی اور پوری عرق ریزی و جانکاہی کے ساتھ مسلسل تیرہ سال تک اس طرح مصروف رہے

کہ ہمیشہ روزہ رکھتے اور اس کی بھی کوشش کرتے کہ کسی کو روزہ کی اطلاع نہ ہو چنانچہ خادم کھانا رکھ کر چلا جاتا اور آپ کسی طالب علم کو بلا کر کھلا دیتے، خادم واپس آتا اور برتن خالی دیکھ کر خیال کرتا کہ کھانے سے فارغ ہو چکے۔

(کشف الظنون حاجی خلیفہ ک ۲۰۳۱ مقدمہ الہدایہ لکھنوی ص ۲)

متقدمین اور متاخرین اکابر اسلام کا اکثر یہ معمول رہا ہے کہ وہ بیشتر ایام روزے کی حالت میں بسر کرتے تھے۔ یہاں تک کہ تابعین بھی سالہا سال روزے سے گزار دیتے تھے۔ اس وجہ سے بعض مشائخ کو صائم الدہر کہا جاتا ہے۔ محقق طاش کبری زادہ اپنی کتاب مفتاح السعادہ جلد ج ۲ ص ۱۲۷ پر لکھتے ہیں کہ امام مرغینانی کے اسی زہد و ورع کی برکت سے ان کی یہ کتاب (الہدایہ) آج تک علماء فضلاء میں حد درجہ مقبولیت کی حامل بنی ہوئی ہے اور اس عمل سے جو تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن نصیب ہوتا ہے اس سے فکری و ذہنی جلا اور طہارت بھی حاصل ہوتی ہے اور دینی تحقیق میں فکری طہارت کی بنا پر جو رائے قائم ہوتی ہے اس میں صحت اور صلابت اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے۔ اسی لیے ذہنی پاکیزگی، تقویٰ اور طہارت دینی اجتہاد کے لیے شرط کے طور پر مطلوب ہے۔

الہدایہ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی دو کو ہدایہ اولین اور آخری دو کو ہدایہ اخرین کہا جاتا ہے۔ اس میں کل ۵۷ کتب ہیں۔ جو موضوعات کے اعتبار سے کئی کئی ابواب اور فصول پر منقسم ہیں جن کی تفصیل اس رسالہ کے آخر میں دی گئی ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ مرغینانی نے امام محمدؒ اور امام قدوریؒ کی الجامع الصغیر اور المختصر پر مبنی ایک کتاب ''بدایۃ المبتدی'' تحریر کی جس میں الجامع الصغیر کی ترتیب کو بحال رکھا گیا تھا۔ بعد ازاں مرغینانی نے اس کی شرح کفایۃ المنتہی کے نام سے لکھی۔ لیکن وہ بہت طویل اور مبسوط ہو گئی جس پر مرغینانی نے محسوس کیا کہ بر بنائے طوالت یہ کتاب طلباء کے مطالعہ اور استفادہ کے لیے موزوں نہیں ہے۔ چنانچہ مرغینانی نے بدایۃ المبتدی کی ایک اور

شرح تحریر کی جو کفایۃ المنتہی کے مقابلے میں مختصر مگر جامع تھی اس کا نام الہدایہ رکھا۔ شمر الائمہ محمد بن عبدالستار الکردری نے سب سے پہلے مرغینانی سے اس کتاب الہدایہ کا درس لیا۔ (حاشیہ الغایہ)

ہدایہ کی جامعیت:

آج کے دور میں الہدایہ کی فقہی وقانونی حیثیت واہمیت کا صحیح اندازہ تو اس کے مباحث کو بڑے انہماک سے پڑھ کر ہی لگایا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کے ابواب کے عنوانات سے بھی یہ حقیقت مترشح ہوجاتی ہے کہ المرغینانی آج سے نوسو سال قبل قانونی مسائل پر کس قدر گہری اور وسیع نظر رکھتے تھے اگر ہدایہ کا جدید مغربی قانون کی روشنی میں تقابلی مطالعہ کیا جائے تو اس کی اصل قدر ومنزلت اور امتیازی شان اظہر من الشمس ہوجائے گی۔ الہدایہ کی فہرست کا اجمالی خاکہ ملاحظہ ہو۔ تاکہ اس کی جامعیت اور علمی تشخص کا کچھ اندازہ ہوسکے۔

ہدایہ اولین:

۱۔ کتاب الطہارات باب ۵ فصل ۷
۲۔ کتاب الصلوٰۃ باب ۲۲ فصل ۱۳
۳۔ کتاب الزکوٰۃ باب ۷ فصل ۷
۴۔ کتاب الصوم باب ۳ فصل ۲
۵۔ کتاب الحج باب ۱۰ فصل ۶
۶۔ کتاب النکاح باب ۵ فصل ۲
۷۔ کتاب الرضاع
۸۔ کتاب الطلاق باب ۱۵ فصل ۱۷
۹۔ کتاب العتاق باب ۶ فصل ۱

۱۰۔ کتاب الایمان باب ۱۱ فصل ۳

۱۱۔ کتاب الحدود باب ۴ فصل ۲۔ اسی کے آخر میں ایک فصل ''التعزیر'' کے موضوع پر بھی موجود ہے۔

۱۲۔ کتاب السیر باب ۹ فصل ۶

۱۳۔ کتاب السرقہ باب ۳ فصل ۲۔ اس کو جدید اصطلاح میں International Law کہا جاتا ہے۔

۱۴۔ کتاب المقیط

۱۵۔ کتاب اللقطہ

۱۶۔ کتاب الایاق

۱۷۔ کتاب المفقود

۱۸۔ کتاب الشرکۃ فصل ۳

۱۹۔ کتاب الوقف فصل ۱

ہدایہ اخیرین:

۲۰۔ کتاب البیوع باب ۱۰ فصل ۵

۲۱۔ کتاب الصرف

۲۲۔ کتاب الکفالہ باب ۲ فصل ۱۔ اسے قانون ضمانت بھی کہتے ہیں۔

۲۳۔ کتاب الحوالہ

۲۴۔ کتاب ادب القاضی باب ۲ فصل ۵

۲۵۔ کتاب الشہادۃ باب ۳ فصل ۳

۲۶۔ کتاب الرجوع عن الشہادات

۲۷۔ کتاب الوکالہ باب ۳ فصل ۴

۴۹۔ کتاب احیاء الاموات فصل ۴

۵۰۔ کتاب الاشربہ فصل ۱

۵۱۔ کتاب الصید فصل ۱

۵۲۔ کتاب الرہن باب ۳ فصل

۵۳۔ کتاب الجنایات باب ۴ فصل، یہ بھی قانون فوجداری کا ہی حصہ ہے۔

۵۴۔ کتاب الدیات باب ۵ فصل ۷

۵۵۔ کتاب المعاقل

۵۶۔ کتاب الوصایا باب ۷ فصل ۳

۵۷۔ کتاب الخنثی فصل ۳

اصطلاحات ہدایہ:

۱......مرغینانی کا طریقہ استدلال یہ ہے کہ وہ ہر مسئلہ پر اقوال مختلفہ کو ان کے دلائل کے ساتھ پہلے بیان کر دیتے ہیں۔ چنانچہ حنفی مسلک کے ضمن میں وہ بالعموم امامین (امام ابو یوسفؒ اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ) کا مدعی اور دلیل بھی پہلے رقم کر دیتے ہیں۔ اور آخر میں وہ قول جو ان کے نزدیک مذہب مختار ہو دلائل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ تا کہ تمام متذکرہ بالا اشکالات اور احتمالات کا دفاع ہو جائے اور اس جواب کی حیثیت حتمی قرار پائے۔ آخر میں بیان کیا جانے والا یہ قول مقبول بالعموم امام اعظم ابو حنیفہؒ کا ہوتا ہے۔ اگر کہیں یہ ترتیب بدل جائے یعنی امام اعظم کا قول پہلے بیان کر دیں اور صاحبین کا بعد میں تو یوں سمجھنا چاہیے کہ مرغینانی کا میلان طبع امامین کے موقف کی طرف ہے۔

(النہایہ، فی آخر کتاب ادب القاضی، العنایہ، فی باب البیع الفاسد، فتح القدیر فی کتاب الصرف، الدر المختار فی باب الصرف، کشف الظنون ک ۲۔۳۲۔۲۔۳۱۔۲)

۲......مرغینانی بعض مقامات پر لکھتے ہیں:

''قال مشايخنا'' (ہمارے مشائخ نے کہا) صاحب عنایہ کے نزدیک اس سے مراد ماوراءالنہر اور بخارا و سمرقند کے علماء ہیں۔صاحب فتح القدیر کے نزدیک ''في ديارنا'' کا بھی یہی مفہوم ہے۔علامہ قاسم بیان کرتے ہیں کہ مشائخ سے مراد اصطلاحی طور پر وہ علماء ہیں جن کی ملاقات ان سے نہ ہوئی تھی۔

۳......مرغینانی بعض اوقات الآیہ، الحدیث............لکھ کر اپنا مدعا استنباط کرتے ہیں۔ اس سے مراد وہ آیت یا حدیث ہوتی ہے جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔مرغینانی ''الفقہ'' سے بھی دلیل عقلی مراد لے لیتے ہیں۔کبھی ''والفقه فيه كذا'' لکھ کر عقلی استنباط مراد لیتے ہیں۔ (الکفایہ۔باب مایوجب القصاص ومالا یوجبہ، مفتاح السعادۃ، نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار)

۴......مرغینانی بعض اوقات ''لما بينا'' لکھ دیتے ہیں یہ ایک خصوصی اشارہ ہے جو پہلے سے مذکور قرآنی آیت، حدیث یا استدلال عقلی کی طرف کیا جاتا ہے اور بعض اوقات ''لما ذكرنا'' لکھتے ہیں یہ ایک عمومی اشارہ ہے جو پہلے گزرے ہوئے کسی مسئلے کی طرف کیا جاتا ہے۔

۵......قول الصحابی سے مراد اثر لیتے ہیں۔مرغینانی خبر اور اثر میں فرق روا نہیں رکھتے۔

۶......مرغینانی الاصل سے مراد امام محمد بن حسن شیبانی کی ''المبسوط'' لیتے ہیں۔اسی مفہوم میں یہ الفاظ عبارت میں نظر آتے ہیں ''كذا في الاصل'' (جیسے کہ اصل یعنی امام محمد کی المبسوط میں موجود ہے) حاجی خلیفہ کی یہی تحقیق ہے۔

۷......مرغینانی المختصر یا الکتاب سے مراد مختصر القدوری لیتے ہیں۔لیکن کئی شارحین کے نزدیک ''الکتاب'' کا لفظ سیاق و سباق کے اعتبار سے مختلف نسبتوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔کبھی اس سے مراد الجامع الصغیر کبھی قدوری اور کبھی اپنا اصل متن یعنی بدایہ المبتدی جس کی شرح الہدایہ ہے مراد لیتے ہیں۔(حاجی خلیفہ لکھنوی)

اسی طرح مرغینانی بعض اوقات صرف ''قال'' لکھ دیتے ہیں اس سے بھی کبھی امام محمد

صاحب الجامع الصغیر کبھی امام قدوری صاحب ''المختصر'' اور کبھی اپنا ہی متن مراد لیتے ہیں۔

۸...... معنی حدیث کے متعلق کبھی مرغینانی لکھتے ہیں کہ

ھذا الحدیث محمول علی المعنی ...... (یہ حدیث فلاں معنی پر محمول ہے) اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ائمہ حدیث نے اسے اس معنی پر محمول کیا ہے۔ اگر مرغینانی ''**نحملہ**'' (ہم محمول کرتے ہیں) لکھ دیں تو اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ یہ میرا اجتہاد ہے پہلے ائمہ حدیث نے یہ معنی بیان نہیں کیے۔ (مفتاح السعادۃ)

۹...... مرغینانی کبھی ''عند فلان'' اور کبھی ''عن فلان'' لکھتے ہیں۔ اول الذکر سے مراد کسی امام کا مذہب ہوتا ہے جب کہ آخر الذکر سے مراد کسی کی روایت ہوتی ہے۔ علامہ عینی شرح الہدایہ میں لکھتے ہیں کہ عن کا کلمہ ظاہر الروایۃ کے علاوہ کسی اور کے لیے استعمال ہوتا ہے اور ابن الہمام بیان کرتے ہیں کہ ''عند'' کلمہ مذہب فقہی پر دلالت کرتا ہے۔

۱۰...... اگر قدوری اور الجامع الصغیر کی عبارت میں اختلاف واقع ہو جائے۔ تو مرغینانی الجامع الصغیر کی عبارت کو فوقیت دیتے ہوئے اس سے اپنے قول کی تصریح کرتے ہیں۔

(مفتاح السعادۃ)

۱۱...... جس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہو وہاں لفظ ''قالوا'' کا استعمال کرتے ہیں جس سے اس مسئلہ کی مختلف فیہ حیثیت اجاگر ہو جاتی ہے۔ (**النھایہ فی آخر کتاب الغصب**)

۱۲...... مرغینانی بعض احکام کی وضاحت کے لیے سوال مقدر کا طریقہ استعمال کرتے ہیں مثلاً **فان قیل کذا قلنا کذا فان قال قائل فنقول** (اگر کوئی شخص یوں کہے تو ہم یہ جواب دیں گے) سوال مقدر کے بعد متصلاً جواب دیتے چلے جاتے ہیں۔ اس طریقے سے مرغینانی نے ہزاروں قانونی وفقہی پیچیدگیوں کو حل کر دیا ہے۔

۱۳...... مرغینانی اگر کسی مسئلہ پر کوئی نظیر وارد کریں اور بعد میں اس مسئلہ یا نظیر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو تو مذکور مسئلہ کے لیے اہم اشارہ قریب استعمال کرتے ہیں اور مذکورہ نظیر

کے لیے اہم اشارہ بعد لاتے ہیں۔ (مفتاح السعادۃ)

۱۴...... جب مرغینانی مسائل اصول یا ظاہر الروایہ کا ذکر کرتے ہیں تو ان سے مراد امام محمد شیبانی کی مصنفہ چھ کتب ہوتی ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں: المبسوط، الزیادات، الجامع الصغیر، الجامع الکبیر، السیر الصغیر، السیر الکبیر، الدمیاطی نے السیر الصغیر کے علاوہ باقی پانچ کتب کو اور طحاوی نے السیر الصغیر اور السیر الکبیر دونوں کے علاوہ باقی چار کتب کو ظاہر الروایہ قرار دیا ہے۔ لیکن چھ کتب والا قول صحیح معتبر اور مختار ہے۔ یہ سب کتابیں ثقہ راویوں سے مروی ہیں۔

۱۵...... مرغینانی بعض اوقات مسائل النوادر کا ذکر کرتے ہیں۔ ان سے مراد امام محمد ہی کی دیگر کتب کے مسائل ہوتے ہیں۔ جو چار قسموں پر مشتمل ہیں۔

(۱) الرقیات...... جو مسائل امام محمد نے اس دور میں جمع کیے جب وہ رقہ میں قاضی تھے اور ان سے محمد بن سماعہ نے روایت کیے۔

(۲) الکیسانیات...... جو مسائل امام محمد نے...... ابو عمر اور سلیمان بن شعیب الکیسانی کے لیے جمع کیے۔

(۳) الھارونیات ...... جو مسائل امام محمد نے ہارون رشید (خلیفہ بنو عباس) کے دور میں جمع کیے۔

(۴) الجرجانیات ...... جو مسائل امام محمد نے جرجان میں جمع کیے۔

۱۶...... بعض اوقات مرغینانی اپنی تحریر میں کتب الامالی کا ذکر کرتے ہیں۔ اس سے مراد وہ روایات ہیں جو امام ابو یوسف سے مروی ہیں۔

حفاظ ہدایہ:

شیخ محی الدین عبد القادر قرشی نے الجواہر المضیہ میں شمس الدین محمد بن الحسن حلبی کے حالات میں لکھا ہے کہ یہ صغر سنی میں کتاب ہدایہ کو از بر کر چکے تھے۔ حفظ کے بعد انہوں نے فقہاء کی ایک جماعت کو ہدایہ سنائی جن میں علامہ ابو حفص عمر بن الوردی بھی ہیں انہوں نے

مختلف مقامات سے ہدایہ کوسن کر مذکورہ ذیل عبارت میں اجازت نامہ لکھ کر مرحمت کیا۔

اما بعد حمد الله علی حسن البدایة والصلوٰة علی نبیه محمد الموصوف فی الکتب بما فیه الکفایة وعلی آله واصحابه سفن النجاة ونجوم الهدایة. فقد عرض علی الفاضل اللبیب شمس الدین محمد بن الحسن الحنفی من کتاب الهدایة مواضع متوافرة اوائله واوسطه واوخره. فجری فیه بلسان رطب فصیح جری من جمع (یعنی طرفیه بالیاء والنون وهذا جمیع السلامة وبالفاء والواؤ وهذا جمیع الصحیح) فهو نجیب من نجیب لابل علم من علم ومن یشابه اماه فما ظلم، فالله تعالیٰ یرزقه العلم والعمل بما فی الکتاب وغیره بدع لمحمد بن الحسن ان یعد من اعیان الاصحاب حرر ذالك فی منتصف شعبان سنة اربع واربعین وسبع مائة نیز شہاب الدین محمود بن ابی بکر عبد القاهر متوفی ۶۸۰ھ کے متعلق لکھا ہے کہ یہ بھی ہدایہ کے حافظ تھے۔

احادیث ہدایہ کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ:

صاحب ہدایہ نے مسائل کے سلسلہ میں جن احادیث وآثار سے استدلال کیا ہے بعض حضرات کو ان کے متعلق ضعف کا اور صاحب ہدایہ کی قلت نظر کا شبہ ہوتا ہے یہاں تک کہ شیخ عبدالحق صاحب دہلوی نے بھی ان کی نسبت اپنے خیالات کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے۔

(کتاب هدایه که در دیار مشهور و معتبر ترین کتاب بها است نیز دریں وهم انداخته چه مصنف ورے در اکثر بنائے کار بردلیل معقول نهاده و اگر حدیثے آورده نزد محدثین خالی از ضعفے نه غالباً اشتغال آں استاد در علم حدیث کمتر بوده است ولیکن شرح شیخ ابن الهمام جزاه الله خیر الجزاء تلافی آں نموده و تحقیق کار فرموده است (شرح سفر السعادة ص ۲۳)

اور کتاب ہدایہ نے بھی جو اس دیار میں مشہور اور معتبر ترین کتابوں میں سے ہے اس وہم میں (کہ مذہب شافعی بہ نسبت مذہب حنفی حدیث کے زیادہ موافق ہے) ڈال دیا ہے کیونکہ اس کے مصنف نے بیشتر دلیل عقلی ہی پر بنا رکھی ہے اور جو حدیث لاتے ہیں وہ محدثین کے نزدیک ضعف سے خالی نہیں ہوتی غالباً ان کا شغل علم حدیث سے کم رہا ہے۔ لیکن شیخ ابن الہمام کی شرح ہدایہ نے اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطاء فرمائے اس کی تلافی کر دی ہے۔ اور انہوں نے تحقیق سے کام لیا ہے۔

حالانکہ نہ تو صاحب ہدایہ کا شغل علم حدیث کم تھا بلکہ وہ خود بڑے محدث اور حافظ حدیث تھے اور نہ جو حدیثیں وہ بیان کرتے ہیں وہ ضعیف ہیں کیونکہ وہ سب ائمہ متقدمین کی کتابوں سے منقول ہیں بلکہ بات یہ ہے کہ جس طرح امام بغوی نے مصابیح السنہ میں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اپنے ائمہ کی کتابوں پر اعتماد کرتے ہوئے بلا حوالہ وسند درج کیا ہے اسی طرح صاحب ہدایہ نے متقدمین ائمہ پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی روایات کو اپنی تصنیف میں جگہ دی ہے۔ بعد میں فتنہ تاتار میں متقدمین کا علمی سرمایہ بہت کچھ ضائع ہو گیا اور بہت سی کتابیں جو پہلے متداول تھیں اب فتنہ میں بالکلیہ معدوم ہو گئیں۔ اب ارباب تخریج نے ان روایات کو متقدمین ائمہ کی تصانیف میں تلاش کرنے کی بجائے ان کتابوں میں تلاش کیا ہے جو ان کے عہد میں تھیں۔ اسی لیے ان کو متعدد روایات کے متعلق یہ کہنا پڑا کہ یہ روایت ہم کو ان لفظوں میں نہ مل سکی۔ ورنہ ظاہر ہے کہ بہت سی روایات کے متعلق حافظ زیلعی اور حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ مخرجین احادیث ہدایہ بصراحت لکھتے ہیں کہ ہم کو نہ مل سکیں۔ حالانکہ وہ روایات کتاب الآثار اور مبسوط امام محمد وغیرہ میں موجود ہیں اور یہ کچھ ہدایہ ہی کی خصوصیت نہیں خود صحیح بخاری کی تعلیقات میں بھی بہت سی ایسی روایتیں موجود ہیں جن کے بارے میں حافظ ابن حجر نے یہی تصریح کی ہے جس کی اصل وجہ وہی ائمہ متقدمین کی کتابوں کا فقدان ہے ورنہ امام بخاری یا صاحب ہدایہ کی شان اس سے کہیں بڑھ کر ہے کہ

ان کے متعلق کسی نے اصل روایت کے بیان کرنے کا شبہ بھی ظاہر کیا ہو۔ ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حدیث ثابت ہو اور حافظ ابن حجر لم نقف یا لا ادری کہیں۔ جب کہ حافظ ابن حجر کی وسعت نظر اور کثرت اطلاع مسلمات میں سے ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ وسیع النظر ہونے سے محیط العلم ہونا تو لازم نہیں ہے آخر یہی حافظ ابن حجر ہیں جنہوں نے "**المجمع الموسس**" میں امام فخر الدین رازی کی نرینہ اولاد کی نفی کی ہے اور کہا ہے "**ولا بلغنا من کلام احمد من المؤرخین انه کان للامام ولد ذکر**" حالانکہ مدینۃ العلوم، طبقات کفوی، تاریخ یافعی اور تاریخ ابن خلکان وغیرہ میں محمد اور محمود دو صاحبزادوں کی تصریح موجود ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ابن خلکان میں تو یہ بھی ہے کہ ان دونوں کی شادی شہر رے کے ایک مالدار اور حاذق طبیب کی دو صاحبزادیوں کے ساتھ ہوئی تھی۔ بہر حال حافظ ابن حجر کے لا ادری کہنے سے اصل حدیث کا عدم لازم نہیں آتا بلکہ یہ موصوف کے عدم علم پر مبنی ہے۔

چنانچہ علامہ زین الدین قاسم بن قطلو بغا نے "**منیة الالمعی فی مافات من تخریج احادیث الهدایة للزیعلی**" میں ان احادیث کی بھی تخریج کر دی ہے جن کے بارے میں حافظ ابن حجر نے "**لم اجده**" کہا ہے۔ ہم یہاں اس کی صرف دو ایک مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں، صاحب ہدایہ نے انگلی سے مسواک کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت کیا ہے۔ علامہ زیلعی کی رائے میں یہ حدیث غریب ہے، لیکن علامہ عینی بنایہ میں فرماتے ہیں کہ موصوف نے سنن احمد کو غور سے نہیں دیکھا ورنہ ان کو حضرت علیؓ کی یہ حدیث ضرور مل جاتی جس میں یہ الفاظ مصرح ہیں "**وادخل بعض اصحابه فی فیه**" اسی طرح مسح راس کی بابت حدیث انسؓ کے متعلق زیلعی نے کہا ہے کہ شیخ علاء الدین کا بیان ہے کہ شیخ تقی الدین نے الامام میں اس کو معجم طبرانی "اوسط" کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن میں نے یہ حدیث نہ الامام میں پائی نہ معجم طبرانی میں۔ لیکن ابن الہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ ممکن ہے طبرانی کے نسخہ میں انہوں نے دیکھا ہو اس میں یہ حدیث نہ ہو ورنہ معجم اوسط کی

سند ابراہیم بغوی میں یہ حدیث بلا شک وشبہ موجود ہے۔

درس ہدایہ میں صحیحین سے استدلال کا ایک واقعہ:

ہدایہ کی جن حدیثوں کے نیچے ارباب حواشی غریب جداً نادر جداً کے الفاظ لکھ دیا کرتے ہیں یہ غرابت وندرت صرف لفظی حد تک ہے ورنہ اگر الفاظ سے قطع نظر کرلیا جائے تو ان ہی حدیثوں کے مفہوم اور مفاد کو اکثر وبیشتر صحاح کی حدیثوں کے الفاظ سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ سیر الاولیاء میں مولانا فخر الدین زرادی کے متعلق لکھا ہے کہ یہ چاشت کی نماز کے بعد ہدایہ کا درس دیا کرتے تھے۔ ایک دن کا واقعہ جو خود میر خورد کا چشم دید ہے درج کرتے ہیں کہ مولانا حسب دستور ہدایہ پڑھا رہے تھے کہ:

روزے آن عالم ربانی مولانا کمال الدین سامانی کہ از مشاہیر علماء شہر بود بدیدن سلطان المشائخ آمد چوں از خدمت سلطان المشائخ بازگشت سبب فرط اتحاد یکہ بخدمت مولانا فخر الدین داشت دریں مجلس حاضر شد۔

ایک دن عالم ربانی مولانا کمال الدین سامانی جو مشاہیر علماء میں تھے سلطان المشائخ کی زیارت کو تشریف لائے جب وہاں سے واپس ہوئے تو اس تعلق کی وجہ سے جو انہیں مولانا فخر سے تھا اس مجلس میں حاضر ہوئے۔

مولانا فخر الدین نے ان کو دیکھ کر ہدایہ پڑھانے کا طرز عجیب طریقہ سے بدل دیا۔ میر خورد لکھتے ہیں کہ

چوں خدمت مولانا کمال الدین دید تمسکات ہدایہ را ترک دادہ باحادیث صحیحین تمسک می داد۔

جب مولانا کمال الدین کی خدمت دیکھی تو ہدایہ کی حدیثوں کو چھوڑ کو صحیحین کی حدیثوں سے استدلال فرمانے لگے۔

یعنی حنفی مذہب کے مسائل کی تائید میں صاحب ہدایہ جن حدیثوں کو عموماً پیش کرتے ہیں

مولانا فخر الدین بغیر کسی سابقہ تیاری کے اچانک ایک مقام سے جہاں سبق ہو رہا تھا یہ رنگ بدلا کہ صاحب ہدایہ کی پیش کردہ دلیلوں کو چھوڑ کر حنفی نقطہ نظر کی تائید میں صحیحین کی حدیثیں پیش کرنی شروع کر دیں۔ (اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ ہدایہ کے مسائل بخاری و مسلم کی حدیث کے مطابق ہیں)

مسامحات صاحب ہدایہ (نصف اول)

(۱) کتاب الطهارة، فصل فی الغسل وقال مالك واجب. (مطبوعہ رشیدیہ دہلی ۱۲) ہدایہ ج۱ ص۱۶، سطر نمبر ۱۳، امام مالک کی طرف وجوب غسل جمعہ کو منسوب کرنا غالباً کسی غیر معتبر کتاب سے نقل ہے ورنہ علامہ ابن عبدالبر مالکی استدراک میں لکھتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ کسی نے غسل جمعہ کو واجب کہا ہو بجز فرقہ ظاہریہ کے اور ابن ذہب سے نقل کیا ہے کہ امام مالک سے غسل جمعہ کے واجب ہونے کو دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ سنت اور بھلائی کی بات ہے۔ عرض کیا گیا کہ حدیث میں تو واجب کہا گیا ہے فرمایا یہ ضروری نہیں کہ جو بات حدیث میں آجائے وہ واجب ہی ہو۔ نیز اشہب نے روایت کیا ہے کہ امام مالک نے غسل جمعہ کو حسن کہا ہے نہ کہ واجب۔ البتہ مولانا عبدالحئی صاحب نے سعایہ میں نووی کی شرح مسلم کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ابن المنذر نے امام مالک سے وجوب نقل کیا ہے۔

(۲) باب الاذان: ج۱ ص۷۶، سطر نمبر ۲، **باب الامامة: لا بنی ابی ملیکه** ج۱ ص۱۰۱، سطر نمبر ۱۳، یہ غلط ہے کیونکہ اس حدیث کو ائمہ ستہ نے اپنی کتابوں میں مطول و مختصر ہر دو طرح مالک بن الحویرث سے یوں روایت کیا ہے۔ **قال اتیت رسول الله صلی الله علیه وسلم انا وصاحب لی** اھ ایک روایت میں ہے: "**انا وابن عم لی**" اور نسائی کی روایت میں یہ ہے "**انا وابن عمر**" پس صاحب ہدایہ کو یوں کہنا چاہیے تھا "**لقوله علیه السلام لمالك بن الحویرث وصاحب له، او ابن عم له، او ابن عمر (علی اختلاف الروایات)**" چنانچہ صاحب ہدایہ نے خود کتاب الصرف ج۲ ص۲۰ سطر

نمبر ۸ میں اس کو صحیح طور پر نقل کرتے ہوئے یوں کہا ہے ''لان الاثنین قدیر اد بذکرهما الواحد قال الله تعالٰی یخرج منهما اللؤلؤ والمرجان، والمراد احدهما وقال علیه السلام لمالك بن الحویرث وابن عمر اذا سافر تمام فاذنا والمراد احدهما'' زیلعی نے نصب الرایہ ج ا ص ۲۹۰ میں اور ابن الہمام نے فتح القدیر ج ا ص ۱۷۸ میں اسی طرح ذکر کیا ہے (لیکن ہدایہ کے ہندی مطبوعہ نسخوں کی کتاب الصرف میں یہ حدیث نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ ناسخین کے سہو سے رہ گئی ہے۔

علامہ انزاری نے غایۃ البیان میں اس موقع پر نہایت تعجب خیز کلام کیا ہے فرماتے ہیں کہ ابوداؤد نے سنن میں بطریق ابو قلابہ حضرت مالک بن الحویرث سے روایت کیا ہے ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال له ولصاحب له اھ اور ایک بھائی کو دوسرے بھائی کے لیے صاحب تعبیر کرنا جائز ہے اور ہوسکتا ہے کہ حویرث کی کنیت ابوملیکہ ہو (اس طرح صاحب ہدایہ کا قول ''لابنی ابی ملیکة'' صحیح ہوسکتا ہے) پھر موصوف بطریق استدراک کہتے ہیں کہ مبسوط شیخ الاسلام کے الفاظ اور ہیں اور حیث قال ''یروی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لمالك وابن عم له'' پھر توجیہ کرتے ہیں کہ ابن اور ابن عم کو بھی ابنین سے تعبیر کر سکتے ہیں اور صاحب ہدایہ کا قول بطریق تغلیب ہے (انتہٰی) لیکن علامہ عینی شرح ہدایہ میں قول مذکور پر گرفت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ علامہ انزاری کو باب حدیث میں وسعت نظر کا بڑا دعویٰ ہے اس کے باوجود یہاں خبط کثیر میں مبتلا ہو گئے اس لیے اولاً موصوف نے حدیث کو اس کی اصل کے مطابق ذکر کیا پھر اس پر صاحب ہدایہ کے کلام کو غیر مقبول تاویل کے ساتھ محمول کیا حالانکہ صاحب ہدایہ کا قول واقعتاً غلط ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اس غلط بات کو یوں مؤکد کیا کہ ''ہوسکتا ہے حویرث کی کنیت ابوملیکہ ہو'' حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

(۳) باب صفة الصلوٰة، لقوله تعالٰی وارکعوا واسجدوا. ج ا ص ۸۲، سطر

نمبر۸، علامہ عینی نے اس پر یہ گرفت کی ہے کہ قرآن میں ''وارکعوا'' واؤ کے ساتھ نہیں ہے پس یہ مبنی بر سہو ہے، مولانا عبدالحیؒ صاحب سعایہ میں فرماتے ہیں کہ اس کے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں کہ صاحب ہدایہ کا قول ''وارکعوا'' سورہ حج والی آیت ''یا ایھا الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم'' کا قطعہ نہیں بلکہ یہ سورہ بقرہ کی آیت ''واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوۃ وارکعوا من الراکعین'' کا ٹکڑا ہے اور موصوف کا قول ''واسجدوا'' سورہ حج کی مذکورہ آیت کا ٹکڑا ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہوا کہ آیت بقرہ میں تو رکوع کا خطاب یہود کی طرف ہے جیسا کہ ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کیا ہے پھر مسلمانوں پر رکوع کی فرضیت کیسے ثابت ہوگی؟ اس کا جواب دیتے ہیں کہ وجوب الرکوع علی الیھود وجوب علی المسلمین کما یدل علیہ قولہ ''مع الراکعین'' (فتأمل) ۔

(۴) باب صلٰوۃ الجنائز. فصل فی الدفن، کذا قالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین وضع ابا دجانۃ فی القبر ج۱ص۱۶۲، سطر نمبر۱۴، علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ یہ غلط ہے کیونکہ ابودجانہ کی وفات تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد واقعہ یمامہ کے بزمانہ خلافت ابوبکر صدیقؓ ۱۳ھ میں ہوئی ہے جیسا کہ واقدی نے کتاب الردۃ میں روایت کیا ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ وہم فاحش ہے کیونکہ ابودجانہ واقعہ یمامہ میں مقتول ہوئے جیسا کہ طبرانی نے معجم میں محمد بن اسحاق کی سند سے روایت کیا اور اس وہم کا سبب تقلید ہے کہ شیخ الاسلام نے بھی مبسوط میں یونہی ذکر کیا ہے اور اس طرح صاحب بدائع نے لیا ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کو قبر میں رکھا تھا وہ حضرت ذوالبجادین ہیں جن کا نام پہلے عبدالعزیٰ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ نام بدل کر عبداللہ رکھا تھا۔ ان کی وفات غزوہ تبوک میں ہوئی ہے۔ مولانا عبدالحیؒ صاحب مزیلۃ الدرایہ میں فرماتے ہیں کہ علامہ عینی نے بھی شیخ الاسلام وغیرہ کی تقلید کرتے ہوئے منجہ

السلوک شرح تحفۃ الملوک میں وہی ذکر کرڈالا جو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے **فسبحان ربی لا یضل ولا ینسیٰ**

(۵)باب الصلوٰۃ فی الکعبۃ، الصلوٰۃ فی الکعبۃ جائزۃ فرضها ونفلها خلافا للشافعی فیهما ج ۱ص ۱۶۴، سطر نمبر ۱۷، علامہ سغناقی نہایہ میں فرماتے ہیں کہ یہ سہو کاتب ہے کیونکہ احناف کی طرح امام شافعی بھی خانہ کعبہ کے اندر نماز کے جواز کے قائل ہیں جیسا کہ کتب شوافع وجیز خلاصہ ذخیرہ وغیرہ میں مرقوم ہے اور علماء احناف نے بھی مبسوط، اسرار، ایضاح، محیط، شرح جامع صغیر وغیرہ میں امام شافعی کا یہ اختلاف ذکر نہیں کیا۔

(۶)کتاب الصوم، باب یا یوجب القضاء، والکفارۃ، وهو حجة علی الشافعی فی قوله یخیر. ج ۱ص ۲۰۰، سطر نمبر ۳، علامہ عینی فرماتے ہیں صاحب ہدایہ نے جو تخییر بین الثلاثۃ، رتبہ، صوم، اطعام، کو امام شافعی کی جانب اور نفی تتابع کو امام مالک کی جانب منسوب کیا ہے یہ موصوف کی بھول ہے کیونکہ احناف کی طرح امام شافعی بھی ترتیب کے قائل ہیں جیسا کہ امام غزالی کی ''وجیز وخلاصہ'' میں اور شیخ الاسلام وفخر الاسلام کی مبسوط میں مصرح ہے، نیز منکر تتابع ابن ابی لیلیٰ وغیرہ میں نہ کہ امام مالک۔

(۷)کتاب الصوم، فصل وقال الشافعی الفطر افضل. ج ۱ص ۲۰۱، سطر نمبر ۱۵، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ صاحب ہدایہ نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک مسافر کے لیے بہر صورت افطار افضل ہے عام طور سے دیگر کتب احناف میں بھی یہی مذکور ہے مگر صحیح یہ ہے کہ ان کا قول بھی وہی ہے جو احناف کا ہے۔ شوافع کی کتابوں سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ مسافر کے لیے بہر حال افطار کا افضل ہونا تو امام احمد کا مذہب ہے۔

(۸)باب الاحرام، حتی روی فی حدیث ابن عباس، ج ۱ص ۲۲۸، سطر نمبر ۹، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ موصوف کا وہم ہے شراح میں سے کسی نے اس پر متنبہ نہیں کیا۔ بعض حضرات نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس سے صاحب ہدایہ کی مراد حضرت عبداللہ بن

عباس نہیں بلکہ کنانہ بن عباس بن مرداس ہے۔ مولانا عبدالحئ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ جواب دو وجہ سے غلط ہے اول اس لیے کہ جب ابن عباس مطلق بولا جائے تو اس سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہی مراد ہوتے ہیں۔ دوم اس لیے کہ صاحب ہدایہ کی یہ عادت ہی نہیں کہ ذکر حدیث کے وقت وہ تابعی کو ذکر کریں اور صحابی کو ذکر نہ کریں۔

(۹) **باب الاحرام، وقال الشافعی انه رکن** ج۱ص۲۲۸، سطر نمبر۱۱، صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں کہ یہ موصوف کا سہو ہے کیونکہ کتب شوافع اس کے خلاف ناطق ہیں۔ یعنی شوافع کے یہاں بھی وقوف مزدلفہ رکن نہیں ہے۔

(۱۰) **باب الجنایات، فصل: عن الشافعی انه یفسد احرامه فی جمیع ذلك.** ج۱ص۲۵۰، سطر نمبر۱۶، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ امام شافعی کی طرف یہ انتساب صحیح نہیں کیونکہ امام نووی نے ''شرح مہذب'' میں تصریح کی ہے کہ ان صورتوں میں امام شافعی کے یہاں بھی صرف خون واجب ہے۔

(۱۱) **باب الحج عن الخیر، کحدیث الخثعمیة فانه علیه السلام قال فیه حجی واعتمری عن ابیك.** ج۱ص۲۷۷، سطر نمبر۴، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ موصوف کا وہم ہے اس لیے کہ حدیث خثعمیہ کو اصحاب ستہ نے روایت کیا ہے اور اس میں اعتمار کا ذکر نہیں ہے بلکہ یہ حدیث اوزین عقیلی میں ہے جیسا کہ اصحاب سنن نے روایت کیا ہے۔

(۱۲) **کتاب النکاح، وقال مالك هو جائز.** ج۱ص۲۹۲، سطر نمبر۱۷، صاحب ہدایہ نے امام مالک کی طرف جواز متعہ کو منسوب کیا ہے، علامہ کاکی فرماتے ہیں کہ یہ موصوف کا سہو ہے کیونکہ ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی اس کے جواز کا قائل نہیں ہے، سب کے نزدیک حرام ہے۔ البتہ شیعہ لوگوں کی ایک جماعت قائل اباحت ہے۔ علامہ سروجی فرماتے ہیں کہ امام مالک کے نزدیک متعہ جائز نہیں جس کی صراحت ذخیرہ مالکیہ میں موجود ہے۔ علامہ

اکمل نے عنایہ میں صاحب ہدایہ کی جانب سے اعتذار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ممکن ہے صاحب ہدایہ کے استاد شمس الائمہ کو امام مالک کا کوئی قول ملا ہو مگر ذخیرہ کی تصریح کے بعد یہ اعتذار بے کار ہے۔ علاوہ ازیں امام مالک نے موطا میں حضرت علیؓ سے نھی عن المتعہ کی حدیث روایت کی ہے اور آپ کی عام عادت ہے کہ موطا میں جو روایت لاتے ہیں اس پر آپ کا عمل ہوتا ہے۔

(۱۳) باب الظهار، فصل فی الکفارة لقوله علیه السلام فی حدیث اوس بن الصامت وسهل بن صخر. ص۳۹، سطر نمبر۱۳، یہ بھی موصوف کا سہو ہے۔ اس واسطے کہ سہل بن صخر لیثی گو صحابی ہیں جیسا کہ امام مستغفری نے معرفۃ الصحابہ میں ذکر کیا ہے لیکن ان سے فقہاء کی بابت کوئی حدیث مروی نہیں۔ اور ابن صخر جنہوں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا ان کا نام سلمہ یا سلمان بن صخر ہے نہ کہ سہل جیسا کہ نووی کی تہذیب اور ابن حجر کی تہذیب میں ہے **وذکر فی المبسوط هو سلمة بن صخر بن سلیمان بن حارثة الانصاری ثم البیاضی فی وهو الذی من امرأة ثم وقع علیها فامره رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یکفر.**

مسامحات صاحب ہدایہ (نصف ثانی)

(۱۴) کتاب البیوع، مسائل منثورة لقوله علیه السلام فی ذلك الحدیث فاعلمهم ان لهم ما للمسلمین وعلیهم ما علی المسلمین. ج۲ ص۸۶، سطر نمبر۴، یہ اشارہ سہو واقع ہوا ہے علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ صاحب ہدایہ نے "ذلک الحدیث" سے کون سی حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ اس سے قبل اس معنی میں۔ حدیث معاذؓ کتاب الزکوٰۃ میں اور حدیث بریدہ کتاب السیر میں گزری ہے اور ان دونوں میں یہ مضمون نہیں ہے۔

(۱۵) کتاب الکفالة، فصل فی الضمان، والشافعی الحق الثانی بالاول

وابویوسف فیما یروی عنه الحق الاول بالثانی، ج۲ص۱۰۹، سطرنمبر۱۱، صاحب کفایہ تبعیت صاحب نہایہ فرماتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں بلکہ صحیح اس کا عکس ہے وھو ان یقال والشافعی الحق الاول بالثانی وابویوسف فیما یروی عنه الحق الثانی بالاول. صاحب عنایہ کہتے ہیں کہ بعض شارحین نے اس کو اس پر محمول کیا ہے کہ امام شافعی اور امام ابو یوسف دونوں سے دو دو روایتیں ہیں اور بعض نے ناسخین کی غلطی پر محمول کیا ہے۔ اور غالبًا یہی اظہر ہے۔ صاحب فتح القدیر کہتے ہیں هذا سهو من الكاتب

(۱۶) کتاب القسمة، باب دعوی الغلط فی القسمة والاستحقا فی فیها وهكذا ذكر فی الاسرار، ج۲ص۴۰۴، سطرنمبر۱۵، یہ مبنی بر مسامحت ہے کیونکہ اسرار میں مسئلہ کی وضع بعض شائع کے استحقاق پر ہے اور یہاں گفتگو بعض معین کے استحقاق میں ہے۔ (كذا فی الكفايه)

(۱۷) کتاب الذبائح، فانه مجری العلف والماء والمری مجری النفس، ج۲ص۴۲۱، سطرنمبر۱۶، یہ تفسیر غیر جید ہے اور حق اس کا عکس ہے کیونکہ حلقوم راہ گزر نفس ہے اور مری رہ گزر آب و گیاہ جیسا کہ ایضاح و مغرب اور تاج الاسامی وغیرہ میں مرقوم ہے۔

(۱۸) کتاب الذبائح، وانخاع عرق ابیض فی عظم الرقبة، ج۲ص۴۲۲، سطرنمبر۱۷، اس کو صاحب نہایہ نے سہو کی طرف منسوب کیا ہے اور کہا ہے هو خيط ابيض فی جون عظم الرقبهة يمتد الى الصلب.

(۱۹) کتاب الكراهية، فصل فی البيع، وقال ابويوسف يكره، ج۲ ص۴۵۵، سطرنمبر۱۰، فقیہ ابو اللیث نے شرح جامع صغیر میں کہا ہے کہ احتکار کی تین صورتیں ہیں ایک درست دوسری مکروہ تیسری مختلف فیہ مکروہ صورت یہ ہے کہ غلہ شہر میں خریدے اور بیچے اور اہل شہر کو اس سے تکلیف ہو صحیح صورت یہ ہے کہ اپنی زمین کا غلہ ہو یا دوسرے شہر سے لایا ہو یا شہر ہی میں خریدا ہو لیکن اس کا روکنا لوگوں کے لیے تکلیف دہ ہو، مختلف فیہ صورت یہ

ہے کہ شہر سے متصل دیہات سے غلہ خریدے اور شہر میں لاکر روک لے تو یہ امام صاحب کے نزدیک درست ہے۔ امام محمد کے نزدیک مکروہ پس صاحب ہدایہ نے جو کلوب کو امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ کہا ہے، یہ غیر مسلم ہے کیونکہ فقیہ ابو اللیث نے اس کو متفق علیہ قسم میں داخل مانا ہے۔ نیز قدوری نے کتاب التقریب میں امام ابو یوسف کا قول روایت کیا ہے کہ اگر غلہ نصف میل سے لائے تو وہ احتکار نہیں۔ پس دوسرے شہر سے لایا ہوا غلہ امام ابو یوسف کے نزدیک کیسے احتکار ہو سکتا ہے؟

(۲۰) **کتاب الدیات، فصل وقال وزفر والحسن،** ج ۲ ص ۵۷۸، سطر نمبر ۱۶، صاحب عنایہ کہتے ہیں کہ یہ ترکیب ناجائز ہے البتہ اگر یوں کہتے۔ **وقالا ھما وزفر والحسن** تو صحیح ہوتا۔

(۲۱) **کتاب الوصایا باب العتق فی مرض الموت فعنده الودیعة وعند ھما سواء** جلد نمبر ۲ ص ۶۶۱، سطر ۶، یہ مبنی بر مسامحت ہے کیونکہ کبار قدماء نے اختلاف اس کے برعکس کیا ہے۔ چنانچہ فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے مختلف الروایہ میں قدوری نے کتاب التقریب میں فخر الاسلام اور صدر الشہید نے شرح جامع صغیر میں اور امام نجم الدین ابو حفص عمر النسفی نے کتاب الحصر میں کہا کہ صاحبین کے نزدیک ودیعت دین سے اقویٰ ہے اور امام صاحب کے نزدیک دونوں برابر ہیں۔ **والتفصیل فی غایة البیان**

(۲۲) **کتاب الوصایا، باب العتق فی مرض الموت فصل وفی روایة عنه انه یقدم الحج وھو قول محمد.** ج ۲ ص ۶۶۱، سطر نمبر ۱۱، مولانا عبدالحیٔ صاحب فرماتے ہیں کہ ممکن ہے موصوف کو امام محمد سے یہ روایت ملی ہو ورنہ قدوری نے شرح مختصر کرخی میں شمس الائمہ بیہقی نے کفایہ میں صاحب تحفہ نے اور شیخ ابو نصر نے شرح القطع میں امام کا یہ قول بتایا ہے کہ حج پر زکوٰۃ مقدم ہے **کذا فی غایة البیان.**

(۲۳) **کتاب الوصایا، باب الوصیة للاقارب وغیرھم لما روی ان النبی**

صلی اللہ علیہ وسلم لما تزوج صفية. ج ۲ ص ۶۶۳، سطر نمبر ۱۲، یہ صحیح نہیں بلکہ صحیح جویریہؓ ہے جس کی تصریح کتب حدیث میں موجود ہے۔ پہلے ان کا نام برہ تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جویریہ کے نام سے موسوم کیا لانه يكره ان يقال خرج من بيت برة.

تراجم وحواشی ہدایہ:

علمی دنیا میں الہدایہ کی مقبولیت، افادیت اور وقعت وثقاہت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ بعد کے علماء ومحققین اس کتاب کے مختلف علمی گوشوں اور نادر پہلوؤں کو مزید اجاگر کرنے اور اس کے فیضان کو عام کرنے کے لیے طرح طرح کی تالیفات مرتب کرتے رہے ہیں۔ اس قدر مختلف النوع اعتبارات سے شاید ہی کسی کتاب پر آج تک کام ہوا ہو۔

الہدایہ پر ہونے والا کام اپنی نوعیتوں کے اعتبار سے درج ذیل اقسام پر مشتمل ہے۔

۱۔ تخریج الاحادیث
۲۔ شروح
۳۔ حواشی
۴۔ اختصار وتلخیص
۵۔ تجرید المسائل
۶۔ جواب الجروح
۷۔ تعلیقات
۸۔ تعارفی مقدمات
۹۔ شرح الاجزاء
۱۰۔ تراجم

(۱) تخریج الاحادیث:

الہدایہ میں کئی احادیث بیان کی گئی ہیں چونکہ یہ کتاب فقہ کے موضوع پر تصنیف ہوئی تھی حدیث کے موضوع پر نہ تھی اس لیے مندرجہ احادیث کی تخریج کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جہاں جہاں دلیل کے طور پر آیات و احادیث کی ضرورت تھی۔ بے ساختگی سے بیان کر دی گئی تھیں۔ چنانچہ بعض شافعی المذہب علماء نے جو مرغینانی کے علمی مقام سے آگاہ نہ تھے۔ان کی طرف سے الہدایہ پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اس میں جو احادیث مذکور ہیں وہ لفظاً ثابت نہیں۔

چنانچہ اس اعتراض کی بنا پر فقہاء و محدثین نے الہدایہ کی جملہ احادیث کی تخریج کی۔اور تمام اسناد و طرق کے ساتھ ان کا لفظی ثبوت مہیا کر دیا۔ اس کام سے امام مرغینانی کا علم حدیث میں تبحر اور وسعت مطالعہ کا بھی اندازہ ہوتا ہے چنانچہ ایسے علماء اور ان کی تصانیف کا مختصر تذکرہ پیش خدمت ہے۔

۱...... شیخ علاؤ الدین علی بن عثمان المعروف بابن الترکمانی الماردینی (م۷۵۰ھ) کی ''**الکفایة فی معرفة احادیث الهدایة**''

۲...... شیخ جمال الدین عبداللہ بن یوسف الزیلعی (م۷۶۲ھ) کی ''**نصب الرایہ فی تخریج الاحادیث الہدایہ**''

۳...... شیخ محی الدین عبدالقادر بن محمد القرشی المصری (م۷۷۵ھ) کی ''**العنایہ بمعرفة احادیث الهدایة**''

۴...... امام احمد بن علی بن حجر العسقلانی (م۸۵۷ھ) کی ''**الدرایہ فی منتخب احادیث الہدایہ**'' یہ کتاب دراصل امام زیلعی کی ''نصب الرایہ'' کی تلخیص ہے۔ (کشف الظنون)

۵...... علامہ زین الدین قاسم بن قطلوبغا الحنفی کی **بغية الالمعی**

(۲) شروح:

الہدایہ کی بے شمار شروح لکھی گئی ہیں۔ جن کے ذریعے مرغینانی کے تبحر فقہی اور کمال علمی

پر روشنی پڑتی ہے۔ان شروح کی وجہ سے الہدایہ کے فقہی مسائل وتحقیقات کے لاکھوں گوشے مزید وضاحت اور تفصیل کے ساتھ منظر عام پر آ گئے ہیں۔ان میں سے جن کے نام معلوم ہو سکے درج ذیل ہیں۔

۱......''الفوائد'' مصنفہ حمید الدین علی بن محمد بن العزیز البخاری (م ۶۶۷ھ) یہ ۲ مجلدات پر مشتمل ہے غالباً سب سے پہلی شرح ہے۔

۲......''نہایۃ الکفایۃ فی درایۃ الہدایہ'' مصنفہ تاج الشریعہ عمر بن صدر الشریعہ الاول عبید اللہ المحبوبی الحنفی (م ۶۷۲ھ)

۳......''الغایہ'' مصنفہ ابو العباس احمد بن ابراہیم السروجی القاضی الحنفی (م ۷۱۰ھ) یہ کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔اس کی تکمیل قاضی سروجی کے انتقال کے بعد قاضی سعد الدین محمد الدیری (م ۸۶۷ھ) نے مسلک سروجی کے مطابق کی۔

۴......''النہایہ'' مصنفہ حسام الدین حسین بن علی المعروف بالصغناقی الحنفی (م ۷۱۰ھ) یہ ربیع الاول ۷۰۰ھ میں مکمل ہوئی۔اس کی تلخیص ''خلاص النہایہ فی فوائد الہدایہ'' مصنفہ جمال الدین محمود بن احمد بن السراج القونوی (م ۷۷۰ھ) ہے یہ ایک جلد پر مشتمل ہے۔

۵......''معراج الدرایہ الی شرح الہدایہ'' مصنفہ قوام الدین محمد بن محمد البخاری السکاکی (م ۷۴۹ھ) یہ ۱۱ محرم ۷۴۵ھ کو مکمل ہوئی۔

۶......''غایۃ البیان و نادرۃ الاقران'' مصنفہ قوام الدین امیر کاتب بن امیر عمر الاتقانی الحنفی (م ۷۵۸ھ) یہ ۲ مجلدات پر مشتمل ہے۔۲۶ سال اور ۷ ماہ کی کاوش کے بعد یہ کتاب ۷۴۷ھ میں مکمل ہوئی۔

۷......''الکفایہ فی شرح الھدایہ'' مصنفہ السید جلال الدین الکرلانی (م ۷۶۷ھ)

۸......''شرح الھدایہ'' مصنفہ حافظ الدین ابو البرکات عبد اللہ بن احمد النسفی (م

۷۱۰ھ) ہوامش الجواہر میں ہے کہ امام نسفی نے یہ شرح قیام بغداد کے دوران ۷۰۰ھ میں تصنیف کی۔

۹...... "فتح القدیر" مصنفہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد السیواسی المعروف بابن الہمام الحنفی (م۸۶۱ھ) یہ شرح خاص شہرت وقبولیت کی حامل ہے۔ ملا علی القاری نے اس پر حاشیہ تحریر کیا ہے جو ۲ مجلدات پر مشتمل ہے۔ ابراہیم بن محمد الحلبی (م۹۵۶ھ) نے اس کی تلخیص کی ہے۔

۱۰...... "نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار" مصنفہ شمس الدین احمد بن قورد المعروف بقاضی زادہ المفتی (م۹۸۸ھ)

۱۱...... "التوشیح" مصنفہ سراج الدین عمر بن اسحاق الغزنوی الہندی (م۷۷۳ھ) انہوں نے ایک اور شرح "التوشیح" سے مختصر انداز میں بھی لکھی تھی ج ۶ مجلدات پر مشتمل تھی۔ اس کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔ یہ شرح طریقہ جدل پر لکھی گئی۔

۱۲...... "العنایہ" مصنفہ شیخ اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی الحنفی (م۷۸۶ھ) ۲ مجلدات پر مشتمل ہے۔ اس میں ۳۰۰۰ تین ہزار مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ محمد ابن ابراہیم الدروری المصری الحنفی (م۱۰۶۶ھ) نے اس پر حاشیہ تحریر کیا ہے۔

۱۳...... "شرح الہدایہ" مصنفہ علاء الدین علی بن محمد (ابن الحسن) الخلاطی (م۷۰۷ھ)

۱۴...... "شرح الہدایہ" مصنفہ علاؤ الدین علی بن عثمان المعروف بابن الترکمانی المار دینی (م۷۵۰ھ) وہ اسے خود مکمل نہ کرسکے۔ ان کی وفات کے بعد اس کی تکمیل ان کے بیٹے جمال الدین عبداللہ (م۷۶۹ھ) نے کی۔

۱۵...... "البنایہ" مصنفہ قاضی بدر الدین محمود بن احمد المعروف بالعینی (۷۵۵ھ) یہ کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کی تکمیل ۱۰ محرم الحرام ۷۵۰ھ کو ہوئی۔

۱۶...... "نہایہ النہایہ" مصنفہ محب الدین محمد بن محمد بن محمود المعروف بان الشحنہ الحلبی

(م۷۹۰ھ) یہ ۵ جلدوں پر مشتمل ہے۔ نامکمل ہے۔ فصل ''الغسل'' کے آخر تک لکھی گئی ہے۔

۱۷...... ''شرح الہدایہ'' مصنفہ ابو المکارم احمد بن حسن التبریزی الجاربردی الشافعی (م۷۴۶ھ)

۱۸...... ''شرح الہدایہ'' مصنفہ تاج الدین احمد بن عثمان بن ابراہیم الماردینی الترکمانی المصری الحنفی (م۷۴۵ھ/۷۴۴ھ)

۱۹...... ''شرح الہدایہ'' مصنفہ سنان الدین یوسف المحشی الرومی۔ یہ بھی مکمل رہ گئی تھی ان کے بعد ان کے بھتیجے محمد بن مصطفیٰ نے اس کی تکمیل کی۔

۲۰...... ''شرح الہدایہ'' مصنفہ شمس الدین محمد بن عثمان ابن الحریری (م۷۲۷ھ)

۲۱...... ''شرح الہدایہ'' مصنفہ مولانا خداداد دہلوی۔ یہ بھی نامکمل ہے۔

۲۲...... ''شرح الہدایہ'' مصنفہ شیخ علی بن محمد المعروف مصنفک (م۸۷۵ھ) یہ مختصر ہے مگر دیباچہ کی شرح بڑی مبسوط ہے۔

۲۳...... ''ارشاد الدرایہ'' مصنفہ مصلح الدین مصطفیٰ بن زکریا بن آی دوغمش القرمانی (م۸۰۹ھ)

۲۴...... ''زبدۃ الدرایہ'' مصنفہ قاضی عبدالرحیم ابن علی الامدی۔

۲۵...... ''شرح الہدایہ'' مصنفہ ابن عبدالحق ابراہیم بن علی الدمشقی (م۷۴۴ھ)

۲۶...... ''شرح الہدایہ'' مصنفہ احمد بن حسن المعروف بابن الزرکشی (م۷۳۸ھ)

۲۷...... ''شرح الہدایہ'' مصنفہ تاج الدین ابو محمد احمد بن عبدالقادر الحنفی (م۷۴۹ھ)

۲۸...... ''شرح الہدایہ'' مصنفہ نجم الدین ابو الطاہر اسحٰق بن علی الحنفی (م۷۱۱ھ) یہ شرح ۲ مجلدات پر مشتمل ہے۔

۲۹...... ''شرح الہدایہ'' مصنفہ السید الشریف علی بن محمد الجرجانی (م۸۱۶ھ)

۳۰...... ''شرح الہدایہ'' مصنفہ سعد الدین التفتازانی اس شرح کا ذکر محمد شرف الدین

مدرس جامعہ استنبول نے کشف الظنون پر اپنے اضافات میں کیا ہے۔

۳۱…… ''الدرایہ'' مصنفہ ابوعبداللہ محمد بن مبارک شاہ بن محمد الملقب معین الہروی۔

۳۲…… ''توجیہ العنایہ لجمع شروح الوقایہ'' مصنفہ ابوالیمن محمد بن المحب اس کی ۲ مجلدات ہیں۔

۳۳…… ''شرح الہدایہ'' مصنفہ تقی الدین ابوبکر بن محمد الحصنی الشافعی (م۸۲۹ھ)

۳۴…… ''شرح الہدایہ'' مصنفہ نجم الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی الحنفی (م۷۵۷ھ) یہ ۵ مجلدات پر مشتمل ہے۔

۳۵…… ''شرح الہدایہ'' مصنفہ شیخ حمید الدین مخلص ابن عبداللہ النہد ی۔

۳۶…… ''خلاصۃ النہایہ فی فوائد الہدایہ۔ محمود بن احمد قونوی، ۷۷۰ھ یہ ایک جلد میں ہے۔

۳۷…… ''شرح الہدایہ'' از شیخ احمد بن مصطفیٰ معروف بطاش کبری زادہ (م۹۶۸ھ) یہ شرح بھی نامکمل ہے۔

۳۸…… ''روضۃ الاخیار'' اس نام سے ہدایہ کی ایک شرح موجود ہے۔ جس کے مصنف کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔

(۳) حواشی:

ہدایہ کی علمی افادیت اور فقہی مقام کا اندازہ اس کی شروح کی تعداد سے ہوسکتا ہے۔ لیکن اس پر متعدد علماء نے حواشی بھی رقم کیے ہیں جن میں سے چند ایک کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

۱…… ''حاشیہ الہدایہ'' مصنفہ جلال الدین عمر بن محمد الجنازی (م۶۹۱ھ) اس کی تکمیل بعد میں محمد احمد القونوی نے کی اور اس کا نام ''تکملۃ الفوائد'' رکھا۔

۲…… ''حاشیہ الہدایہ'' مصنفہ محب الدین محمد بن احمد۔ مولانا زادہ الاقسر ابی الحنفی (م۸۵۹ھ)

۳…… ''حاشیہ الہدایہ'' مصنفہ مصطلح الدین مصطفیٰ بن شعبان السروری (م۹۶۹ھ)

۴...... ''حاشیہ الہدایہ'' مصنفہ ابن بالی صاحب الذیل (م۹۹۲ھ)

۵...... ''حاشیہ الہدایہ'' مصنفہ مولانا عبدالغفور۔

۶...... ''حاشیہ الہدایہ'' مصنفہ مولانا ہداد جونپوری۔

۷...... ''حاشیہ الہدایہ'' مصنفہ نجم الدین ابوطاہر اسحٰق بن علی بن یحییٰ (م۷۱۱ھ)

۸...... ''حاشیہ الہدایہ'' مصنفہ مولانا عبدالحلیم لکھنوی۔

۹...... ''حاشیہ الہدایہ'' مصنفہ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی۔

(۴) اختصار و تلخیص:

متعدد علماء وفقہاء نے ہدایہ کی تلخیص کر کے اسے مختصر انداز میں بھی مدون کیا ہے۔

۱...... ''الکفایہ فی تلخیص الہدایہ'' مصنفہ علاء الدین علی بن عثمان المار دینی (م۷۵۰ھ) انہوں نے ہدایہ کی شرح بھی تصنیف کی جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ علامہ ماردینی نے الکفایہ ہی کے نام سے احادیث ہدایہ کی تخریج بھی کی تھی۔ اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

۲...... ''العنایہ بشان الہدایہ'' مصنفہ جلال الدین احمد بن یوسف البتانی۔

۳...... ''سلالۃ الہدایہ'' مصنفہ ابراہیم بن احمد الموصلی (م۶۵۲ھ)

۴...... ''الوقایہ'' تاج الشریعہ محمود المحبوبی۔ اس کی مزید تلخیص صدر الشریعہ نے ''النقایہ'' کے نام سے تحریر کی۔ عبدالعلی البرجندی نے شرح النقایہ تصنیف کی۔ اسی طرح وقایہ کی بھی کئی شروح تصنیف ہوئیں۔ اس پر بھی ''السعایہ فی کشف مافی شرح الوقایہ'' حواشی الحلبی علی شرح الوقایہ'' اور اس طرح کئی ایک شرح تلخیصات اور حواشی تحریر کیے گئے ہیں۔ اس اعتبار سے الہدایہ پر بالواسطہ ہونے والا کام غیر محدود حیثیت کا حامل ہے۔ جس کا شمار اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔

۵...... ''تلخیص الہدایہ'' مصنفہ قاضی علاء الدین محمود بن عبداللہ بن صاعد الحارثی المروزی (م۶۰۶ھ)

(۵) تجرید المسائل:

الہدایہ میں چونکہ تمام مسائل دلائل و براہین کے ساتھ جمع کیے گئے ہیں اس لیے وہ خاصی ضخیم اور مبسوط ہوگئی تھی۔ چنانچہ بعض علماء نے اس پر اس انداز سے کام کیا ہے کہ ہدایہ کے تمام مسائل کو دلائل کے بغیر جمع کر دیا جائے۔ اس طرح ہدایہ میں مندرج فقہی مسائل کی فہرست اور مجموعہ بھی تیار ہو گیا۔ کئی تصانیف میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں۔

۱...... ''اصحاب البدایہ والنہایہ فی تجرید مسائل الہدایہ'' مصنفہ کمال الدین محمد بن احمد طاشکبری زادہ الرومی الحنفی (م ۱۰۸۰ھ)

۲...... ''الرعایہ فی تجرید مسائل الہدایہ'' مصنفہ ابو الطیب محمد بن عثمان ابن الاقرب (م ۷۷۴ھ)

(۶) جواب الجروح:

۱...... الہدایہ کے فقہی مسائل اور دلائل پر بعض شافعی علماء اور ہدایہ کے شارحین نے اپنے نقطہ نظر کے مطابق چند اعتراضات وارد کیے تھے۔ چنانچہ کچھ علماء نے اس جرح و تنقید کو جمع کر کے الہدایہ کے حوالے سے مدلل علمی جوابات مرتب کیے ہیں۔ ان میں سے نمایاں کتب ''ترغیب اللبیب'' ہے۔ جس کے مصنف علامہ عبدالرحمٰن ابن کمال ہیں۔

ابن کمال نے ہدایہ کی تمام شروح و حواشی کو جمع کر کے ان میں سے صرف ان جروح، (اعتراضات اور اشکالات) کو منتخب کر لیا جو صاحب ہدایہ کی تحقیقات پر وارد کیے گئے تھے۔ اور ان کا مدلل جواب تحریر کیا۔ یہ کتاب ابن کمال نے حرم مکہ میں تصنیف کی اور خلافت عثمانیہ کے سلطان سلیم الثانی کو ہدیۃً پیش کی۔ کیونکہ خلافت عثمانیہ کے سینکڑوں سال پر محیط دور حکومت میں بھی سرکاری طور پر حنفی فقہ نافذ تھی۔ اور الہدایہ کو فقہ حنفی کی تاریخ میں ہمیشہ بے مثال مقام حاصل رہا ہے۔

(۷) تعلیقات:

الہدایہ پر شروح، حواشی اور تلخیص واختصار کے علاوہ متعدد علماء نے تعلیقات بھی تحریر کی ہیں جن کا اجمالی تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔

۱...... ''تعلیقات'' از سعد اللہ بن عیسیٰ مفتی (م۹۴۵ھ) ان کو ان کے شاگرد علامہ عبدالرحمٰن نے جمع کیا ہے۔

۲...... ''تعلیقات'' از سراج الدین عمر بن علی اکتانی المعروف بقاری الہدایہ (م۷۷۳ھ/ ۸۲۹ھ)

۳...... ''تعلیقات'' از ابوالسعود ابن محمد العمادی (م۹۸۲ھ) یہ صرف کتاب البیع پر لکھی گئی ہیں۔

۴...... ''تعلیقات'' از محمد بن علی المعروف ببرکلی (م۹۸۱ھ)

۵...... ''تعلیقات'' از بابازادہ محمد القرمانی (م۹۹۴ھ)

۶...... ''تعلیقات'' از عبدالحلیم بن محمد (المعروف باخی زادہ) (م۱۰۱۳ھ)

۷...... ''تعلیقات'' از زکریا بن بیرام المفتی (م۱۰۰۱ھ)

۸...... ''تعلیقات'' از المولی عطاء اللہ۔

۹...... ''تعلیقات'' از علی بن قاسم الزویتونی۔

۱۰...... ''تعلیقات'' از المولی صاری کرززادہ محمد (۹۹۰ھ)

۱۱...... ''تعلیقات'' از یعقوب بن ادریس الرومی (م۸۳۳ھ)

۱۲...... ''تعلیقات'' از احمد بن سلیمان ابن کمال پاشا (م۹۴۰ھ)

۱۳...... ''تعلیقات'' از یوسف سنان پاشا بن خضر بیک (م۸۹۱ھ)

۱۴...... ''تعلیقات'' از محی الدین محمد بن مصطفیٰ شیخ زادہ الحنفی (م۹۵۱ھ)

۱۵...... ''تعلیقات'' از سیف الدین احمد حفید السعد التفتازانی (م۹۰۶ھ)

۱۶......''تعلیقات'' از علامہ سمرقندی الحمیدی۔ اس تصنیف کا نام سمرقندی نے ''نکات حقر الوریٰ'' رکھا ہے۔

(۸) شرح الاجزاء:

بعض علماء نے الہدایہ کے کسی ایک آدھ جزو کی شرح بھی تصنیف کی ہے۔ ان میں سے بطور مثال تین کے نام درج کیے جاتے ہیں۔

۱......''ترغیب الادب'' مصنفہ احمد بن مصطفیٰ المعروف بطاش کبری زادہ (م۹۶۷ھ) انہوں نے الہدایہ کے دیباچہ کی شرح لکھی ہے۔ جس پر عبدالرحمٰن بن علی الایاسی (الاماسی) نے تعلیق بھی تحریر کی۔ یہ شرح سوری آفندی کے حواشی کی جامع ہے۔

۲......''تہافتہ الامجاد'' مصنفہ علامہ ابوالسعود۔ یہ ہدایہ کی کتاب الجہاد کی شرح ہے۔

۳......''شرح کتاب الحج'' مصنفہ علامہ عبدالرحمٰن بن کمال۔

(۹) تعارفی مقدمات:

''الہدایہ'' پر مولانا عبدالحیٔ لکھنوی نے مقدمہ تحریر کیا ہے۔ جو عام طور پر ہر درسی نسخوں کے آغاز میں موجود ہے۔ المرغینانی نے ''الہدایہ الاخیرین'' میں جن حضرات کا اجمالاً ذکر کیا ہے۔ ان کے اسماء اور مختصر حالات مولانا عبدالحیٔ نے اپنے مقدمہ میں درج کر دیے ہیں۔ بعدازاں اسی پر ایک تتمہ تصنیف کیا جس کا نام ''مزیلہ الدرایہ المقدمۃ الہدایہ'' رکھا گیا ہے۔

(۱۰) تراجم:

ہدایہ کی مقبولیت کی وجہ سے ہدایہ کے کافی تراجم ہوئے ہیں یہاں پر چند تراجم کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱......عین الہدایہ اردو:

یہ ترجمہ مولانا سید امیر علی ملیح آبادی غیر مقلد کا کیا ہوا ہے۔ اور چار جلدوں پر مشتمل ہے۔

کئی اداروں نے اس کو شائع کیا ہے۔ عام لوگوں کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ یہ ترجمہ غیر مقلد کا کیا ہوا ہے۔ سید امیر علی مولانا سید نذیر حسین دہلوی کے شاگرد تھے۔ مولانا نے ترجمہ میں جگہ جگہ حنفی مسلک کے خلاف زہر اگلا ہے۔ اصل کتاب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے مولانا پہلے ترجمہ کرتے ہیں اور بعد میں ف کی سرخی لگا کر تشریح کرتے ہیں اور تشریح میں اپنا مقصد پورا کرتے ہیں۔

۲......سراج الہدایہ اردو:

یہ ترجمہ حضرت مولانا محمد مالک کاندھلویؒ اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا محمد میاں نے مل کر کیا ہے۔ اور بعض احادیث کی تخریج مولانا ادریس کاندھلویؒ نے فرمائی ہے۔ چار جلدوں میں ملک سراج الدین اینڈ سنز نے لاہور سے شائع کیا تھا۔ اب نایاب ہے۔

۳......غایۃ السعایہ اردو:

یہ ترجمہ مولانا محمد حنیف گنگوہی مدظلہ نے کیا ہے کئی جلدوں میں ہے ہدایہ اولین کے ترجمے کا نام غایۃ السعایہ ہے اور اخیرین کے ترجمے کا نام طلوع النیرین ترجمہ وتشریح ہدایہ اخیرین ہے۔ احقر کی نظر میں ہدایہ کے اردو تراجم میں یہ سب سے بہتر ہے۔ ابھی تک ۱۳ جلدیں طبع ہوئی ہیں۔ سات (۷) اولین کی اور چھ (۶) اخیرین کی۔

۴......اشرف الہدایہ اردو:

یہ ترجمہ مولانا جمیل احمد سکروڈوی مدظلہ اور بعض دوسرے احباب نے مل کر کیا ہے۔ سولہ (۱۶) جلدوں میں مکمل ہے۔

۵......ترجمہ ہدایہ اردو:

مترجم اس کے پروفیسر غازی احمد صاحب ہیں یہ ہدایہ کے مختلف ابواب کا ترجمہ ہے۔ ہر باب الگ الگ شائع ہوا ہے اچھا ترجمہ ہے۔

٦......احسن الہدایہ:

۷......اثمار الہدایہ

۸......فارسی ترجمہ:

یہ ترجمہ مولانا غلام یحییٰ خان نے کیا ہے، مطبوعہ ہے۔

۹......انگریزی ترجمہ:

یہ ترجمہ ہملٹن نے کیا ہے یہ لندن سے طبع ہو چکا ہے۔

تمت بالخیر

باب دوم

اس باب میں ہم ہدایہ پر
اعتراضات کے جواب عرض کریں گے

عرض مرتب

غیر مقلدین کے مولوی محمد جونا گڑھی صاحب نے ایک کتاب امام اعظم ابوحنیفہ اور فقہ حنفی خاص کر ہدایہ کے خلاف درایت محمدی کے نام سے لکھی ہے جس کو مکتبہ محمدیہ چک R-109/7 چیچہ وطنی ساہیوال نے شائع کیا ہے۔

اس کے 136 صفحات ہیں۔ اس کے صفحہ نمبر 85 پر مصنف نے ایک سرخی قائم کی ہے۔ ''ہدایہ کے ایک سو چٹ پٹے مسائل'' ہدایہ کے پورے ایک سو مسائل ذکر کیے ہیں۔ جو ان کے نزدیک قرآن وحدیث کے خلاف گندے مسائل تصور ہوتے ہیں۔

ہم نے اس وقت صرف ان ہی 100 مسائل کا جواب لکھنے کا ارادہ کیا ہے۔ اس حصہ اول میں صرف پہلے 46 مسائل کا جواب دیا گیا ہے۔ باقی مسائل کا جواب بھی ان شاءاللہ حصہ دوم میں دیا جائے گا۔

والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعتراض نمبر ۱:

القهقة فی صلٰوة ذات رکوع وسجود...... لم یکن حدیثا فی صلٰوة الجنازة وسجدة التلاوة (هدایه یوسفی جلد اول ص ۳۵ فصل فی نواقض الوضوء) یعنی اگر رکوع وسجدہ والی نماز میں کھلکھلا کر ہنس پڑا تو وضوٹوٹ جائے گا۔ جنازہ کی نماز میں یا سجدہ تلاوت میں کھلکھلا کر ہنسنے سے وضونہیں جائے گا۔ (درایت محمدی ص ۹۰)

جواب:

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر حضرت امام اعظمؒ کی جس قدر تعریف کی جائے بجا ہے۔ اس مسئلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام اعظم سب سے زیادہ حدیث نبوی کے پیرو تھے۔ یہاں آپ نے ایک حدیث کی بنا پر قیاس کوترک کیا۔ قیاس چاہتا تھا کہ جس طرح نماز سے باہر قہقہہ وضو کا مفسد نہیں اسی طرح نماز میں بھی وضو کا مفسد نہ ہو، لیکن چوں کہ ایک حدیث میں آ گیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قہقہہ پر وضو کے اعادہ کا حکم فرمایا تھا۔ اس لیے امام اعظم نے قیاس پر حدیث کوترجیح دی۔

جولوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت امام اعظم حدیث پر قیاس کوترجیح دیتے تھے وہ ذرا اس مسئلہ پر غور کریں اور اپنے اس افترا کو واپس لیں۔ دیکھئے ابوالقاسم بناری لکھتا ہے:

''احادیث نبوی کو قیاس سے رد کرنے کا طریقہ کوفہ ہی میں بنا۔''

(اہل حدیث، ۶ نومبر ۱۹۲۵ء، نعوذ باللہ من ہذہ الافتراء)

رہی یہ بات کہ ہدایہ شریف میں رکوع وسجود والی نماز میں قہقہہ مفسد نماز لکھا ہے۔ جنازہ اور سجدہ تلاوت میں فساد وضو کا حکم نہیں دیا تو اس کی وجہ خود ہدایہ شریف میں ہی لکھی گئی ہے۔ فرماتے ہیں کہ

وَالْاَثر وَرَدَ فِی صَلٰوةٍ مطلقةٍ فَیَقْتَصَرَ عَلَیْهَا. (الهدایه)

''یہ حدیث صلوٰۃ مطلقہ یعنی کاملہ کے بارے میں وارد ہوئی ہے (اور وہ نماز رکوع و سجود والی ہے) لہٰذا اسی پر اس کا اقتصار رہے گا۔''

نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت چونکہ نماز کامل نہیں اس لیے یہ حکم ان پر نہیں ہوگا، جنازہ کی نماز من وجہ نماز ہے اور من وجہ دعا ہے نہ تو پوری نماز ہے کہ اس میں رکوع، سجود، تشہد اور قرأت نہیں اور نہ ہی صرف دعا ہے کہ اس میں وضو اور استقبال قبلہ ضروری ہے، دعا میں ضروری نہیں۔ اس لیے جنازہ اور دعا کو یہ حکم شامل نہ ہوگا۔

اب فرمایئے کہ یہ مسئلہ کس آیت یا حدیث صحیحہ کے خلاف ہے؟ **حقیقت میں اعتراض تو** غیر مقلدین پر ہے کہ وہ حدیث قہقہہ کو نہیں مانتے اور قیاس کو اس پر ترجیح دیتے ہیں اور باوجود اس کے اپنے آپ کو ''اہل حدیث'' کہتے ہیں ''الٹا چور کوتوال کو ڈانتے۔''

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی نے ہدایہ شریف کے ص۱۲ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ علامہ زیلعی کی تحریر سے سمجھا جاتا ہے کہ احادیث قہقہہ بعض تو مرسلہ ہیں اور بعض مسندہ۔

وَقِصَّةٌ اَنَّ الصَّحَابَةَ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ اَعْرَابِىٌّ وَفِىْ عَلَيْهِ سُوْءٌ فَوَقَعَ فِي حِضْرَةٍ كَانَتْ هُنَاكَ فَضَحِكَ بَعْضُ الصَّحَابَةِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا مَنْ ضَحِكَ مِنْكُمْ قَهقَهة فَلْيُعِدْ الْوضوءَ وَصَلٰوةَ جَميعًا.

اور اس کا مضمون یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضور علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک اعرابی آیا جس کی نظر میں کچھ کمی تھی وہ قریب ہی ایک گڑھے میں گر پڑا تو بعض صحابی ہنس پڑے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص کھلکھلا کر ہنسا ہے وہ نماز اور وضو دونوں کا اعادہ کرے۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ حدیث ضعیف ہے تو میں کہتا ہوں کہ اگرچہ ضعیف ہے پھر بھی قیاس پر مقدم ہے اور جب کوئی صحیح حدیث اس کے مخالف نہیں پھر اس کو کیوں ترک کیا جائے؟

اہل حدیث ۲۱ نومبر ۱۹۲۴ء میں ایڈیٹر اہل حدیث لکھتا ہے:

''جو امر کسی غیر صحیح روایت میں آئے ،اس کی سنیت ثابت نہیں ہو سکتی ،لیکن اس کو بدعت بھی نہیں کہہ سکتے۔اس کی مثال مسحِ گردن ہے جو صحیح روایت سے ثابت نہ ہو سکنے کی وجہ سے سنت نہیں لیکن بدعت بھی نہیں۔''

میں کہتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا کہ اس کا ازار ٹخنوں سے نیچے تھا تو اس کو فرمایا:

اِذْهَبْ فَتَوضَاء ''جا اور وضو کر۔'' (مشکوٰۃ ص ۶۵)

تو جو شخص نماز میں قہقہہ لگا کر ہنسے وہ کیوں نہ وضو کرے؟ نماز میں کھلکھلا کر ہنسنا ایک گستاخی ہے جس کے واسطے وضو کفارہ ہو سکتا ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ طہارتِ ظاہرہ سے اس کے باطن کو بھی طاہر کر دے۔

اعتراض نمبر ۲:

بخلاف البهيمة وما دون الفرج (هدايه يوسفى جلد اول ص ۲۷ فصل ى الغسل) یعنی چوپائے کے ساتھ بدفعلی کرنے اور شرمگاہ کے سوا اور جگہ کرنے سے جب تک انزال نہ ہو غسل واجب نہیں۔ (درایت محمدی، ص ۹۰)

جواب:

فرمایئے! یہ مسئلہ کس آیت یا حدیث کے خلاف ہے؟ اگر کسی حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چوپائے کے ساتھ یا شرمگاہ کے علاوہ شہوت رانی کی جائے تو بلا انزال غسل واجب ہے۔ تو وہ حدیث بیان فرمائیں۔ اگر کوئی ایسی حدیث نہیں تو شرم کرو۔ پھر اس مسئلہ کو گندا اور خلاف حدیث کس عقل سے سمجھتے ہو۔ تمہارے یہاں صحیح بخاری میں تو عورت سے جماع کرنے سے بھی بلا انزال غسل لازم نہیں سمجھتے۔

امام بخاری ایسی حالت میں غسل لازم نہیں سمجھتے ،صرف احوط فرماتے ہیں تو چوپائے یا تفخیذ یا تبطین سے بلا انزال غسل لازم کس دلیل سے سمجھا جائے گا؟ جب وجوب غسل

پر کوئی دلیل نہیں تو فقہاء علیہم الرحمہ نے کیا برا کیا کہ فقدانِ دلیل کی وجہ سے وجوب غسل کا حکم نہیں دیا۔ اگر کسی کے پاس کوئی دلیل ہے تو بیان کرے ورنہ اپنا اعتراض واپس لے۔

البتہ ہدایہ شریف میں عدم وجوب غسل پر دلیل بھی لکھی ہے کہ اس کی سببیت ناقص ہے مگر یہ دلیل کوئی فقیہ سمجھے، فقہ کے دشمنوں کو اس کی کیا سمجھ؟

ایک شبہ:

اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ فقہاء کے نزدیک چوپائے سے شہوت رانی کرنا جائز ہے اور اس کی کوئی سزا نہیں ہے کیونکہ یہاں صرف غسل کے وجوب اور عدم وجوب کا بیان تھا۔ اس سے متعلق سزا کا بیان کتاب الحدود میں موجود ہے۔ اسی ہدایہ شریف میں کتاب الحدود کے تحت ایسے شخص کی سزا درج ہے۔

اعتراض نمبر۳:

کل اهاب دبغ فقد طهر یجوز ...... الا جلد الخنزیر و لادمی (هدایه یوسفی جلد اول ص٤٤ باب الماء الذی یجوز) یعنی انسان اور خنزیر کے سوا جس جانور کے چمڑے کو دباغت دی جائے وہ پاک ہو جاتا ہے (یعنی کتے کی، بھیڑیئے کی، گدھے کی اور تمام درندوں کی کھالیں بعداز دباغت پاک ہیں) (درایت محمدی، ص۹۰،۹۱)

جواب:

صحیح مسلم میں موجود ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا

اَیُّمَا اِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ یا

اِذَا دُبِغَ الاِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ

ہدایہ شریف میں اسی حدیث کے الفاظ ہیں یعنی

كُلُّ اِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ

تعجب ہے کہ اس معترض کو یہ خیال نہیں آیا کہ میں یہ اعتراض ہدایہ پر کر رہا ہوں یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر، صاحب ہدایہ نے وہی کہا ہے جو حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

پھر اگر یہ گندا مسئلہ ہے تو شرم کرو کہ اس کی نوبت کہاں تک پہنچی ہے؟

تمہارا مولوی وحید الزمان بڑا پکا غیر مقلد، تقلید کو برا کہنے والا، صحاحِ ستہ کا ترجمہ کرنے والا، قرآن مجید کی تفسیر لکھنے والا اور فقہ محمدی لکھنے والا، درندے، بھیڑیئے تو ایک طرف خنزیر کے چمڑے کو بھی دباغت سے پاک لکھتا ہے۔

فقہاء علیہم الرحمۃ نے تو خنزیر کو مستثنیٰ کیا ہے مگر یہ حضرت تو اس کو بھی مستثنیٰ نہیں کرتے، چنانچہ انزل الابرار کے ص ۲۹ ج اول میں لکھتے ہیں:

ایما اهاب دبغ فقد طهر ومثله المثانة والکرش واستثنٰی بعض اصحابنا جلد الخنزیر والآدمی والصّحیح عدم الاستثناء.

کہ جس چمڑے کو دباغت دی جائے، پاک ہو جاتا ہے۔ مثانہ اور اوجڑی میں بھی اسی طرح ہے۔ ہمارے بعض اصحاب (غیر مقلدین) نے خنزیر اور آدمی کو مستثنیٰ کیا ہے۔ حالانکہ صحیح یہ ہے کہ یہ بھی مستثنیٰ نہیں۔

جب آپ کے بڑے یہی مسئلہ لکھتے ہیں تو آپ حنفیہ کو کیوں آنکھیں دکھاتے ہیں۔ پہلے اپنے گھر کی خبر لیجیے۔ اپنے وحید الزمان پر اعتراض کیجیے۔ آپ یہی کہیں گے کہ ہم وحید الزمان کے مقلد نہیں، ہمارا مذہب قرآن وحدیث ہے۔

میں کہتا ہوں کہ تم ان کے فتاویٰ پر بلا دلیل عمل کرتے ہو یا نہیں، اگر کہو کہ نہیں تو بالکل غلط ہے۔ مولوی ثناء اللہ ایڈیٹر اہل حدیث کے کئی ایسے فتاویٰ ہیں جن پر انہوں نے کوئی دلیل نہیں لکھی مگر پوچھنے والوں نے ان کو مان لیا۔

کیا مولوی وحید الزمان، صدیق حسن، قاضی شوکانی اور ابن تیمیہ وغیرہ غلطی نہیں کر سکتے؟ تو کیا وجہ ہے کہ ان کے مسائل پر تو بلا تحقیق عمل کیا جائے اور ائمہ احناف کے مسائل پر تنقید ہی تنقید روا رکھی جائے اس سے یہ ظاہر ہے کہ آپ لوگ برائے نام غیر مقلد ہیں۔

اعتراض نمبر ۴:

جازت الصلٰوة فیه والوضوء منه (هدایه یوسفی جلد اول ص ٤٤ باب

الماء الذی یجوز) یعنی کتے، بھیڑیے، گدھے وغیرہ کی دباغت دی ہوئی کھال کو پہن کر نماز ہو جاتی ہے اوران کھالوں کے ڈول بنا کران میں پانی بھر کر وضو کرنا بھی جائز ہے۔
(درایت محمدی ص۹۱)

جواب:

جب یہ ثابت ہو گیا کہ کھالیں دباغت سے پاک ہو جاتی ہیں تو ان پر نماز پڑھنا یا ان کے ڈول کے پانی سے وضو کرنا کیوں منع ہوگا؟

ہاں! تمہارے پاس کوئی صحیح حدیث اس کے برخلاف ہو تو پیش کرو لیکن پہلے اپنے مولوی وحیدالزمان کی نزل الابرار دیکھ لینا۔ وہ فرماتے ہیں:

ویتخذ جلده مصلٰی و دلوًا (ص ۳۰)

''یعنی کتے کے چمڑے کا ڈول اور جانماز بنالینا درست ہے۔''

اعتراض نمبر۵:

لیس الکلب نجس العین (هدایه یوسفی جلد اول ص٤٤ باب الماء الذی) یعنی کتا نجس العین نہیں۔ (درایت محمدی ص۹۱)

جواب:

مندرجہ بالا عبارت سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ ''کتا نجس نہیں'' معترض اتنا بے خبر ہے کہ نجس اور نجس العین میں فرق نہیں جانتا، فقہاء علیہم الرحمۃ نے کتا کو نجس العین بھی لکھا ہے اور نجس العین نہ ہونے کی بھی روایت ہے۔ کتا نجس العین نہ سہی نجس تو ہے۔ اس کا گوشت اور خون بالاتفاق پلید ہے، کسی فقہ کی کتاب میں اس کے گوشت یا خون کو پاک لکھا ہوا دکھاؤ۔

لو ہم تمہارے پیشواؤں سے دکھا دیتے ہیں کہ وہ کتا کو پلید ہی نہیں سمجھتے۔

وحیدالزمان لکھتا ہے:

دم السمك طاهر و كذا الكلب وريقه عند المحققين من اصحابنا.

(نزل الابرار)

”ہمارے محققین کے نزدیک مچھلی کا خون پاک ہے، اسی طرح کتا اور اس کا لعاب (بھی پاک ہے)“

امام بخاریؒ بھی ان محققین میں ہیں جو کتے کو پاک سمجھتے ہیں۔

عرف الجادی کے ص ۱۰ میں تصریح ہے کہ کتے کے ناپاک ہونے میں کوئی دلیل نہیں۔

نواب صدیق حسن بھی کتے کو پاک لکھتا ہے۔ تو یہ مسئلہ غیر مقلدین کے اپنے ہی گھر سے نکل آیا۔

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اعتراض نمبر ۶:

یطھر بالزکوۃ...... وکذالك یطھر ولحمه (ھدایه یوسفی جلد اول ص ٤٥ باب الماء الذی یجوز الخ) یعنی ان جانوروں کتے، بھیڑیے، گدھے وغیرہ درندوں کی کھالیں بلکہ گوشت بھی ذبح کرنے سے پاک ہوجاتے ہیں۔

(درایت محمدی ص ۹۱)

جواب:

حضور علیہ السلام کے ارشاد اِذَا دُبِغَ الْاِھَابُ فَقد طَھُرَ کے مطابق کھالیں تو بے شک پاک ہوجاتی ہیں جس کی تفصیل گزرچکی ہے۔ رہی یہ بات کہ یہاں دباغت کا ذکر نہیں بلکہ ذبح کا ہے۔ صاحبِ ہدایہ اس کا جواب دیتے ہیں۔

لانه یعمل عمل الدباغ فی ازالة الرطوبات النجسه (ھدایه)

”کہ ذبح کرنا دباغت کا کام کرجاتا ہے جس طرح دباغت سے رطوبات نجسہ زائل ہوجاتی ہیں۔ اسی طرح ذبح سے بھی رطوباتِ نجسہ زائل ہوجاتی ہیں۔

ذبح اگر حلال جانور کو کیا جائے گا تو طہارت وحلت دونوں ہوں گی۔ اگر حرام کو ذبح کیا جائے گا تو طہارت ہوجائے گی لیکن حلت نہ ہوگی اس کی حرمت برقرار رہے گی۔ اگر حلال جانور کو شریعت کے مطابق ذبح نہ کیا جائے تو حرام وناپاک ہوگا۔

حدیث شریف میں زکوۃ المیتة دباغها (رواہ النسائی) آیا ہے۔ یعنی مردار کا ذبح کرنا اس کو دباغت دینا ہے۔ اسی طرح حدیث مرفوع میں زکاۃ کل مسك دباغه آیا ہے۔ جس کو حاکم نے روایت کیا ہے۔ یعنی ہر چمڑے کا ذبح کرنا (پاک کرنا) اس کو دباغت کرنا ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں دباغها زکوتها آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ طہارت میں اصل ذبح کرنا ہے۔ اور دباغت اس کے قائم مقام ہے۔ پس ذبیحہ کا مطہر جلد ہونا ثابت ہو گیا۔ نیز ان روایات میں حضور علیہ السلام نے دباغت زکوٰۃ جس کو ذبح بھی کہتے ہیں اور طہارت بھی۔ ایک فرمایا ہوا ہے جو فائدہ ذبح کرنے سے ہوتا ہے۔ وہی دباغت سے حاصل ہوتا ہے۔ جب دباغت اور ذبح ازالہ رطوبات نجسہ میں شریک ہیں تو طہارت میں بھی شریک ہوں گے۔ تفریق بغیر دلیل تحکم پر مبنی ہے۔

هذا ما انا ومن يستحق التعظيم

حرام جانوروں کا گوشت اصح اور مفتی بہ مذہب میں پاک نہیں ہوتا۔

مراقی الفلاح میں ہے:

دون لحمه فلا يطهر على على اصح ما يفتى به (ص ٩٧)

اصح اور مفتی بہ مذہب میں ذبح کرنے سے حرام جانوروں کا گوشت پاک نہیں ہوتا۔

علامہ عبدالحئی حاشیہ ہدایہ کے ص ۲۵ میں اور شیخ ابن ہمام فتح القدیر ص ۳۹ میں فرماتے ہیں:

قال كثيرٌ من المشائخ يطهر جلده لا لحمه وهو الاصح واختارهٔ الشارحون كصاحب العناية وصاحب النهاية وغيرهما.

بہت سے مشائخ نے فرمایا ہے کہ ذبح کرنے سے چمڑا تو پاک ہو جائے گا گوشت پاک نہیں ہوگا اور یہی اصح ہے۔ اسی کو صاحب عنایہ وصاحب نہایہ وغیرہ شارحین نے پسند فرمایا ہے۔

کبیری ص ۱۴۴ میں ہے:

الصحيح ان اللحم لا يطهر بالزكاة

صحیح یہ ہے کہ حرام جانوروں کا گوشت ذبح کرنے سے پاک نہیں ہوتا۔

درمختار میں ہے کہ غیر ماکول مذبوح کا گوشت

لا يطهر لحمه على قول الاكثر ان كان غير ماكول هذا اصح ما يفتى به

اکثر کے نزدیک پاک نہیں ہوتا اور یہ صحیح ترین فتویٰ ہے۔

ثابت ہوا کہ مذہب حنفی میں اصح اور مفتی بہ یہی ہے کہ غیر ماکول جانور کا گوشت ذبح سے پاک نہیں ہوتا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ غیر مقلدین کے نزدیک پاک ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مولوی وحید الزمان نزل الابرار ج ا ص ۳۰ میں لکھتا ہے:

ما يطهر بالدباغة يطهر بالزكاة الا لحم الخنزير فانه رجس

جو دباغت سے پاک ہو جاتا ہے ذبح سے بھی پاک ہو جاتا ہے، خنزیر کے گوشت کے سوا کہ وہ رجس ہے۔

اس عبارت میں صرف خنزیر کے گوشت کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ دوسرے جانوروں کا گوشت بھی ان کے نزدیک پاک ہو جاتا ہے بلکہ غیر مقلدین کے ہاں ذبح کے بغیر کتا اور خنزیر تک ناپاک نہیں۔

عرف الجادی میں ہے:

"پس دعویٰ نجس عین بودن سگ وخنزیر و پلید بودن خمر و دم مفسوح وحیوان مردار ناتمام است"

کتے اور خنزیر کے نجس عین ہونے کا دعویٰ، شراب اور دم مفسوح کے پلید ہونے کا دعویٰ اور مرے ہوئے جانور کے ناپاک ہونے کا دعویٰ کرنا صحیح نہیں ہے۔

نواب صدیق حسن صاحب بدور الاہلہ کے ص ۱۶ میں فرماتے ہیں:

حديث ولوغ كلب دال بر نجاست تمامه كلب از لحم وعظم ودم و شعر و عرق نيست بلكه ايں حكم مختص بولوغ اوست الحاقش بولوغ

اوست الحاقش بقیاس برولوغ سخت بعید است

دیکھئے! آپ کے نواب صاحب تو کتے کے گوشت، ہڈیوں، خون، بالوں اور پسینے تک کو پاک کہہ رہے ہیں پس آپ ہی کو مبارک ہو۔

اعتراض نمبر ۷:

ان اشتد فعند ابی حنیفة یجوز التوضی به لانه یحل شربه عنده (هدایه یوسفی جلد اول ص ۵۱ فصل فی الآسار) یعنی کھجور کی شراب سے وضو کرنا جائز ہے اور اس شراب کو پینا بھی حلال ہے۔ امام ابوحنیفہ کا فرمان یہی ہے۔ (درایت محمدی، ص ۹۱)

جواب:

امام اعظمؒ کی یہ روایت مفتی بہ نہیں خود فقہاء علیہ الرحمۃ نے تصریح کی ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح اور مفتی بہ روایت یہ ہے کہ نہ اس کا پینا جائز ہے اور نہ ہی اس سے وضو درست ہے۔

خود صاحب ہدایہ نے ص ۳۰ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

قال ابو یوسف تیمم ولا یتوضأ به وهو روایة عن ابی حنیفة. (هدایه)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ نبیذ تمر سے وضو نہ کرے تیمّم کرے اور یہ روایت ابو حنیفہ سے ہے۔

بلکہ امام اعظم کا یہی آخری قول ہے۔

چنانچہ علامہ عینی شرح ہدایہ جلد اول ص ۲۸۶ میں فرماتے ہیں:

روی عنه نوح ابن ابی مریم واسد بن عمر والحسن انه تیمم ولا یتوضأ به قال قاضی خان وهو الصحیح وهو قوله الاخیر وقد رجع الیه.

نوح بن ابی مریم، اسد بن عمر اور حسن نے امام اعظم سے روایت کیا ہے کہ نبیذ تمر سے وضو نہ کرے۔ تیمّم کرے، قاضی خان نے لکھا ہے کہ یہ صحیح ہے اور امام صاحب کا یہ آخری قول ہے۔ امام اعظم نے اس کی طرف رجوع فرمایا۔

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری پارہ اول ص ۱۷۶ میں لکھتے ہیں:

ذکر قاضی خان ان ابا حنیفة رجع الی ھذا القول

''قاضی خان نے ذکر کیا ہے کہ امام صاحب نے نبیذ تمر سے وضو نا جائز ہونے کی طرف رجوع کیا۔''

پس وہ مسئلہ جس سے امام صاحب نے رجوع فرمایا۔ فقہاء نے جس کو مفتی بہ قرار نہیں دیا اس کو ذکر کر کے احناف پر اعتراض کرنا محض عوام کالانعام کو مغالطہ میں ڈالنا ہے۔

اعتراض نمبر ۸:

یجوز التیمم وعند ابی حنیفة ومحمد والحجر والجص والنور والکحل والزرنیخ (ھدایہ یوسفی جلد اول ص ۵۳ باب التیمم) یعنی پتھر سے اور گچ سے اور چونہ سے اور سرمہ سے اور ہڑتال سے بھی تیمّم ہوسکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کا خیال یہی ہے اور امام محمد بھی ان کے ہم خیال ہیں۔ (درایت محمدی ص ۹۱)

جواب:

کیا تمہارے پاس کوئی حدیث ہے جس میں یہ حکم ہو کہ ان اشیاء پر تیمّم درست نہیں۔ اگر ہے تو بیان کرو۔ ورنہ اپنا اعتراض واپس لو۔ سنیئے! ہدایہ شریف میں اس کی دلیل موجود ہے۔ یعنی

ان الصعید اسمٌ لوجه الارض

''صعید مٹی ہی کو نہیں کہتے بلکہ صعید روئے زمین کا نام ہے۔''

علامہ عینی شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

لان الصعید لیس التراب انما ھو وجه الارض ترابا کان او صخرا لا تراب علیه او غیرہ.

''کیونکہ صعید مٹی نہیں بلکہ روئے زمین ہے۔ مٹی ہو یا پتھر جس پر مٹی نہ ہو یا اس کا غیر ہو''

اور حدیث بخاری و مسلم میں آیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطُھُوْرًا

''کہ میرے لیے جنس زمین کو مسجد اور طہور بنایا گیا''

ایک حدیث میں آیا ہے التراب طهور المسلم

علامہ عینی شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

هذا الذی ذکره فی الحقیقة استدلال لابی حنیفة ومحمد علی جواز التیمم بجمیع اجزاء الارض لان اللام فیها للجنس فلا یخرج شیء منها وکان الارض کلها جعلت مسجدا وما جعل مسجد هو الذی جعل طهورا.

(عینی ج۱ ص۳۱۱)

''درحقیقت اس میں ابوحنیفہؒ ومحمدؒ کی دلیل ہے کہ زمین کے جمیع اجزاء کے ساتھ تیمّم جائز ہے کیونکہ اس میں لام جنس کے لیے ہے تو کوئی چیز اس لیے خارج نہ ہوگی اور سب زمین مسجد بنائی گئی ہے تو جو مسجد بنائی گئی وہی پاک کرنے والی بنائی گئی۔''

تو اس سے تیمّم بھی درست ہوا کیونکہ ریت، چونہ، پتھر اور گچ یہ سب چیزیں مسجد ہیں اور ان پر نماز جائز ہے۔ جن پر نماز پڑھنا جائز ہوا، ان پر تیمّم کرنا بھی جائز ہے۔

صدیق حسن بھوپالی روضہ ندیہ کے ص ۳۹ میں لکھتا ہے:

قال فی القاموس والصعید التراب او وجه الارض انتهٰی والثانی هو الظاهر من لفظ الصعید لانه ما صعد ای علا وارتفع علی وجه الارض وهذه الصفة لا تختص بالتراب ویوید ذلك حدیث جعلت لی الارض مسجدا وطهورا.

''قاموس میں ہے کہ صعید تراب ہے یا روئے زمین اور دوسرا معنی لفظ صعید سے ظاہر ہے۔ صعید وہ ہے جو بلند ہوا اور زمین کے اوپر ہو۔ اور یہ صفت یعنی روئے زمین پر ہونا، مٹی کے ساتھ مختص نہیں (کہ تیمّم اسی کے ساتھ مختص ہو) اور حدیث جعلت لی الارض مسجدا وطهورا بھی اس کی تائید کرتی ہے۔

عرف الجاری ہے:

تخصص صعید بتراب ممنوع است

صعید کی تخصیص مٹی سے کرنا صحیح نہیں

معلوم ہوا کہ قرآن حکیم نے تیمّم کے لیے صعیدا طیبا فرمایا ہے۔ صعید روئے زمین کو کہتے ہیں اور روئے زمین ہر جگہ مٹی نہیں ہوتا، ریگستان میں ریت ہے، پتھریلی زمین میں پتھر ہے۔ لہٰذا ہر وہ چیز جو جنس زمین سے ہوگی اس پر تیمّم جائز ہے۔

اس مسئلہ کو جس کا ماخذ قرآن وسنت ہے۔ خلاف عقل ونقل قرار دینا فرقہ غیر مقلدین ہی کا خاصہ ہے۔

اعتراض نمبر۹:

من حضرت العید فخاف ان اشتغل بالطهار ان یفو ته العید تیمم (هدایه یوسفی جلد اول ص ٥٦ باب التیمم) یعنی کوئی شخص عیدگاہ پہنچا، نماز ہو رہی ہے، اسے خوف ہے کہ اگر میں وضو کروں گا تو نماز ختم ہو جائے گی تو تیمّم کر کے شامل ہو جائے۔

(درایت محمدی، ص۹۱، ۹۲)

جواب:

فرمایئے! یہ مسئلہ کس آیت یا حدیث کے خلاف ہے؟ ایسے شخص کے لیے تم ہی بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا حکم فرمایا ہے؟

اب ہم سے سنیے! ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب تجھے خوف ہو کہ اگر میں وضو کروں گا تو جنازہ کی نماز فوت ہو جائے گی۔ تیمّم کر کے نماز میں شامل ہو جاؤ اس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابن عباس اذا خفت ان تفوتك الجنازة وانت علی غیر وضو فتیمم وصل رواه ابن ابی شیبة. (تخریج زیلعی ج۱ ص۸۲)

ابن عمرؓ ایک جنازہ پر تشریف لائے۔ آپ بے وضو تھے۔ آپ نے تیمّم کر کے نماز پڑھی۔

اس اثر میں گوفوت جنازہ کی قید نہیں مگر یہ قید پہلے اثر میں موجود ہے اس لیے یہاں بھی یہی سمجھی جائے گی تا کہ آثار متعارض نہ ہوں۔اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابن عمر انه اتی بجنازة وهو علی غیر وضوء فتیمم ثم صلی علیها رواه البیهقی فی المعرفة. (جوهر النقی ج۱ ص۵۹)

بوجہ جہت جامعہ کے نماز جنازہ پر قیاس ہے۔جہت جامعہ یہ ہے کہ جس طرح نماز جنازہ کا بدل نہیں عید کا بھی کوئی بدل نہیں۔اس لیے جو حکم اس مسئلہ میں جنازہ کا ہے وہی عید کا ہے کہ فوت کا خوف ہو تو تیمم کر کے شامل ہو جائے۔

اس کے علاوہ شیخ عبدالحیؒ نے حاشیہ ہدایہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نماز عید میں بھی تیمم کر کے مل جانا لکھا ہے بشرطیکہ نماز کے فوت کا خطرہ ہو چنانچہ فرمایا:

ونقل ابن عمر فی صلوٰة العید مثلهٗ

''یعنی نماز عید میں اسی طرح عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے۔''

معلوم ہوا کہ یہ صحابہ کرام سے ثابت ہے اور اس کے خلاف کوئی صحیح حدیث نہیں ملتی۔جن احادیث میں لاصلوٰۃ الا بطہور آیا ہے وہ اس کے خلاف نہیں ہیں کیونکہ تیمم بھی طہور ہی تو ہے۔

اعتراض نمبر ۱۰:

قدر الدرهم ومادونه من النجس المغلظ کالدم والبول والخمر والخرء الدجاج وبول الحمار جازت الصلوٰة معه (هدایه یوسفی جلد اول ص۷۱ باب الانجاس) یعنی غلیظ نجاست جیسے کہ ناپاک خون اور پیشاب اور شراب اور مرغ کی بیٹ اور گدھے کا پیشاب وغیرہ کپڑے پر یا جسم پر بقدر ایک درہم کے لگا ہوا ہو تو بھی نماز ہو جائے گی (بقدر درہم سے مراد ہتھیلی کی چوڑائی کے برابر ہے اور وزن میں ایک مثقال)

(ہدایہ یوسفی ج ۱ ص ۷۲، باب الانجاس) (درایت محمدی ص ۹۲)

جواب:

بے شک فقہاء علیہم الرحمہ نے ایسا لکھا ہے لیکن یہ معافی بہ نسبت صحت نماز ہے نہ بہ نسبت

گناہ کے۔ یعنی اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایسا کرنے والے کو گناہ بھی نہیں۔ خود فقہاء رحمۃ اللہ علیہم نے تصریح فرمائی ہے کہ ایسا کرنا مکروہ تحریمہ ہے۔

درمختار میں ہے:

عفا الشارع عن قدر درهم وان كره تحريما فيجب غسله (در مختار)

شارع نے قدر درہم معاف کیا ہے اگرچہ مکروہ تحریمہ ہے پس اس کا دھونا واجب ہے۔

معلوم ہوا کہ جس کپڑے کو بقدر درہم نجاست لگی ہوگی۔ اس میں نماز پڑھنا ہمارے نزدیک مکروہ تحریمہ ہے۔ اس کا دھونا واجب اور نماز کا اعادہ واجب ہے۔

کما قال الشیخ عبدالحیٔ لکھنوی فی عمدۃ الرعایۃ ج ۱ ص ۱۵۰

اشار الى ان العضو عنه بالنسبة الى صحة الصلوٰة به فلا ينافى الاثم.

کہ یہ معافی بہ نسبت صحت نماز ہے نہ یہ کہ اس کو گناہ نہیں۔

اور یہ اجازت ہی اس صورت میں ہے کہ دھونے کے لیے پانی یا دوسرا پاک کپڑا نہ ملے۔ اگر پانی میسر ہے اور وقت کی گنجائش بھی ہے تو اسے دھو لینا چاہیے۔

چنانچہ فتاویٰ غیاثیہ ص ۱۳ میں ہے:

دخل فى الصلوٰة فرى فى ثوبه نجاسة اقل من قدر الدرهم وكان فى الوقت سعة فالافضل ان يقطع او يغسل الثوب ويستقبلها فى جماعة اخرى وان فاتتة هذه ليكون موريا فرضه على الجواز بيقين فان كا عادمًا للماء او لم يكن فى الوقت سعة اولا بن جماعة اخرى مضى عليها وهو الصحيح

یعنی نماز شروع کی تو دیکھا کہ کپڑے میں قدر درہم سے کم نجاست ہے اور وقت میں فراخی ہے تو افضل یہ ہے کہ نماز قطع کر کے کپڑا دھوڈالے اور دوسری جماعت میں نئے سرے سے شروع کرے اگرچہ یہ جماعت اس کی فوت بھی کیوں نہ ہو جائے۔ تاکہ اس کے فرض یقیناً ادا ہو جائیں اور اگر پانی نہیں یا وقت میں وسعت نہیں یا دوسری جماعت ملنے کی امید

نہیں تو اسی کے ساتھ نماز پڑھ لے۔

طحطاوی فرماتے ہیں:

المراد عفا عن الفساد به الا فكراهة التحريم باقية اجماعًا ان بلغت الدرهم وتنزيها ان لم تبلغ. (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۹۰)

یعنی عفو سے مراد ہے کہ نماز فاسد نہیں ورنہ کراہت تحریمی اجماعاً باقی رہتی ہے اگر درہم کو نجاست پہنچے اگر درہم سے کم ہو تو کراہت تنزیہی رہتی ہے۔

معلوم ہوا کہ اگر بقدر درہم نجاست کے ساتھ نماز پڑھے گا تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی جس کا اعادہ واجب اور کپڑے کا دھونا واجب ہے۔

پس دیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ معترض ان تمام باتوں کو بھی لکھتا پھر اعتراض کرتا تا کہ ناظرین کو اصل مذہب کا پتہ لگ جاتا۔ مگر یہاں تو عوام کو صرف مغالطہ میں ڈال کر مذہب حنفی سے بے گانہ کرنا مقصود تھا۔ دیانت سے کیا کام؟ جب اصل مسئلہ معلوم کر چکے تو اس معافی کا ماخذ بھی معلوم کر لینا چاہیے۔ یہ معافی فقہاء نے استنجاء بالاحجار سے اخذ کی ہے کیونکہ ظاہر ہے پتھر ڈھیلے مزیل نجاست نہیں ہیں بلکہ مجفف اور منشف ہیں تو موضع غائط کا نجس ہونا شریعت نے نماز کے لیے معاف کیا ہے۔ اور وہ قدر درہم ہوتا ہے اس لیے فقہاء نے نماز کے لیے بقدر درہم معاف لکھا ہے۔

نووی شرح صحیح مسلم میں حدیث اذا استیقظ احدکم من منامه کے بعض فوائد میں سے لکھتے ہیں:

منها ان موضع الاستنجاء لا يطهر بالاحجار بل يبقٰى نجسا معفوا عنه فی حق الصلٰوة. (نووی ص ۱۳۶)

یعنی بعض فوائد میں سے یہ ہے کہ استنجاء کی جگہ پتھروں سے پاک نہیں ہوتی بلکہ نجس رہتی ہے جو نماز کے حق میں معاف ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجر فتح الباری پ ا میں لکھتے ہیں ہدایہ شریف میں ہے

قدرناه بقدر الدرهم اخذا عن موضع الاستنجاء ص ۵۸)

کہ وہ قلیل نجاست جو کہ عفو ہے ہم نے اس کا اندازہ بقدر درہم رکھا اور اس کا ماخذ استنجاء کی جگہ (کا معاف ہونا ہے)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

قال فی شرح المنية ان القليل عفوا اجماعًا اذا الاستنجاء بالحجر كاف بالاجماع وهو لا يستاصل النجاسة والتقدير بالدرهم مروی عن عمر وعلى ابن مسعود وهو مما لا يعرف بالرائے فيحمل على السماع اهـ وفى الحلية القدير بالدرهم وقع على سبيل الكناية عن موضع خروج الحدث من الدبر كما افاده ابراهيم النخعى بقوله انهم استكرهوا ذكر المقاعد فى مجالسهم فكنوا عنه بالدرهم ويعضده ما ذكره المشائخ عن عمر انه سئل عن القليل من النجاسة فى الثوب فقال اذ كان مثل ظفرى هذا يمنع جواز الصلوٰة قالوا وظفره كان قريبا من كفنا. اهـ (شامی ج۱ ص۲۳۱)

شرح منیۃ میں کہا ہے کہ نجاست قلیل اجماعاً معاف ہے کیونکہ پتھروں سے استنجاء کرنا بالاجماع کافی ہے اور وہ نجاست کو بالکل ختم نہیں کرتا۔ اور درہم کا اندازہ حضرت عمر و علی وابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے چونکہ اس میں رائے کا دخل نہیں اس لیے سماع پر محمول ہو گا۔ اور حلیہ میں ہے کہ درہم کا اندازہ بطور کنایہ ہے دبر سے جیسے کہ ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے اپنی مجالس میں مقاعد کا ذکر برا سمجھا تو کنایہ درہم سے تعبیر کیا اور اسی کی تائید کرتا ہے جو مشائخ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ سے جب قلیل نجاست کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا جب میرے ناخن کے مثل ہو تو نماز کے جواز کو منع نہیں کرتا۔ کہتے ہیں کہ آپ کا ناخن ہماری ہتھیلی (کے مقر) کے برابر ہے۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ قدر درہم بھی صحابہ سے مروی ہے۔ وللہ الحمد

اعتراض نمبر ۱۱:

ان کانت مخففة جازت الصلوٰة معه حتی یبلغ ربع الثوب یروی ذلك عن ابی حنیفة (هدایه یوسفی جلد اول ص ۷۲ باب الانجاس) یعنی اگر نجاست خفیف ہو اور اس سے کپڑا نجس ہو گیا ہو اگر چوتھے حصے سے کم ہو تو اسے پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہی ہے۔ (درایت محمدی، ص ۹۲)

جواب:

امام اعظمؒ کے نزدیک نجاست مغلظہ وہ ہے جس کی نجاست میں نص وارد ہو اور اس کے معارض کوئی نص نہ ہو۔

نجاست مخففہ وہ ہے جس کے معارضہ میں کوئی نص ہو۔

علامہ شامی ج ۱ ص ۲۳۲ میں فرماتے ہیں:

اعلم ان المغلظ من النجاسة عند الامام ما ورد فیه نص لم یعارض بنص اٰخر فان عورض بنص اٰخر فمخفف کبول ما یؤکل لحمه

جانئے کہ جس میں نص بلا معارضہ وارد ہو وہ نجاست مغلظہ ہے۔ اور جس میں دوسری نص معارض ہو وہ مخففہ ہے جیسے حلال جانوروں کا بول۔

علامہ طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص ۸۸ میں فرماتے ہیں:

ان الامام رضی الله عنه قال ما توافقت علی نجاسة الادلة فمغلظ سواء اختلفت فیه العلماء و کان فیه بلوی ام لا ولا فهو مخفف.

امام رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جس چیز کی نجاست پر ادلہ متفق ہوں وہ مغلظ ہے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہو یا نہ ہو اور عموم بلویٰ ہو یا نہ ہو اور جس چیز کی نجاست پر دلائل متفق نہیں وہ مخفف ہے۔

معلوم ہوا کہ امام صاحب کے نزدیک نجاست خفیفہ وہ ہے جس کی نجاست اور طہارت میں دلائل کا تعارض ہو۔ یعنی بعض دلائل سے اس شے کا نجس ہونا ثابت ہوتا ہے اور بعض

سے پاک ہونا۔

چند مثالیں:

حلال جانوروں کے بول کا بعض روایات سے پاک ہونا ثابت ہوتا ہے چنانچہ حدیث عرینین جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کا بول پینے کی اجازت فرمائی اور حدیث حسن بصری جس میں انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے حج تمتع سے روکنے کا ارادہ کیا تو ابی بن کعب نے فرمایا **لیس ذالك لك** کہ تمہیں روکنے کا حق نہیں کیونکہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمتع کیا۔

حضرت عمرؓ نے بصرہ کے حُلّوں سے منع کرنے کا ارادہ کیا۔ اس لیے کہ وہ بول (**ماکول اللحم**) سے رنگے جاتے تھے تو ابی بن کعبؓ نے فرمایا:

لیس ذالك لك قد لَبِسَهُنَّ النبی ولبسناھن فی عهده

کہ اس کے روکنے کا آپ کو حق نہیں پہنچتا۔ ان حلّوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنا اور آپ کے عہد مبارک میں ہم نے بھی پہنا۔

اس حدیث کو امام احمد نے مسند ابی بن کعبؓ میں روایت کیا۔ نیز حدیث جابر و براء رضی اللہ عنہما کے مطابق حلال جانوروں کے بول میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن بعض روایات سے ناپاک ثابت ہوتا ہے۔

چونکہ مجتہد (امام اعظم) کی نظر میں اختلاف اور تعارض کے باعث ایقان حاصل نہ ہوا۔ اس لیے آپ نے اس کو نجاست خفیفہ فرمایا اور نجاست خفیفہ کے ساتھ بھی نماز پڑھنا مکروہ فرمایا۔ اگرچہ ربع سے کم ہو۔

ابن ہمام فتح القدیر ج اص ۸۱ میں فرماتے ہیں

والصلوٰۃ مکروهة مع ما لا یمنع

کہ (جس قدر نجاست معاف ہے) اس کے ساتھ بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے بلکہ زیادہ لگ جانے سے تو امام اعظم اعادہ نماز کا حکم فرماتے ہیں۔

چنانچہ آثار امام محمد ص ۱۵ میں ہے:

وکان ابو حنیفة یکرھه وکان یقول اذا وقع فی وضوءٍ افسد الوضوء وان اصاب الثوب منه شیءٌ ثم صلی فیه اعاد الصلوٰة.

امام ابو حنیفہ (ابوالِ بہائم) کو مکروہ گردانتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر وضو کے پانی میں (بہائم کے بول سے کچھ) گر جائے تو وضو کو فاسد کر دے گا۔ اگر اس میں سے زیادہ کپڑے کو لگے اور کوئی شخص اس میں نماز پڑھے تو چاہیے کہ نماز کا اعادہ کرے۔

معلوم ہوا کہ نجس خفیفہ جب کہ زیادہ لگ جائے تو امام صاحب کے نزدیک نماز دہرانا ضروری ہے اور بہت کا اندازہ ربع کپڑے یا بدن کے اس حصہ کا ہے جس کو نجاست لگی ہے۔ اگر آستین کو لگی ہے تو آستین کا ربع، دامن پر ہے تو دامن کا ربع مراد ہے۔ اور اسی پر اکثر مشائخ علیہم الرحمۃ کا فتویٰ ہے۔ علامہ شامی نے تحفہ محیط مجتبیٰ اور سراج سے اس کی تصحیح نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ "درحقیقت اسی پر فتویٰ ہے"

معلوم ہوا کہ ربع کل کپڑے کا مراد نہیں۔ فتویٰ اسی پر ہے کہ ربع اس حصے کا مراد ہے جس پر نجاست خفیفہ لگی ہے۔ چونکہ چوتھائی کو بعض احکام میں کل کا حکم ہے۔ اس لیے کپڑے یا بدن کے چوتھائی کو حضرت امام صاحبؒ نے کل کا حکم دیا ہے۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایسی نجاست جس پر نصوص متفق نہیں، اگر کپڑے پر کپڑے کے اس حصہ کی چوتھائی سے کم لگے تو نماز میں معلوم ہو جانے پر نماز کو اس صورت میں توڑا جائے گا۔ جب کہ فوت جماعت یا فوتِ وقت کا خوف ہوگا۔ اندریں صورت کپڑے کو دھو کر دوبارہ نماز ادا کی جائے گی۔ اگر اسی کپڑے سے نماز ادا کی گئی تو مکروہ ہوگی۔ مگر ادا ہو جائے گی۔ اور وہ بھی اس تقدیر پر کہ دوسرا جامہ طاہر میسر نہ ہو۔

(دیکھو کشف الاقتباس نواب صدیق حسن ص ۲۶۸)

اب فرمائیے! کہ اس مسئلہ پر کیا اعتراض ہے؟ اور کس آیت یا حدیث کے برخلاف ہے؟ غیر مقلدین کے نزدیک اگر سارا کپڑا نجاست خفیفہ سے تر ہو تو بھی نماز ہو جائے گی کیونکہ ان

کے نزدیک تو نہ صرف حلال جانوروں کا بلکہ حرام جانوروں کا بول بھی پاک ہے۔ چنانچہ وحید الزمان نزل الابرار جلد اول ص ۴۹ میں لکھتا ہے:

و کذالك الخمر و بول ما یو کل لحمه وما لا یؤ کل لحمه من الحیوانات

اوراسی طرح شراب، حلال حیوانات اور حرام حیوانات کا بول بھی پاک ہے۔

شوکانی نے دربہیہ میں لکھا ہے:

فیما عرا ذالك خلاف و الاصل الطهارة

(انسان کے پاخانہ اور بول، کتے کے لعاب، لید، خون، حیض اور خنزیر کے گوشت) کے ماسوا کے (نجس ہونے میں) اختلاف ہے اور اصل طہارت ہے۔

محی الدین غیر مقلد لاہوری نے بلاغ المبین کے ص ۳۲ میں لکھا ہے:

کہا بخاری نے کہ آنحضرت نے آدمیوں کے پیشاب کے سوا کسی چیز کے دھونے کا حکم نہیں دیا۔

اسی طرح نواب صدیق حسن نے بھی لکھا ہے:

پس جب معترض کے اکابر کے ہاں حلال اور حرام جانوروں کا بول پاک ہے اور پاک شے سے اگر سارا کپڑا بھیگا ہوا ہو تو بھی نماز کا مانع نہیں، پھر وہ کس منہ کے ساتھ امام اعظم کے مسئلہ پر اعتراض کر رہا ہے۔

ان کے نزدیک تو نجاست غلیظہ سے بھی کپڑا اگر تر ہو تو نماز ہو جاتی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں تعلیقاً آیا ہے کہ غزوہ ذات الرقاع میں ایک شخص کو تیر لگا اور خون جاری ہو گیا اسی حالت میں وہ نماز پڑھتا رہا۔ خون کا جاری ہونا، ظاہر ہے کہ کپڑے اور بدن کو تر کر دیتا ہے، خون نجاستِ غلیظہ ہے۔ اس کے باوجود ایک صحابی کا نماز پڑھتے رہنا ثابت ہوا اور وہ بھی صحیح بخاری سے، پھر امام صاحب پر اعتراض کرتے ہوئے کچھ تو شرم چاہیے افسوس کہ معترض کو اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہ آیا لیکن دوسروں کے تنکے کو پہاڑ سمجھ رہا ہے۔

اعتراض نمبر۱۲:

ان اصابه خر مالا یو کل لحمه من الطیور اکثر من قدر الدرهم اجزاب الصلوٰۃ فیه عند ابی حنیفة وابی یوسف (هدایه یوسفی جلد اول ص۷۳ باب الانجاس) یعنی اگر حرام پرندوں کی بیٹ کپڑے پر ہتھیلی کی چوڑائی سے بھی زیادہ لگی ہوئی ہو پھر بھی نماز ہو جائے گی۔ امام ابوحنیفہ کی فقہ یہی ہے اور امام ابو یوسف بھی ان کے ساتھ متفق ہیں۔ (درایت محمدی، ص۹۲)

جواب:

حرام جانوروں کی بیٹ امام صاحب کے نزدیک نجاست مخففہ ہے اس لیے قدر درہم سے زیادہ لگ جانے پر بھی نماز ہو جائے گی۔ اگر معترض کے پاس اس کے مغلظ ہونے اور اس کے لگ جانے سے نماز ناجائز ہونے کی دلیل ہے تو پیش کرے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو ائمہ مجتہدین پر بے جا طعن سے توبہ لازم ہے۔

سنئے! فقہاء علیہم الرحمہ نے ایک اصول لکھا ہے جو قرآن وحدیث سے مستنبط ہے وہ یہ ہے المشقة تجلب التیسیر کہ مشقت آسانی کو کھینچتی ہے یعنی تکلیف اور مشقت کے وقت شرعاً تخفیف ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے تنگی کا نہیں

اور فرمایا:

وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ

یعنی اللہ تعالیٰ نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں کی

حدیث پاک میں ہے:

احب الدین الی الله الحنیفة المسحه (رواه البخاری تعلیقًا)

اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ترین دین، سہولت پر مبنی دین حنیف ہے۔

اور بخاری شریف میں مرفوعاً آیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

الدین یسر ''دین آسان ہے۔''

حافظ ابن حجر فتح الباری پ ا میں لکھتے ہیں:

وقد یسفاد من هذه الاشارة الی الاخذ بالرخصة الشرعیة

اس حدیث میں یہ اشارہ مستفاد ہے کہ رخصت شرعیہ پر عمل کرنا درست ہے۔

اشباہ والنظائر کے ص ۹۶ میں لکھا ہے:

کہ عبادات میں اسباب تخفیف سات ہیں: سفر، مرض، خبر، نسیان، جہل، عسر اور عموم بلوئ معلوم ہوا کہ عموم بلوئ اور عسر بھی اسباب تخفیف میں سے ہیں اس کی مثال میں صاحب اشباہ والنظائر فرماتے ہیں:

کالصلوٰة مع النجاسة المعفو عنها کما دون ربع الثوب من مخففة وقدر الدرهم من المغلظة

جیسے نماز اس نجاست کے ساتھ جو معاف ہے۔ یعنی نجاست مخففہ سے ربع ثوب سے کم اور نجاست مغلظہ سے قدر درہم کے ساتھ

اعتراض نمبر ۱۳:

فان افتتح الصلوٰة بالفارسیة اوقرا فیها او ذبح وسمی بالفارسیة وهو یحسن العربیة اجزاء عند ابی حنیفة (هدایه یوسفی جلد اول ص ۹۵ باب صفة الصلوٰة) یعنی ایک شخص عربی میں اچھی طرح پڑھ سکتا ہے باوجود اس کے فارسی میں قرآن کے معنی پڑھتا ہے، قرآن نماز میں نہیں پڑھتا، اللہ اکبر کے بدلہ میں بھی اس کا ترجمہ فارسی میں پڑھا دیتا ہے تو اس کی نماز جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ کا فتوی یہی ہے اور امام صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر بسم اللہ واللہ اکبر نہ کہے اور فارسی میں اللہ کا نام لے کر ذبح کر ڈالے تو بھی جائز ہے بلکہ اسی صفحہ میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ فارسی کی بھی کوئی قید نہیں **بای لسان کان** یعنی جس زبان میں چاہے ترجمہ ادا کر دے۔ (درایت محمدی، مسئلہ نمبر ۱۳، ص ۹۲، ۹۳)

جواب:

افسوس کہ معترض کوتعصب نے اندھا کر دیا کہ اس کو ہدایہ شریف کی یہ عبارت نظر نہ آئی جو اس کے آگے لکھی ہے:

یروی رجوعه فی اصل المسئلة الی قولهما و علیه الاعتماد.

(هدایه ص ۸٦)

امام اعظم کا اس مسئلہ میں صاحبین کے قول کی جانب رجوع مروی ہے اور اسی پر اعتماد (فتویٰ) ہے۔

درمختار میں بھی اسی پر فتویٰ لکھا ہوا ہے:

پس جس مسئلہ میں امام صاحب کا رجوع ثابت ہے اور فقہاء نے تصریح بھی کی اور فقہاء کا اس پر فتویٰ بھی نہ ہو اس کو ذکر کر کے طعن کرنا، تعصب نہیں تو اور کیا ہے؟ جب خود صاحب ہدایہ نے اور دیگر فقہاء علیہم الرحمہ نے تصریح فرما دی کہ قرآن کے معنی ہی نماز میں پڑھنے سے نماز جائز نہیں۔ امام صاحب نے اپنے پہلے قول جواز سے رجوع فرما لیا ہے۔ تو اب قول مرجوع عنہ کو پیش کر کے طعن کرنا غیر مقلدین ہی کا خاصہ ہے اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ضد اور تعصب سے بچائے۔ آمین

اعتراض نمبر ۱۴:

ثم عن ابی حنیفة انه لا یاتی بها فی اول کل رکعة (هدایه یوسفی جلد اول ص ۹۷ باب صفة الصلوٰة) یعنی امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ہر رکعت میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۃ فاتحہ سے پہلے نہ پڑھے، صرف پہلی رکعت میں پڑھے۔

(درایت محمدی، ص ۹۳)

جواب:

یہاں بھی معترض نے دیانت سے کام نہیں لیا۔ اسی سطر میں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

وعنه انه یاتی بها احتیاطًا وهو قولهما (هدایه ص ۸۷)

امام اعظم سے روایت ہے کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ سے پہلے احتیاطاً بسم اللہ پڑھے اور یہی قول امام ابو یوسف و امام محمد کا ہے۔

وہ روایت جس کو نقل کر کے معترض نے اعتراض کیا ہے اگر اسے کتب فقہ پر نظر ہوتی تو اسے معلوم ہو جاتا کہ اس روایت کو فقہاء نے صحیح نہیں مانا۔

چنانچہ بحر الرائق جلد اول ص ۳۱۲ میں ہے:

قول من قال لا يسمى الا فى الركعة الاولى قول غير صحيح بل قال الزاهدى انه غلط على اصحابنا غلط فاحشًا.

یہ قول کہ صرف پہلی رکعت میں بسم اللہ پڑھی جائے غلط ہے زاہدی فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب (ائمہ) کے ہاں یہ غلط فاحش ہے۔

اعتراض نمبر ۱۵:

لا ياتى بها بين السور والفاتحة (هدايه يوسفى جلد اول ص ۹۷ صفة الصلوٰة) یعنی سورہ فاتحہ پڑھ لی پھر دوسری سورت نماز میں پڑھے تو اس سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھے۔ (درایت محمدی، ص ۹۳)

جواب:

اس کا مطلب یہ ہے کہ سورہ فاتحہ اور سورہ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا مسنون نہیں۔

بحر الرائق میں تصریح ہے:

فلا تسن التسمية بين الفاتحة والسورة

فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا مسنون نہیں۔

یہ نہیں کہ پڑھنا بھی جائز نہیں یا اس کا پڑھنا مکروہ ہے بلکہ بحر الرائق ص ۳۱۲ میں ہے

اما عدم الكراهت فمتفق عليه ولهذا صرح فى الذخيرة والمجتبىٰ بان سمى بين الفاتحة والسورة كان حسنًا عند ابى حنيفة.

ذخیرہ اور مجتبیٰ میں تصریح ہے کہ اگر فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھے تو امام صاحب کے نزدیک اچھا ہے۔

محقق ابن ہمام نے اسی کو ترجیح دی اور علامہ شامی نے بھی یہی لکھا ہے۔ معلوم ہوا کہ امام اعظم کے نزدیک فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا بہتر ہے البتہ مسنون نہیں۔ ہدایہ کی عبارت سے یہی مراد ہے۔

ہاں اگر معترض اس کو مسنون سمجھتا ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس موقع پر بسم اللہ علی الدوام پڑھنا ثابت کرے۔

اعتراض نمبر ۱۶:

انا الاستواء قائما فلیس بفرض (هدایه یوسفی جلد اول ص ۹۹ باب صفة الصلوٰة) یعنی رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا فرض نہیں۔ (درایت محمدی، ص ۹۳)

جواب:

بے شک امام اعظمؒ کی مشہور روایت میں یہ تینوں امور فرض نہیں لیکن سنت بلکہ واجب ضرور ہیں۔ قومہ، جلسہ کے تارک اور رکوع وسجود میں آرام کے تارک کی نماز مکروہ تحریمہ ہوتی ہے جس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ ہدایہ شریف میں صاف تصریح ہے کہ قومہ، جلسہ امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک سنت ہے۔ اسی طرح رکوع وسجود میں آرام کرنا تخریج جرجانی میں سنت اور تخریج کرخی میں واجب ہے۔

چنانچہ فرمایا:

ثم القومة والجلسة سنة عندهما وكذا الطمانية فى تخريج الجرجانى وفى تخريج الكرخى واجبة.

اگر معترض صاحب انصاف ہوتا تو صاف لکھ دیتا کہ قومہ، جلسہ وطمانیت امام صاحب کے نزدیک فرض نہیں لیکن سنت بلکہ واجب ہے پھر امام صاحب کے قول سنت یا وجوب کے خلاف اگر دلیل رکھتا تو پیش کرتا یہ تو نہ کر سکا البتہ یہ کہہ دیا کہ امام صاحب کہتے ہیں کہ فرض

نہیں، معترض کو اگر کتب فقہ میں نظر ہوتی تو اسے معلوم ہو جاتا کہ قومہ، جلسہ وطمانیت کے وجوب کا قول ہی حنفی مذہب میں صحیح ہے چنانچہ تعدیل ارکان کو صاحب کنز وغیرہ نے واجبات میں شمار کیا ہے۔

بحرالرائق ج۱ص۲۹۹ میں ہے:

ھو تسکین الجوارح فی الرکوع والسجود حتی تطمئن مفاصله وادناه مقدار تسبیحة وھو واجب علی تخریج الکرخی وھو الصحیح.

رکوع وسجود میں اعضاء کا آرام پکڑنا یہاں تک کہ اس کے جوڑ آرام پکڑیں اور ادنیٰ اس کا ایک تسبیح ہے یہ کرخی کی تخریج کے مطابق واجب ہے اور یہی صحیح ہے۔

پھر آگے فرمایا:

والذی نقله الجم الغفیر انه واجب عند ابی حنیفة ومحمد

وہ جو اکثر لوگوں نے نقل کیا ہے یہی ہے کہ تعدیل ارکان امام صاحب اور امام محمد کے نزدیک واجب ہے۔

پھر آگے فرماتے ہیں:

والقول بوجوب الکل ھو مختار المحقق ابن الھمام وتلمیذه ابن امیر حاج حتی قال انه الصواب.

قومہ، جلسہ وطمانیت کے وجوب کا قول ہی ابن ہمام کا پسندیدہ ہے اور اس کے شاگرد ابن امیر حاج کو بھی یہی پسند ہے حتی کہ اس نے کہا ''یہی صواب ہے''

علامہ شامی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے کہ امام صاحب کے نزدیک رکوع کے بعد کھڑا ہونا، سجدوں کے درمیان بیٹھنا اور رکوع وسجود میں آرام کرنا واجب ہے اور واجب کے ترک سے نماز مکروہ تحریمہ ہوتی ہے، جس کا اعادہ واجب ہے۔

پس اتنے صاف اور واضح مسئلہ پر اعتراض کرنا، تعصب نہیں تو اور کیا ہے؟ اس معترض کا مقصد ہے کہ عوام کو مغالطہ میں ڈالا جائے۔ جب یہ لکھا جائے کہ قومہ، جلسہ وطمانیت امام

صاحب کے نزدیک فرض نہیں تو عوام یہی سمجھیں گے کہ امام صاحب کے نزدیک قومہ، جلسہ اور آرام فی الرکوع والسجود کے ترک سے نماز میں کوئی نقص نہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے امام صاحب ایسی نماز کو جس میں قومہ، جلسہ نہ ہو، دوبارہ پڑھنا واجب فرماتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۷:

کذا الجلسة بین السجدتین (هدایه یوسفی جلد اول ص۹۹ باب صفة الصلوٰة) یعنی دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا فرض نہیں۔ (درایت محمدی، ص۹۳)

جواب:

اس کا جواب اعتراض نمبر ۱۶ میں گزر چکا ہے۔

اعتراض نمبر ۱۸:

واطمانية فی الرکوع والسجود وهذا عند ابی حنیفة ومحمد (هدایه یوسفی جلد اول ص۹۹ باب صفة الصلوٰة) یعنی رکوع سجدہ بھی آرام سے کرنا فرض نہیں امام ابوحنیفہ کا اجتہاد یہی ہے (کہ نہ تو سیدھا کھڑا ہونا فرض، نہ دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا فرض، نہ آرام سے رکوع کرنا فرض) (درایت محمدی، ص۹۳)

جواب:

اس کا جواب اعتراض نمبر ۱۶ میں گزر چکا ہے۔

اعتراض نمبر ۱۹:

فان اقتصر علی احدهما جاز عند ابی حنیفة (هدایه یوسفی جلد اول ص۱۰۰ باب صفة الصلوٰة) یعنی اگر سجدے میں صرف ناک زمین پر ٹکائی اور پیشانی نہ لگائی یا پیشانی ٹکا دی اور ناک نہ لگائی تو بھی جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ کی رائے یہی ہے۔

(درایت محمدی، ص۹۴)

جواب:

مگر مکروہ تحریمہ ہے۔ امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد سب کے نزدیک سجدہ

میں مسنون طریقہ یہی ہے کہ پیشانی اور ناک دونوں زمین پر لگائے۔ اگر صرف پیشانی لگائے تو نماز مکروہ ہوگی اگر صرف ناک لگائے تو امام صاحب کی ایک روایت میں جائز ہے۔ مگر مکروہ تحریمہ اور صاحبین جائز نہیں کہتے۔ شرح وقایہ میں اسی قول پر فتویٰ لکھا ہے کہ جائز نہیں بلکہ شیخ عبدالحیؒ نے عمدۃ الرعایہ میں برھان شرح مواھب الرحمٰن، مراقی الفلاح اور مقدمہ غزنویہ سے نقل کیا ہے کہ امام اعظم نے اس مسئلہ میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع کیا ہے۔ درمختار میں ہے کہ:

وكره اقتصاره في السجود على احدهما ومنعا الاكتفاء بالانف بلا عذر واليه صح رجوعه وعليه الفتوىٰ

سجدہ میں صرف ناک یا پیشانی پر اکتفا مکروہ ہے اور صاحبین نے ناک پر بلا عذر اکتفا مکروہ فرمایا ہے۔ امام اعظم کا رجوع اسی طرف صحیح ہوا ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔

علامہ شامی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

پس اس حالت میں فقہاء علیہم الرحمۃ نے تصریح کی ہے کہ سجدہ میں صرف ناک یا صرف پیشانی بلا عذر لگانا مکروہ تحریمہ ہے جس سے نماز ناقص ہو جاتی ہے تو اس پر اعتراض کرنا تعصب یا جہالت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

اعتراض نمبر۲۰:

يكره تقديم ...... والاعمى (هدايه يوسفى جلد اول ص۱۱۰ باب الامة)

یعنی اندھے شخص کو امام بنانا مکروہ ہے۔ (درایت محمدی ص۹۴)

جواب:

ہدایہ شریف میں اس کی وجہ لکھی ہے کہ وہ نابینائی کے باعث کپڑوں کو نجاست سے نہیں بچا سکتا۔ لیکن درمختار میں تصریح ہے کہ اگر نابینا قوم میں زیادہ علم والا ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ اسی طرح مراقی الفلاح میں ہے:

وان لم یوجد افضل منه فلا کراهة

اگر اندھے سے افضل کوئی نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز مکروہ نہیں۔

بتایئے! اس مسئلہ میں کیا اعتراض ہے؟

اعتراض نمبر۲۱:

ان تعمد الحدث فی ھذہ الحالة او تکلم...... تمت صلوٰۃ (ھدایہ یوسفی جلد اول ص ۱۱۶ باب الحدث) یعنی اگر جان بوجھ کر تشہد کے بعد گوز مار دے یا بات چیت کرے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی (گویا ہوا نکال دینا سلام کے قائم مقام ہے) (درایت محمدی ص ۹۴)

جواب:

تمہارا یہ اعتراض ہدایہ پر نہیں، امام اعظم پر نہیں بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے کیونکہ اس مسئلہ کی سند حدیث میں موجود ہے۔

افسوس کہ علمائے غیر مقلدین یا تو دیدہ دانستہ عوام کو مغالطہ میں ڈالتے ہیں یا ان کو کتب فقہ کی سمجھ نہیں یہی بے سمجھی ان کو اعتراض کرنے پر دلیر کرتی ہے۔ چنانچہ اسی اعتراض میں معترض نے یہ سمجھا ہے کہ ہوا نکال دینا فقہاء کے نزدیک سلام کے قائم مقام ہے۔ نعوذ باللہ من سوء الفہم ہرگز نہیں۔ اگر قصداً ایسا کرے تو گناہ گار ہے اور اس کی نماز مکروہ تحریمہ جس کا دوبارہ پڑھنا اس پر واجب ہے۔ یہ اس لیے کہ اس نے سلام کہہ کر نماز سے باہر آنا تھا۔ اور یہ سلام اس پر واجب تھا۔ چونکہ اس نے واجب (سلام) کو ترک کیا اس لیے گناہگار بھی ہوا اور نماز کا اعادہ بھی لازم ہوا۔ یہ خیال کہ حنفیہ ایسی نماز کو بلا کراہت تحریمی جائز کہتے ہیں۔ یا اس فعل کو جائز رکھتے ہیں۔ صریح افترا ہے۔ نواب صدیق حسن نے کشف الاقتباس میں اس اعتراض کو خوب رد کیا ہے۔ غیر مقلدین اپنے بزرگ کی اس کتاب میں اس اعتراض کا جواب دیکھ کر معترض کے علم اور تعصب کا اندازہ کریں کہ ہوا نکالنے کو سلام کے قائم مقام سمجھنے میں کس قدر فقاہت سے بے نصیب ہے۔

اب سنیے! وہ حدیث جس کا میں نے پہلے ذکر کیا تھا۔

ابوداؤد، ترمذی اور طحاوی نے روایت کیا ہے۔

جس وقت امام قعدہ میں بیٹھ گیا اور سلام سے پہلے اس نے حدث کیا تو حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس کی اور جو لوگ اس کے پیچھے تھے سب کی نماز پوری ہوگئی۔

علامہ علی قاری نے اپنے رسالہ **تشیع الفقهاء الحنفیه** میں کتنی حدیثیں اس بارہ میں لکھی ہیں جو دیکھنا چاہے وہ عمدۃ الرعایہ شرح وقایہ کا ص ۱۸۵ دیکھ لے۔

اب معترض اپنے ایمان کی فکر کرے کہ اہل حدیث ہونے کا دعویٰ بھی رکھتا ہے! اور حضور علیہ السلام پر اعتراض بھی۔

اعتراض نمبر۲۲:

یکرہ ان یدفع الی واحد مائتی درھم فصاعدا (ھدایه یوسفی جلد اول ص ۱۸۹، ۱۹۰ باب من یجوز دفع الصدقات) یعنی کسی غریب مسکین شخص کو زکوٰۃ کے مال میں سے دوسو درہم یعنی پچاس روپے یا اس سے زیادہ دینا مکروہ ہے۔

(درایت محمدی ص ۹۴)

جواب:

اس کے آگے ہدایہ شریف کی عبارت کیوں نہیں نظر آئی۔ **وان دفع جاز** کہ دوسو درہم یا اس سے زیادہ دے دے تو جائز ہے۔ اور کراہت بھی اس صورت میں ہے کہ وہ مسکین قرض دار اور صاحب عیال نہ ہو اگر قرض دار ہو یا صاحب عیال ہو تو دوسو درہم یا اس سے زیادہ دینا کوئی مکروہ نہیں۔ چنانچہ شرح وقایہ اور اس کے حاشیہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

اعتراض نمبر۲۳:

کالمستمنی بالکف علی ما قالوا (ھدایه یوسفی جلد اول ص ۱۹۹، باب ما یوجب القضاء) یعنی مشت زنی کرنے والے کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔ حنفی مذہب کے فقہاء نے یہی کہا ہے۔ (درایت محمدی ص ۹۴)

جواب:

معترض نے اگر کتب فقہ کسی استاد سے پڑھی ہوتیں تو اسے معلوم ہوتا کہ صاحب ہدایہ لفظ قالوا کہتا ہے تو اس کی مراد کیا ہوتی ہے۔ یہاں بھی صاحب ہدایہ نے علی ما قالوا کہا ہے۔

شیخ عبدالحئ مقدمہ عمدۃ الرعایہ کے ص ۱۵ میں فرماتے ہیں:

لفظ قالوا يستعمل فيما فيه اختلاف المشائخ كذا في النهاية في كتاب الغضب وفي العناية و البناية في باب ما يفسد الصلوٰة و ذكر ابن الهمام في فتح القدير في باب ما يوجب القضاء و الكفارة من كتاب الصوم ان عادته اى صاحب الهداية في مثل افادة الضعف مع الخلاف انتهٰى و كذا ذكره سعد الدين التفتازاني ان في لفظ قالوا اشارة الى ضعف ما قالوا

لفظ و قالوا، وہاں بولتے ہیں جہاں مشائخ کا اختلاف ہو۔ نہایہ کے کتاب الغضب اور العنایہ والبنایہ کے باب **ما يفسد الصلوٰة** میں ایسا ہی لکھا ہے۔ ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں کہ صاحب ہدایہ کی عادت اس لفظ کے مثل سے ضعف مع الخلاف کا افادہ ہے یعنی جہاں اختلاف ہو تو ضعیف قول پر صاحب ہدایہ لفظ قالوا بولتے ہیں اسی طرح سعد الدین تفتازانی نے کہا ہے کہ لفظ قالوا میں ضعف کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

ہدایہ شریف کے حاشیہ پر لکھتا ہے:

قوله على ما قالوا عادته في مثله افاده الضعف مع الخلاف وعامة المشائخ على ان الاستمناء مضطر وقال المضعف في التجنيس انه المختار

صاحب ہدایہ کی عادت ہے کہ قالوا اور اس کی مثل بول کر ضعف مع الخلاف کا فائدہ بتاتے ہیں اور اکثر مشائخ اس طرف ہیں کہ مشت زنی سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے خود صاحب ہدایہ نے تجنیس میں اسی کو مختار فرمایا ہے۔

معلوم ہوا کہ صاحب ہدایہ نے لفظ قالوا سے اس قول کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے جس قول کو خود مصنف ضعیف کہے اس کو محل طعن بنانا غیر مقلدین ہی کا وطیرہ ہے۔

فتاویٰ عالمگیری ص ۱۶۳ میں ہے:

الصائم اذا عالج ذکرہ حتی امنی علیه القضاء وھو المختار وبه قال عامته المشائخ.

روزہ دار نے اگر مشت زنی کی اور منی نکل آئی تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اس پر قضا لازم ہے یہی مختار ہے اور عامۃ المشائخ اسی پر ہیں۔

اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ معترض نے کم علمی یا تعصب کی بنیاد پر احناف کے خلاف فتنہ پروری کی ہے۔ معترض کو واضح ہو کہ مشت زنی کو غیر مقلدین نے جائز لکھا ہے دیکھو عرف الجاری۔

اعتراض نمبر ۲۴:

عن ابی حنیفة انه لا یجب الکفار بالجماع فی موضع المکروہ (ھدایه یوسفی جلد اول ص ۲۰۱، باب ما یوجب القضاء) یعنی پاخانے کی جگہ میں وطی کرنے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ امام ابوحنیفہ کا فتویٰ یہی ہے۔ (درایت محمدی، ص ۹۴)

جواب:

کاش معترض تھوڑا سا آگے پڑھتا تو اس کو مل جاتا

والاصح انھا تجب ''اور اصح یہ ہے کہ کفار واجب ہو جاتا ہے۔''

لیکن معترض کے ضمیر نے یہی حکم دیا کہ آگے جملہ ہضم کر جاؤ۔ کون ہدایہ شریف دیکھے گا اور کون اس خیانت کو معلوم کرے گا؟ کئی عقل کے اندھے ایسے بھی تو ہوں گے جو اصل کتاب کو دیکھنا ہی پسند نہ کریں گے اور بات بن جائے گی لیکن اس عدم وجوب کفارہ سے یہ سمجھنا کہ حنفیہ کے نزدیک ایسا کرنا جائز ہے۔ سراسر افترا ہے۔

اعتراض نمبر ۲۵:

لو جامع میتة او بھیمة فلا کفار انزل او لم ینزل (ھدایه یوسفی جلد اول ص ۲۰۱، باب ما یوجب القضاء) مردہ عورت سے یا چوپائے سے بدفعلی کرنے

سے روزہ کا کفارہ نہیں آتا انزال نہ ہوا تو بھی اور انزال ہو گیا ہو تب بھی۔

(درایت محمدی ص ۹۵)

جواب:

بتاؤ یہ مسئلہ کس آیت یا حدیث کے خلاف ہے؟ چونکہ حدیث شریف میں ایسے شخص کے لیے کوئی کفارہ نہیں آیا۔ اس لیے حضرات فقہاء علیہم الرحمۃ نے کفارہ نہیں فرمایا۔

کفارہ ایسے جماع میں ہے جو محل مشتہی میں ہو۔ مردہ عورت یا بہیمہ میں چونکہ محل مشتہی نہیں اس لیے کفارہ بھی نہیں۔ اگر معترض کے پاس اس کے خلاف کوئی دلیل ہے تو بیان کرے ورنہ ائمہ پر بے دلیل طعن بازی سے باز رہے۔

اس سے کوئی کم فہم یہ نہ سمجھ لے کہ حنفیہ کے نزدیک مردہ عورت یا چوپایہ سے وطی کرنا جائز ہے۔ معاذ اللہ ہرگز نہیں۔ یہاں تو صرف اس قدر ذکر ہے کہ اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں ایسا کر بیٹھے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا لیکن کفارہ نہیں کہ حقیقتاً جماع پایا نہیں گیا۔ اس فعل کی سزا ہدایہ میں دوسرے مقام پر بیان کی گئی ہے۔

اعتراض نمبر ۲۶:

من جامع فيما دون الفرج فانزل لا كفارة عليه (هدايه يوسفى جلد اول ص ۲۰۲، باب يوجب القضاء) یعنی شرم گاہ کے سوا کسی اور جگہ جماع کیا اور انزال بھی ہوا۔ پھر بھی روزہ کا کفارہ لازم نہیں آئے گا۔ (درایت محمدی، ص ۹۵)

جواب:

فرمایئے! یہ مسئلہ کس آیت یا حدیث کے خلاف ہے۔ آپ کو معلوم نہ ہو تو اپنے کسی بڑے محدث سے دریافت کر کے دیکھئے کہ فلاں حدیث میں تو ایسے شخص کے حق میں کفارہ آیا ہے۔ اگر ایسا نہ دکھا سکو ہرگز نہ دکھا سکو گے تو دوزخ کی آگ سے ڈرو۔

تمہارے ہاں تو بغیر از جماع کفارہ ہی نہیں دیکھو نزل الابرار ص ۲۳۱ میں علامہ وحید الزمان لکھتا ہے کہ ''ماہ رمضان میں روٹی کھانے اور پانی پینے میں بھی کفارہ نہیں'' اب بتاؤ

کہ کس منہ سے حنفیہ پر اعتراض کرتے ہو۔

اعتراض نمبر ۲۷:

لا یشعر عند ابی حنیفة ویکره ولابی حنیفة انه مثلثة (هدایه یوسفی جلد اول ص ۲۴۳، باب التمتع) یعنی قربانی کے جانور کی کوہان پر نشان کر دینا جو سنت ہے مکروہ ہے بلکہ یہ مثلہ کرنا ہے (یعنی اعضاء بدن کا کاٹ دینا) امام ابوحنیفہ کی رائے یہی ہے۔ (درایت محمدی ص ۹۵)

جواب:

امام اعظم نے مطلقاً مکروہ نہیں فرمایا بلکہ اپنے زمانے کے لوگوں کا اشعار مکروہ فرمایا کہ وہ اشعار میں مبالغہ کرتے تھے امام صاحب کے نزدیک اس میں مبالغہ مکروہ ہے نہ کہ اشعار **کما ذکرہ الطحطاوی** رحمۃ اللہ علیہ ہدایہ شریف میں اس امر کی تصریح موجود ہے۔ مگر افسوس کہ معترض کو تعصب کے سبب نظر نہ آیا۔ چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتا ہے:

قیل ان ابا حنیفة کره اشعار اهل زمانه لمبالغتهم فیه علی وجه یخاف منه السرایة

شیخ عبدالحیٔ نے حاشیہ ہدایہ میں اسی کو اولیٰ واحسن فرمایا ہے۔

علامہ عینی شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

وابوحنیفة رضی الله عنه ما کره اصل الاشعار وکیف یکره ذالك مع اشتهر فیه من الآثار

ابوحنیفہؒ نے اصل اشعار کو مکروہ نہیں فرمایا اور کیسے مکروہ کہہ سکتے تھے؟ جب کہ آثار مشہورہ اس میں ثابت ہیں۔

قال الطحطاوی وانما کره ابوحنیفة اشعار اصل زمانه لانه رأهم یستقصون فی ذلك علی وجه یخاف منه هلاك البدنه لسرایته خصوصًا فی حر الحجاز.

امام طحطاوی فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ نے اپنے زمانہ کے اشعار کو مکروہ فرمایا اس لیے کہ ان کو اس طور پر اشعار کرتے دیکھا جس سے جانور کی ہلاکت کا خوف تھا خصوصاً حجاز کی گرمی کے جسم میں سرایت کر جانے کے سبب۔

پس جو اشعار مسنون ہے وہ صرف کھال کا کاٹنا ہے۔ اس کو امام صاحبؒ نے مکروہ نہیں کہا۔

اعتراض نمبر ۲۸:

مس امرأة بشهوة ونظر الیٰ فرجها او نظرت الی ذکره عن شهوة (هدایه یوسفی جلد ۲ ص ۲۸۹، فصل فی المحرمات) یعنی کسی مرد نے کسی غیر عورت کو شہوت کے ساتھ چھو لیا اس کی شرمگاہ کو دیکھ لیا یا اس عورت نے اس کی شرمگاہ کو شہوت کی نظر سے دیکھ لیا تو اس عورت کی ماں اور بیٹی اس مرد پر حرام ہو گئی۔ (درایت محمدی ص ۹۵)

جواب:

اگر کسی کے پاس اس کے برخلاف کوئی آیت یا حدیث ہے تو دکھائے ورنہ اعتراض واپس لے۔

اب سنیے! کہ یہ مسئلہ نہ صرف امام اعظم کا ہے بلکہ صحیح مسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان **واحتجبی منه یاسودہ** "اس کی تائید کرتا ہے۔"

جوہر النقی ج ۲ ص ۸۴ میں بحوالہ ابن حزم لکھا ہے:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک مرد اور عورت کو جدا کر دیا جب یہ معلوم ہوا کہ اس مرد نے عورت کی ماں کے ساتھ ناجائز حرکت کی حالانکہ اس مرد کے اس عورت کے بطن سے سات بچے بھی پیدا ہو چکے تھے۔

معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عباس کا یہی مذہب تھا جو فقہاء علیہم الرحمہ نے لکھا ہے اسی طرح سعید بن مسیّب، ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن اور عروہ بن زبیر نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی عورت کے ساتھ زنا کرے، اس کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ وہ اس کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرے۔ اسی طرح ابن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ ابن مسیّب اور حسن سے روایت کیا ہے

کہ جب کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ زنا کرے تو اس کے لیے درست نہیں کہ اس عورت کی ماں یا بیٹی کے ساتھ نکاح کرے۔

اسی طرح عبدالرزاق نے مصنف میں عثمان بن سعید سے اس نے قتادہ سے اس نے عمران بن حصین سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا کہ جس شخص نے اپنی عورت کی ماں سے زنا کیا اس پر دونوں (ماں، بیٹی) حرام ہو گئیں۔

اسی طرح عطا نے فرمایا ہے اسی طرح طاؤس وقتادہ نے فرمایا ہے۔ یہی امام نخعی کا مذہب ہے۔ امام مجاہد فرماتے ہیں:

اذا قبلها او لمسها او نظر الی فرجها من شهوة حرمت علیه امها وبنتها.
(جوهر النقی ص٨٥)

جب کسی عورت کا بوسہ لے یا ہاتھ لگائے یا اس کی شرمگاہ کو شہوت کے ساتھ دیکھے تو اس مرد پر اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہو جاتی ہیں۔

وعن ابن عمر قال اذا جامع الرجل المرأة وقبلها او لمسها بشهوة او نظر الی فرجها بشهوة حرمت علی ابیه وابنه وحرمت علیه امها وابنتها

(فتح القدیر نو لکشور ج٢ ص٤٤)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا جب کوئی مرد کسی عورت سے جماع کرے اور اس کا بوسہ لے یا اس کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگائے یا اس کی شرمگاہ کو شہوت کے ساتھ دیکھے تو اس کے باپ اور بیٹے پر وہ عورت حرام ہو جاتی ہے اور اس عورت کی ماں اور بیٹی اس مرد پر حرام ہو جاتی ہے۔

اعتراض نمبر ٢٩:

ولو مس فانزل والصحیح انه لا یوجبها وعلی هذا اتیان المراة فی الدبر

(هدایه یوسفی جلد ٢ ص٢٨٩، فصل بی بیان المحرمات) یعنی اگر چھونے سے

انزال ہو جائے تو حرمت ثات نہ ہوگی۔اسی طرح اگر خلاف فطرت فعل کیا یعنی اس عورت سے پاخانہ کی جگہ وطی کی تو بھی حرمت ثابت نہ ہوگی۔(یعنی صرف چھونے سے حرمت ثابت لیکن اگر اتنا مساس کیا کہ انزال ہو گیا تو حرمت زائل،صرف دیکھ لینے سے حرمت موجود لیکن شرمناک بدفعلی سے حرمت مفقود)(درایت محمدی،ص ۹۵)

جواب:

ہدایہ شریف میں اس مسئلہ کو مدلل بیان کیا گیا ہے۔اصل بات یہ ہے کہ واطی اور موطوہ کے درمیان وطی سبب جزئیہ ہے یعنی وہ دونوں مثل ایک شخص کے ہو جاتے ہیں۔عورت کے والدین اور اولاد اس مرد کے والدین اور اولاد کی طرح ہو جاتے ہیں اور مرد کے والدین اور اولاد اس عورت کے والدین اور اولاد کی طرح ہو جاتے ہیں۔چاہے وطی حلال ہو یا حرام۔ پس جس طرح حلال وطی سے عورت کی ماں بیٹی حرام ہو جاتی ہیں۔اسی طرح جس عورت کے ساتھ زنا کرے اس کی ماں بیٹی بھی اس پر حرام ہو جاتی ہیں۔سابقہ جواب میں اسی مسئلہ کے دلائل لکھے گئے ہیں۔

رہی یہ بات کہ صرف مس اور نگاہ شہوت سے حرمت مصاہرہ ہو جاتی ہے اس کا سبب کیا ہے؟ تو صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

ان المس والنظر سبب داع الی الوطی فیقام مقامه فی موضع الاحتیاط

مس اور نظر وطی کی طرف بلانے والے ہیں اس لیے ان کو احتیاطاً وطی کے قائم مقام سمجھا گیا ہے۔

یعنی جو شخص مس و نظر با شہوت کرے گا وطی کی طرف راغب ہوگا اور وہ چاہے گا کہ وطی کروں اس لیے دواعی وطی قائم مقام وطی ہوئے اور حرمت ثابت ہوگئی لیکن اگر مس کرتے ہی انزال ہو گیا تو حرمت مصاہرہ ثابت نہ ہوگی اس کی وجہ بھی صاحب ہدایہ نے بیان فرمائی ہے جو معترض نے نقل نہیں کی وہ فرماتے ہیں:

لانه بالانزال تبین انه غیر مفض الی الوطی (هدایه ص۲۸۹)

انزال ہو جانے سے ظاہر ہو گیا کہ یہ مس وطی کی طرف پہنچانے والا نہیں۔

کیونکہ انزال ہونے سے وہ وطی سے ہٹ جائے گا۔ اصل باعث حرمت مصاہرہ وطی تھی مس بغیر انزال چونکہ مفض الی الوطی تھا اس لیے قائم مقام وطی سمجھا گیا۔ اور مس بالانزال چونکہ مفض الی الوطی نہیں اس لیے وطی کے قائم مقام نہیں۔

یہی مسئلہ اتیان فی الدبر کا ہے۔ اگر انزال ہو جائے تو چونکہ وہ مفض الی الوطی نہیں موجب حرمت بھی نہیں۔ اگر انزال نہ ہو تو موجب حرمت ہے۔

اعتراض نمبر ۳۰:

اذا طلق امراته طلاقا بائنا او رجعيا لم يجز له ان يتزوج باختها حتى تنقضي عدتها. (هدايه يوسفى جلد ۲ ص ۲۸۹، فصل في المحرمات) یعنی ایک شخص نے اپنی بیوی کو بائن طلاق دے دی یا رجعی۔ جب تک اس کی عدت نہ گزر جائے وہ مرد اس کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا۔ (عورت کی عدت تو سنی تھی یہ مرد کی عدت بھی سن لیجیے) (درایت محمدی، ص۹۶)

جواب:

بالکل صحیح ہے کیوں **جمع بین الاختیین** ہے جو قرآن نے منع فرمایا ہے گو یہ جمع نکاحاً نہیں لیکن عدۃً ضرور ہے عدت میں اگر چہ مرد کا نکاح باقی نہیں لیکن من وجہ اس کا تعلق باقی رہتا ہے۔ ہدایہ شریف میں ہے:

ولنا ان النكاح الاولٰى قائم لبقاء احكامه كالنفقة والمنع والفراش.

یعنی پہلے نکاح کے احکام باقی رہتے ہیں جیسے نفقہ، منع اور فراش تو من وجہ ابھی نکاح باقی ہے۔ اس لیے عدت کا خرچہ مرد کے ذمہ ہے۔ عدت میں عورت کا مرد کے گھر سے نکلنا منع ہے۔ اور وہ عورت نسب کے ثبوت کے لیے اسی مرد کا فراش ہوگی۔ یعنی اگر اکثر مدت حمل سے پہلے پہلے بچہ پیدا ہوا اور مرد انکار نہ کرے تو اسی کی نسب ثابت ہوگی۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ عورت معتدہ بائنہ کا نکاح ابھی من وجہ باقی ہے تو اب اس کی بہن

سے نکاح کرنا مرد کو ناجائز ہوگا کیونکہ وہ جامع بین الاختیین ہوگا جس کی ممانعت نص میں آچکی ہے۔

علامہ ابن الہمام فتح القدیر ج ۲ ص ۲۴ میں فرماتے ہیں:

وبقولنا قال احمد وهو قول علي وابن مسعود وابن عباس ذكر سليمان بن يسار عنهم وبه قال سعيد بن المسيب وعبيدة السلماني ومجاهد والثوري والنخعي

امام احمد بن حنبل بھی یہی فرماتے ہیں اور یہی قول ہے حضرت علی، ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا سلیمان بن یسار نے ان سے ذکر کیا اور اسی کے قائل ہیں سعید بن مسیّب، عبیدہ السلمانی، مجاہد، ثوری اور نخعی۔

پھر آگے فرماتے ہیں:

قال عبيدة ما اجتمع اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم في شيء كاجتماعهم على تحريم نكاح الاخت في عدة الاخت.

عبیدہ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا کسی شے پر ایسا اجماع نہیں ہوا جیسے کہ اس بات پر کہ بہن کی عدت میں اس کی بہن کے ساتھ نکاح حرام ہے۔

وحید الزمان بھی نزل الابرار کے ص ۲۱ میں لکھتا ہے:

ويحرم الجمع بالنكاح الصحيح او وطيا يملك ولو في عدة من طلاق بائن بين الاختيين.

دونوں بہنوں کے ساتھ نکاح میں جمع کرنا، اگرچہ مطلقہ بائنہ کی عدت میں ہو یا ملک یمین کو وطی میں جمع کرنا حرام ہے۔

پس جو مسئلہ قرآن کریم کی دلالۃ النص سے ثابت ہو جس مسئلہ پر اجماع صحابہ منقول ہو، جو اکابر تابعین و تبع تابعین کا مذہب ہو اس پر مسخری کرنے کی جرأت غیر مقلد ہی کر سکتا ہے۔
تعجب تو یہ ہے کہ معترض اس مسئلہ کے خلاف ایک حدیث بھی پیش نہ کر سکا۔

اعتراض نمبر ۳۱:

اذا رای امراۃ تزنی فتزوجها حل له ان یطاء ها قبل ان یستبراها عندهما (هدایه یوسفی جلد ۲ ص ۲۹۲، فصل فی المحرمات) یعنی کسی عورت کو زنا کرتے ہوئے دیکھا اور اس سے نکاح کر لیا تو اس سے ہم بستر ہونا جائز ہے اور کچھ ضرورت نہیں کہ ایک حیض تک ٹھہرے۔ (درایت محمدی، ص ۹۶)

جواب:

اگر زنا کی عدت کسی حدیث میں آئی ہے تو بیان کرو **دونه خرط القتاد** جب نکاح درست ہے تو جماع بھی درست ہے۔ ہاں اگر حاملہ ہو تو گو اس سے نکاح درست ہے لیکن وطی درست نہیں۔ چنانچہ اسی ہدایہ شریف میں اس سے پہلے تصریح ہے۔

وان تزوج حبلیٰ من الزنا جاز النکاح ولا یطاها حتی تصنع حملها.

اگر حاملہ بالزنا سے نکاح کیا تو نکاح جائز ہوا لیکن وضع حمل تک وطی جائز نہیں۔

پس معترض اس مسئلہ کے خلاف کوئی آیت یا حدیث پیش کرے ورنہ اعتراض واپس لے۔

اعتراض نمبر ۳۲:

من ادعت علیه امراۃ انه تزوجها واقامت بینة فجعلها القاضی امراته ولم یکن تزوجها وسعها المقام معه وان تدعه یجا معها وهذا عند ابی حنیفة (هدایه یوسفی جلد ۲ ص ۲۹۳، بیان المحرمات) یعنی ایک عورت نے ایک مرد پر جھوٹا دعویٰ کیا کہ اس سے اس کا نکاح ہے اور جھوٹے گواہ گزار دیئے۔ قاضی نے اس پر فیصلہ کر دیا حالانکہ حقیقتاً نکاح نہیں ہوا تو اب ان دونوں کو یکجا رہنا سہنا اور مجامعت اور صحبت کرنا سب جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ کا فتویٰ یہی ہے۔ (درایت محمدی، ص ۹۶)

جواب:

معلوم نہیں کہ معترض نے نکاح کیا سمجھ رکھا ہے۔ عورت نکاح کا دعویٰ کرتی ہے اور گواہ بھی موجود ہیں۔ قاضی وہ مرد عورت کو دلا دیتا ہے۔ مرد اس فیصلہ کو قبول کر لیتا ہے تو یہی فیصلہ اس کے

حق میں نکاح ہو جاتا ہے۔ حضرت علیؓ نے بھی یہی فیصلہ فرمایا۔ دیکھو رسالہ بعض الناس۔

یہ مسئلہ کسی حدیث صحیح کے خلاف نہیں۔ اگر معترض اس مسئلہ کو کسی حدیث صحیح کے مخالف سمجھتا ہے تو وہ حدیث مع وجہ مخالفت وطریق استدلال لکھے۔

حدیث **لعل بعضکم ان یکون الحن بحجة** اس مسئلہ کے مخالف نہیں ہے۔ دیکھو لعان میں قاضی کی تفریق ظاہر باطن جاری ہو جاتی ہے حالانکہ ان دونوں میں سے ایک ضرور جھوٹا ہوتا ہے۔

اسی طرح معترض کے نزدیک مفقود کی عورت پر چار برس کے بعد قاضی تفریق کر سکتا ہے پس کیا یہ تفریق باطن میں نہیں ہوتی؟ کیا وہ عورت اللہ کے نزدیک مطلقہ نہیں ہو جاتی؟ اگر ہو جاتی ہے تو ثابت ہوا کہ قاضی کی قضا باطن میں بھی نافذ ہو جاتی ہے۔ چونکہ مقصود قضا سے قطع منازعۃ من کل الوجوہ ہے تو ما نحن فیہ جب تک تنقید باطنا نہ ہو قطع نزاع نہ ہو گی بلکہ تمہید منازعت ہو گی۔

علامہ عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری کے ص ۲۷۱ میں لکھتے ہیں:

ابو حنيفة امام مجتهد ادرك صحابة ومن التابعين خلقا كثيرا وقد تكلم في هذه المسئلة باصل وهو ان القضاء تقطع المنازعة بين الزوجين من كل وجه فلو لم ينفذ القضاء بشهادة الزور باطنا كان تمهيدا للمنازعة بينهما وقد اعهدنا بنفوز مثل ذالك في الشرع الا ترىٰ ان التفريق باللعان ينفذ باطنا واحدهما كاذب باليقين.

اعتراض نمبر ۳۳:

فان تزوج الذى ذمية على خمر او خنزير ثم اسلما او اسلم احدهما فلها الخمر والخنزير. (هدايه يوسفى جلد ۲ ص ۳۱۸، احكام النكاح فى الكفار) یعنی ذمی مرد نے ذمی عورت سے نکاح کیا اور مہر میں شراب یا سور مقرر کیا پھر دونوں میاں بیوی مسلمان ہو گئے تو بھی مہر میں شراب یا سور ادا کر دے اسی طرح اگر دونوں میں

سے ایک مسلمان ہو گیا تو بھی یہی حکم ہے۔ (درایت محمدی، ص ۹۶)

جواب:

ہدایہ شریف میں یہ مسئلہ شراب اور سور معین کے بارے میں لکھا ہے اور شراب یا سور غیر معین کے بارے میں خمر میں قیمت اور سور میں مہر مثل ہے۔ چنانچہ فرمایا

ان کانا بغیر اعیانهما فلما فی الخمر القیمة وفی الخنزیر مهر المثل

امام اعظمؒ کی دلیل جو ہدایہ میں ہے وہ یہ ہے کہ شراب یا سور معین کو اشارہ کر کے ذمیہ نے اپنا مہر مقرر کیا تو عقد کرتے ہی وہ عورت اس شراب یا سور معین کی مالک ہو گئی وہ اس کو فروخت یا ہبہ وغیرہ تصرف کر سکتی ہے رہا یہ کہ ابھی عورت نے وہ شراب یا سور پر قبضہ نہیں کیا تو دونوں یا ان میں سے ایک مسلمان ہو گیا۔ اب وہ عورت اسلام کی حالت میں بھی قبضہ کر سکتی ہے کیونکہ قبضہ میں زوج کی ضمانت سے عورت کی ضمان میں انتقال ہے اور یہ اسلام کے ساتھ منع نہیں۔ چنانچہ فرمایا:

لابی حنیفة ان الملك فی الصداق المعین یتم بنفس العقد ولهذا تملك التصرف فیه وبالقبض ینتقل من ضمان الزوج الی ضمانها وذلك لا یمتنع بالاسلام کاسترداد الخمر المغضوب.

رہی یہ ہے کہ وہ عورت اس سور یا شراب کو کیا کرے؟ درمختار میں ہے:

فتحلل الخمر وتسیب الخنزیر

شراب کو سرکہ بنائے اور خنزیر کو چھوڑ دے۔

اور حاشیہ مدنی میں لکھا ہے

بہتر یہ ہے کہ سور کو قتل کر دے۔

بتاؤ! یہ مسئلہ کس آیت یا حدیث کے خلاف ہے۔

اعتراض نمبر ۳۴:

فان امتنع الشهود من الابتداء سقط الحد. (هدایه یوسفی جلد ۲

ص ۴۸۸، فصل کیفیة الحد) یعنی زانی کوسنگسار کرنے کے وقت پہلے گواہ سنگ باری شروع کریں اور اگر وہ نہ کریں تو حد ساقط ہو جائے گی۔ یعنی زانی کو بھی پھر رجم ہی نہ کیا جائے گا۔ (درایت محمدی، ص ۹۶، ۹۷)

جواب:

خود صاحبِ ہدایہ نے لکھا ہے لانہ دلالة الرجوع کہ گواہوں کا ابتداءً رمی نہ کرنا ان کے رجوع پر دلالت کرتا ہے۔ اگر چہ صریح رجوع نہیں یعنی ہوسکتا ہے کہ گواہوں نے زنا کی شہادت تو دے دی ہو اور شہادت کے وقت ایسا کوئی خیال نہ آیا ہو لیکن جب رجم کرنے لگے جب ان کو سب سے پہلے سنگساری کے لیے کہا گیا تو انہوں نے ایک آدمی کے قتل کو امر عظیم سمجھ کر سنگ باری نہ کی ہو اور اپنی شہادت سے ممکن ہے کہ رجوع کر لیا ہو گواہوں کا سنگباری نہ کرنا ان کے رجوع پر دلیل ہے۔ لہٰذا حد ساقط ہوگئی۔

خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

ادرؤا الحدود عن المسلمین ما استطعتم

جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں سے حد کو روکو۔

اگر کوئی بھی وجہ ہو سکے تو زانی کو چھوڑ دو قاضی اگر معافی میں خطا کر جائے تو اس سے بہتر ہے کہ وہ سزا میں خطا کرے۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا۔ گواہوں کا چونکہ صریح رجوع نہیں اس لیے سنگ باری نہ کرنے سے ان پر بھی حد نہ ہوگی۔ ممکن ہے کہ انہوں نے سنگ باری سے انکار محض ضعف نفوس کے سبب کیا ہو جیسے بعض کمزور دل جانور ذبح نہیں کر سکتے اور بعض تو ذبح کے وقت سامنے بھی نہیں ٹھہرتے۔

اعتراض نمبر ۳۵:

جاریة ابیه وامه وزوجة (هدایه یوسفی جلد ۲ ص ۴۹۲، باب الوطی الذی یوجب) یعنی جو شخص اپنے باپ کی یا اپنی ماں کی یا اپنی بیوی کی لونڈی سے زنا کرے اور یہ کہہ دے کہ میں نے خیال کیا تھا کہ یہ مجھ پر حلال ہے تو اسے حد نہیں لگائی جائے گی۔

(درایت محمدی، ص ۹۷)

جواب:

ہدایہ شریف میں اس کی وجہ لکھی ہے کہ یہ شبہ اشتباہ ہے اس لیے کہ بیٹا ماں باپ کے مال سے نفع اٹھا سکتا ہے اسی طرح خاوند اپنے بیوی کے مال سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے اس کا ماں باپ یا بیوی کی لونڈی کو حلال ظن کر لینا متحمل ہے جب اس نے حلت کا ظن کیا تو یہ شبہ اشتباہ ہے۔ اور شبہات کے سبب حدود کا ٹال دینا احادیث میں آیا ہے۔ چنانچہ **ادرؤا الحدود ماستطعتم** پیچھے گزری ہے جو کہ ابویعلیٰ کی مسند میں مرفوعاً مروی ہے۔

مسند امام اعظمؒ میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

ادرؤا الحدود بالشبهات کہ شبہات کی بنا پر سزاؤں کو ٹالو۔

ابن ابی شیبہ نے ابراہیم نخعیؒ سے روایت کیا کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر میں حدود کو شبہات کے سبب معطل رکھو تو میرے نزدیک اس سے محبوب تر ہے کہ شبہات پر اقامت حد کروں۔

معاذ، عبداللہ بن مسعود اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم سے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جب تمہیں حد میں شبہ میں پڑ جائے تو حد کو ٹال دو۔

(غایۃ الاوطار ج۲ص۴۱۰)

اتصال املاک بین الفروع والاصول سے یہ گمان ہوتا ہے کہ بیٹے کو ماں باپ کی لونڈی سے جماع میں ولایت ہے اسی طرح زوجہ کی لونڈی میں۔

کیا یہ اشتباہ نہیں؟ اور کیا شبہات سے سزا کا ٹال دینا احادیث میں نہیں اگر ہے تو فقہ حنفیہ پر اعتراض کیوں؟

اعتراض نمبر ۳۶:

والمطلقة ثلاثة وهى فى العدة وبائنا بالطلاق على مال وهى فى العدة وام ولد اعتقها مولاها وهى فى العدة. (هدايه يوسفى جلد ۲ ص ۴۹۲، باب الوطى الذى يوجب الخ) یعنی کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اور پھر

اس سے عدت کے اندر زنا کیا۔ یا طلاق بائن مال لے کر دے دی پھر عدت میں زنا کیا اور ام ولد لونڈی کو آزاد کر دیا اور عدت میں اس سے زنا کاری کی اور غلام نے اپنے آقا کی لونڈی سے زنا کیا۔ اگر یہ لوگ کہہ دیں کہ ہم نے اسے حلال جانا تھا تو ان میں سے کسی پر حد نہیں۔
(درایت محمدی، ص ۹۷)

جواب:

مندرجہ بالا تمام صورتوں میں شبہ فعل کے باعث حد ساقط ہے مطلقہ ثلاثہ کی اگرچہ حرمت قطعی ہے لیکن بعض احکام نکاح کے بقا سے ظن حلت کا شبہ پڑ گیا۔ مثلاً وجوب نفقہ، منع فروج اور ثبوتِ نسب وغیرہ اس کے حلت کے ظن کا اسقاطِ حد میں اعتبار کیا گیا اور وہی حدیث **ادرؤ الحدود بالشبہات** اپنے اطلاق کے سبب اس کو بھی شامل ہوئی۔ اسی طرح ام ولد جس کو اس کے مالک نے آزاد کیا۔ اور مطلقہ علی المال بمنزلہ مطلقہ ثلاثہ کے ہے کہ ان میں بھی بعض آثار ملک کا بقا موجب ظن حلت ہے۔ اسی طرح غلام کا اپنے آقا کی لونڈی سے زنا کرنا بسبب انبساط موجب ظن حلت ہے کہ غلام اپنے آقا کے مال کو خرچ کر سکتا ہے اور لونڈی آقا کا مال ہے ہو سکتا ہے کہ غلام اس کو حلال ظن کرے لہٰذا اس کے ظن کا اعتبار کرتے ہوئے اس شبہ کی بنا پر آقا کے مال کو خرچ کر سکتا ہے۔ حد ساقط کر دی گئی۔

ہاں! مندرجہ بالا صورتوں میں حلت کا ظن نہ ہو بلکہ حرام جانتے ہوں پھر زنا کریں تو حد ضرور واجب ہوگی۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

ولو قال علمت انها علی حرام وجب الحد

اگر کہے کہ مجھے معلوم تھا کہ وہ مجھ پر حرام ہے تو حد واجب ہوگی۔

اعتراض نمبر ۷۳:

والجاریة المرهونة فی حق المرتهن. (هدایه یوسفی جلد۱ ص ۴۹۲، باب الوطی) یعنی اگر کسی کے پاس دوسرے کی لونڈی گروی ہو اور وہ اس سے بدکاری کرے تو اس پر بھی کوئی حد نہیں (خواہ وہ کہے کہ میں اسے حلال خیال کرتا تھا خواہ کہے کہ میں اسے حرام جانتا تھا ملاحظہ ہو اس سے اگلا صفحہ) (درایت محمدی، ص ۹۷)

جواب:

اگر حرام جانتا تھا تو صحیح اور مختار یہ ہے کہ اس پر حد واجب ہوگی۔

بحر الرائق کے ص ۱۳ ج ۵ میں ہے:

والخلاف فیما اذا علم الحرمة والاصح وجوبه

اگر حرام جانتا تھا تو اصح یہی ہے کہ حد واجب ہوگی۔ اور اگر حلال گمان کرتا تھا تو اس پر حد نہ ہوگی۔ اس لیے کہ مرہونہ پر مرتہن کی ملکیت تصرف ہونا مرہونہ سے جماع کی حلت کا موہم ہے۔ **کذا فی الطحطاوی**

اعتراض نمبر ۳۸:

لا حد علی من وطی جارية ولده ولد ولده وان قال علمت انها علی حرام (هدايه يوسفی جلد ۲ ص ۳۸۲، باب الوطی الذی يوجب) یعنی اگر کوئی شخص اپنی اولاد یا اولاد کی اولاد کی لونڈی سے بدکاری کرے اگرچہ وہ جانتا ہو کہ یہ اس پر حرام ہے تاہم اسے حد نہ ماری جائے۔ (درایت محمدی، ص ۹۷)

جواب:

یہ مثال شبہ محل کی ہے، شبہ محل سے بھی حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔ شبہ محل وہ ہے جس میں محل کی حلت کا شبہ بحکم شرع ثابت ہو۔ شبہ محل میں اسقاطِ حد کا مدار دلیل شرعی پر ہے نہ کہ زانی کے اعتقاد پر۔ اس لیے کہ دلیل کے ثابت کے سبب نفس الامر میں شبہ قائم ہے۔ زانی اس کو جانے یا نہ جانے۔

ابن ماجہ نے جابرؓ سے روایت کیا کہ ایک مرد نے کہا یا رسول اللہ! میرا مال ہے اور میرا بیٹا ہے۔ میرا باپ مال مانگتا ہے حالانکہ وہ میرے مال کا محتاج نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **انت ومالك لابيك** تو اور تیرا مال، تیرے باپ کا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیٹے کا مال، والد کا ہے۔ لہٰذا بیٹے کی لونڈی سے وطی پر حلت کا شبہ ثابت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حد ساقط ہوگی۔

ہدایہ شریف میں ہے:

لان الشبهة حكمية لانها نشأت عن دليل وهو قولهٔ عليه السلام انت ومالك لابيك.

یہ شبہ حکمیہ ہے اس لیے کہ دلیل سے پیدا ہوا ہے۔ وہ دلیل حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔

اس حدیث کو طبرانی اور بیہقی نے بھی روایت کیا۔

اعتراض نمبر ۳۹:

من تزوج امراة لا يحل له نكاحها فوطيها لا يجب عليه الحد عند ابی حنيفة (هدايه يوسفی جلد ۲ ص ٤٩٤، باب الوطی) یعنی جو شخص ان عورتوں میں سے کسی سے نکاح کرے جن سے نکاح حرام ہے (جیسے ماں، بہن، بیٹی وغیرہ) اس پر حد واجب نہیں۔ امام ابوحنیفہ کا فرمان یہی ہے۔ (درایت محمدی، ص ۹۸)

جواب:

زانی کے لیے جو شرعاً حد مقرر ہے وہ رجم یا جلد ہے کسی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ جو شخص محرمات ابدیہ سے نکاح کر کے وطی کرے اس کو رجم کیا جائے یا کوڑے مارے جائیں۔ اسی لیے امام اعظمؒ نے ایسے شخص کے لیے یہ حد (رجم یا جلد) نہیں فرمائی۔

امام اعظمؒ کے اس مسئلہ کو معترض اگر حدیث کے خلاف سمجھتا ہے تو وہ حدیث نقل کرے جس میں ایسے شخص کے لیے حد آئی ہو۔ البتہ قتل کا حکم آیا ہے جس سے امام اعظمؒ کا ہی کا مذہب ثابت ہوتا ہے کیونکہ قتل کرنا یا مال ضبط کرنا حد زنا نہیں ہے۔ امام اعظم ہی فرماتے ہیں ایسے شخص کو جو بھی سزا دی جائے کم ہے لہٰذا حاکم اس کو سخت سے سخت سزا دے۔

فتح القدیر میں ہے:

الا ترى ان ابا حنيفة الزم عقوبة باشد ما يكون وانما لم يثبت عقوبه هی الحد فعرف انه زنا محض عنده الا ان فيه شبهة.

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ امام ابوحنیفہ اس کے لیے سخت سے سخت سزا تجویز کرتے ہیں۔ (البتہ نکاح کے سبب) حد ثابت نہیں۔ پس وہ اس کو زنا ہی سمجھتے ہیں۔ مگر نکاح کے سبب اس میں شبہ پیدا ہو گیا۔

اس لیے حد مقرر رجم یا جلد اس سے ساقط ہو گئی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس پر کوئی سزا ہی نہیں جیسے کہ عوام کو مغالطہ میں ڈالا جاتا ہے۔

اعتراض نمبر ۴۰:

من اتی امراة فی الموضع المکروہ او عمل عمل قوم لوط فلا حد علیه عند ابی حنیفة (ھدایه یوسفی جلد ۲ ص ۴۹۵، باب الوطی الذی یوجب الحد الخ) یعنی جو شخص کسی عورت کی یا مرد کی پاخانہ کی جگہ میں بدکاری کرے تو اس پر حد نہیں۔ امام ابوحنیفہ کا فرمان یہی ہے۔ (درایت محمدی، ص ۹۸)

جواب:

فتح القدیر میں ہے:

ولکن یعزّر ویسجن حتی یموت او یتوب ولو اعتاد اللواطة قتله الامام محصنًا کان او غیر محصن سیاسیة ما الحد المقرر شرعا فلیس حکما لهٗ

(شرعی حد رجم یا جلد اس کے لیے نہیں ہو گی) بلکہ اس کو تعزیر لگائی جائے گی۔ وہ یہاں تک قید میں رکھا جائے کہ مر جائے یا توبہ کرے۔

اگر لواطت کی عادت پکڑ لے تو امام اس کو قتل کر دے خواہ وہ محصن ہو یا غیر محصن۔

پس اگر معترض کے پاس کوئی ایسی حدیث ہو جس سے ثابت ہو کہ غیر فطری فعل کرنے والے کو سنگسار کیا جائے یا سو کوڑے مارے جائیں تو وہ حدیث پیش کی جائے ورنہ اپنا اعتراض واپس لے۔

اعتراض نمبر ۴۱:

من زنی فی دار الحرب او فی دار البغی ثم خرج الینا لا یقام علیه الحد

(هدایه یوسفی جلد ۲ ص۴۹۵، باب الوطی الذی یوجب الحد) یعنی جوشخص کفار کی حکومت میں یاباغیوں کی حکومت کے علاقہ میں زنا کرے پھر اسلامی حکومت میں آ جائے تواس پرزنا کاری کی کوئی حد نہیں۔(درایت محمدی،ص۹۸)

جواب:

معترض اگر فتح القدیر کا یہ مقام دیکھتا تو اسے حدیث مل جاتی اور شاید وہ اعتراض نہ کرتا وہ حدیث یہ ہے:

روی محمد فی السیر الکبیر عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال من زنی او سرق فی دار الحرب واصاب بها حدا ثم هرب فخرج الینا فانه لا یقام علیه الحد

السیر الکبیر میں امام محمد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا، آپ نے فرمایا جوشخص دار الحرب میں زنا یا چوری کرے اور حد کو پہنچ جائے پھر وہاں سے بھاگ کر اسلامی حکومت میں پہنچ جائے تو اس پر حد نہیں لگائی جائے گی۔

معترض چونکہ اعتراض کر چکا ہے۔اس لیے امید نہیں کہ وہ اپنے قول کے خلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو دیکھ مان جائے۔بلکہ اس پر کوئی نہ کوئی اعتراض ہی کرے گا۔

اعتراض نمبر۴۲:

من وطی بهیمة فلا حد علیه (هدایه یوسفی جلد ۲ ص ۴۹۵، باب وطی الذی) یعنی جوشخص چوپائے سے بدفعلی کرے اس پر حد نہیں۔(درایت محمدی،ص۹۸)

جواب:

اس کا یہ معنی نہیں کہ اس کو سزا نہ دی جائے۔ہدایہ میں ہے"لا انه یعزر" ہاں اس کو سزا دی جائے۔اس مسئلہ میں حد زنا (رجم یا جلد) کی نفی ہے۔مطلق سزا کی نفی نہیں۔وہ بھی اس لیے کہ کسی حدیث میں نہیں آیا کہ چوپائے سے بدفعلی کرنے والے کو سنگسار کر دو یا سو کوڑے لگاؤ۔

ترمذی جلد ۱ ص ۱۷۶ میں ابن عباسؓ سے آیا ہے۔

من اتى بهيمة فلا حد عليه

چوپائے سے بدفعلی کرنے والے پر حد (زنا) نہیں۔

یہی قول احمد و اسحاق کا ہے اب کہیے ابن عباسؓ کے بارے میں کیا رائے ہے؟

اعتراض نمبر ۴۴۳:

اذ زنى الصبى او المجنون بامر اطاوعته فلا حد عليه ولا عليها. (هدايه يوسفى جلد ۲ ص ۴۹۷، باب الوطى الذى يوجب الحد) یعنی اگر کوئی عورت اپنی خوشی اور رضا مندی سے کسی بے وقوف یا بچے کے ساتھ زنا کرائے تو اس عورت پر کوئی حد نہیں، نہ اس بیوقوف اور بچے پر کوئی حد ہے۔ (درایت محمدی، ص ۹۸)

جواب:

نابالغ اور دیوانے پر سقوط حد ظاہر ہے کہ دونوں مکلّف نہیں۔ رہی بات عورت کی تو اس پر حد اس لیے نہ ہوگی کہ زنا فعل مرد کا ہے۔ عورت فعل کا محل ہے۔ اسی لیے مرد کو واطی زانی کہتے ہیں اور عورت موطوہ مزنیہ، البتہ مجازاً عورت کو بھی زانیہ کہہ لیتے ہیں۔ زنا اس شخص کے فعل کو کہتے ہیں جو فعل سے بچنے کا مخاطب ہو اور کرنے سے عاصی۔ اور وہ عاقل بالغ ہوگا نہ دیوانہ اور نابالغ کیونکہ یہ دونوں احکام شرعیہ کے مکلّف نہیں۔ عورت اگرچہ فعل زنا کا محل ہے لیکن اس کو حد اس وقت ہوگی جب وہ زنا کرنے پر ایسے مرد کو موقعہ دے جو اس سے بچنے کا مخاطب ہو اور کرنے پر آثم۔ صورتِ مذکورہ میں عورت نے جس لڑکے یا دیوانہ کو زنا کا موقعہ دیا ہے وہ نہ عاقل ہے نہ بالغ۔ اس لیے عورت پر بھی حد نہیں۔

صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں:

ولنا ان فعل الزنا يتحقق منه وانما هى محل الفعل ولهذا يسمّٰى هو واطأ وزانيا مجانا والمرأة موطؤة ومزنيًا بها الا انها سميت زانية مجازًا تسمية المفعول باسم الفاعل كالراضية فى معنى المرضية او لكونها مسببة

بالتمكين فيتعلق الحد فی حقها بالتمكين من قبيح الزنا وهو فعل من هو مخاطب بالكف عنه وموثم على مباشرته وفعل الصبى ليس بهذه الصفة فلا يناط به الحد. انتهٰی

اعتراض نمبر۴۴:

كل شیء صنعه الامام الذى ليس فوقه امام فلا حد عليه الا القصاص. (هدايه يوسفى جلد۳ ص۴۹۸، باب الوطى الذى يوجب الحد) یعنی خودمختار آزاد بادشاہ جو کچھ برا کام کرے۔(مثلاً چوری، زنا کاری، شراب خوری وغیرہ) اس پر کوئی حد نہیں۔ہاں اگر کسی کو قتل کر ڈالے تو قصاص ہے۔(درایت محمدی، ص۹۸، ۹۹)

جواب:

چونکہ قصاص حقوق العباد میں سے ہے اور اس کا مدعی صاحب حق ہے۔اس لیے صاحب حق کے طلب کرنے پر قصاص لیا جائے گا۔لیکن حدود حقوق اللہ میں سے ہے اور حدود کا اجرو اقامت بادشاہ سے متعلق ہے۔جب بادشاہ ایسا ہو کہ اس کے اوپر کوئی بادشاہ نہ ہو تو وہ اپنے آپ پر اقامت حدود نہیں کر سکتا۔ہاں اگر اس پر بھی بادشاہ ہو تو وہ اپنے ماتحت بادشاہ پر حدود قائم کر سکتا ہے۔اور یہی دلیل صاحب ہدایہ نے لکھی ہے۔واللہ اعلم

اعتراض نمبر۴۵:

ان شهد عليه الشهود بسرقة او بشرب خمر او بزناء بعد حين لم يوخذ به. (هدايه يوسفى جلد ۲ ص ۴۹۹، باب الشهاد على الزنا) یعنی کسی چور کی چوری، شرابی کی شراب خوری، زانی کی زنا کاری کی گواہوں نے وقوعہ کے کچھ دنوں بعد گواہی دی تو اس مجرم کو نہ پکڑا جائے نہ حد ماری جائے (کچھ دنوں بعد سے مراد ایک ماہ بعد ہے (ملاحظہ ہو اس سے اگلا صفحہ) (درایت محمدی، ص۹۹)

جواب:

چوری، شراب نوشی یا زنا کاری کا دیکھنے والا اگر شہادت نہ دے اور پردہ ڈال دے تو وہ

ثواب کا مستحق ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے

من ستر علی مسلم ستره الله فی الدنیا و الآخرة

جو شخص مسلمان کے (گناہ) پر پردہ ڈالے تو اللہ اس پر دنیا اور آخرت میں پردہ ڈالے گا۔

اور اگر یہ سوچ کر گواہی دے کر مجرم کو سزا ملنی چاہیے تا کہ معاشرہ میں نظم وضبط اور سکون قائم رہے۔ تو یہ بھی باعث ثواب ہے۔

اگر گواہوں نے بروقت گواہی نہ دی اور عرصہ گزر جانے کے بعد گواہی دی تو دیکھا جائے گا کہ اتنا عرصہ خاموشی کی وجہ کیا تھی؟

اگر کوئی عذر ہو مثلاً بیماری کے سبب یا کسی حسی اور معنوی عذر کے باعث شہادت نہ دے سکے تھے تو ان کی شہادت مقبول ہوگی اور مجرم پکڑا جائے گا۔ دیکھو فتح القدیر ص ۶۰۶

اگر گواہوں نے بلا عذر ادائے شہادت میں دیر کر دی تو کتمان شہادت کے باعث متہم بالفسق ہوں گے۔

اگر پہلے پردہ پوشی کا ارادہ کر کے دیر کر دی تو اب ان کا گواہی پر تیار ہو جانا ظاہر کرتا ہے کہ ملزم سے کوئی عداوت ہوئی ہے جس کی وجہ سے وہ گواہی دینے پر اتر آئے ہیں پہلے ان کا ارادہ پردہ پوشی کا تھا۔ اب نقاب اٹھانے پر مائل ہیں تو اس صورت میں گواہ متہم بالعداوت ہو گئے اور متہم کی شہادت معتبر نہیں۔

چنانچہ فتح القدیر ج ۲ ص ۶۰۴ میں لکھا ہے:

قوله علیه السلام لا تقبل شهادة خصم ولا طینن ای متهم

حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ دشمن اور متہم کی گواہی مقبول نہیں۔

ترمذی میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خائن، خائنہ، مجدود، متہم فی الدین اور دشمن کی گواہی جائز نہیں۔

اعتراض نمبر ۴۶:

ان شهدوا انه زنی بامرا لا یعرفونها یحد (هدایه یوسفی جلد ۲ ص ۵۰۰،

باب الشهادة علی الزنا) یعنی اگر گواہوں نے گواہی زنا کی دی لیکن اس عورت کو وہ پہچانتے نہ تھے تو اسے حد نہ لگائی جائے اگر چہ مرد کو پہچانتے بھی ہوں۔

(درایت محمدی، ص ۹۹)

جواب:

ہدایہ میں اس کی نہایت معقول وجہ لکھی ہے افسوس کہ معترض کو نظر نہ آیا لکھا ہے:

لاحتمال انها امرأته او امتهٔ بل هو الظاهر

ممکن ہے کہ وہ عورت اس کی بیوی یا لونڈی ہو۔ بلکہ ظاہر یہی ہے۔

کیونکہ مسلمان کا ظاہر حال یہی ہے کہ وہ زنا کار نہیں۔ گواہوں کے لیے لازم تھا کہ وہ عورت کی پہچان رکھتے بعد میں گواہی دیتے۔ جب وہ عورت کو پہچانتے ہی نہیں تو ان کی گواہی غیر معتبر اور مجہول قرار دی جائے گی۔

البرھان

فی تائید فقہ النعمان

جمع وترتیب

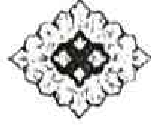
پیر جی سید مشتاق علی شاہ

اس رسالہ میں غیر مقلدین کے فقہ حنفی پر کیے گئے پانچ اعتراضوں کا جواب دیا گیا ہے

ناشر

پیر جی سید عبد المبین

محلّہ گو بند گڑھ گلی نمبر ۸، مکان نمبر C/36 گوجرانوالہ



نام کتاب	البرہان فی تائیدفقہ النعمان
مرتب	پیرجی سید مشتاق علی
کمپوزنگ	ماہیر گرافکس
طباعت	اکتوبر 2023ء
صفحات	32
تعداد	100
قیمت	

ضروری اعلان:

ہم نے اس رسالہ میں اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے کہ کوئی غلطی نہ ہو۔ مگر پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ فرمائیں۔ ان شاء اللہ ضرور درست کر دی جائے گی۔ ہم قرآن وسنت کے خلاف کسی کی بات نہیں مانتے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت پر صحیح معنی میں عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ آمین !!

احقر

پیرجی سید مشتاق علی

24-11-2023

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مرتب

نحمده و نصلی علیٰ رسوله الکریم، اما بعد!

ہمارے ایک ملنے والے نے ہمیں ایک پمفلٹ لا کر دیا، یہ پمفلٹ 23X36/16 سائز کے 12 صفحات پر مشتمل ہے اور بغیر ٹائٹل کے ہے۔ اس کو جمعیت شبان اہلحدیث گوجرانوالہ نے شائع کیا ہے۔

اس کا نام ہے ''دیوبندی حنفی مقلدین نے فقہ امام ابوحنیفہ کا ساتھ چھوڑ دیا''

اس میں فقہ حنفی پر پانچ اعتراض کیے گئے ہیں۔ ہم نے صرف ان پانچ اعتراضوں ہی کا جواب دیا ہے۔ باقی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو صحیح معنوں میں قرآن وسنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

سید مشتاق علی

اعتراض نمبر۱:

لو تزوج بذات رحم محرمه نحو البنت والاخت و الام و العمة والخالة وجامعها لا حد عليه في قول ابي حنيفة.

(فتاوی قاضی خان بر حاشیه عالمگیری ج۳ ص ٤٦٨)

ترجمہ: اگر کوئی شخص اپنی کسی محرم عورت سے نکاح کرے مثلاً بیٹی، بہن، ماں، پوپھی، خالہ سے اوراس سے جماع بھی کرگزرے تو اسے تو بھی اسے کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔

(پمفلٹ دیو بندی حنفی مقلدین نے فقہ امام ابوحنیفہ کا ساتھ چھوڑ دیا ص۱۱ شائع کردہ جمعیت شبان اہل حدیث گوجرنوالہ)

جواب:

شریعت نے زانی کے لئے جو حد مقرر کی ہے وہ رجم (سنگسار) یا جلد (کوڑے) ہے۔ اگر شادی شدہ مرد یا عورت زنا کرے تو ان کو رجم کیا جائے گا۔ اگر غیر شادی شدہ مرد یا عورت زنا کرے تو ان کو سو (۱۰۰) کوڑے مارے جائیں گے۔ فقہ حنفی میں بھی یہ ہی سزا موجود ہے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی حنفی لکھتے ہیں

حدزنا:

اسلامی شریعت نے نہ صرف زنا کو حرام قرار دیا ہے بلکہ اس نے اس کے ذرائع اور محرکات کو بھی حرام قرار دیا ہے اوراس کے لئے سخت سزائیں مقرر کی ہیں۔ اسلامی شریعت نے جرم کی نوعیت کے لحاظ سے اس جرم کی دو سزا مقرر کی ہے۔ ایک ایسے زانی کو جو شادی شدہ نہ ہو، اور ایک وہ زانی جو شادی شدہ ہو۔ پہلے کی سزا سو کوڑے مقرر کی ہے۔ اور دوسرے کی سزا رجم رکھی گئی ہے۔ (اسلامی فقہ ج۳ ص۲۳)

اس سے ثابت ہوا کہ فقہ حنفی میں زنا کی حد موجود ہے

اب رہی اعتراض والی خاص شکل کی سزا تو ہم کہتے ہیں کہ اس صورت میں کسی بھی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ جو شخص محرمات ابدیہ (ہمیشہ کے لیے حرام) سے نکاح کر کے وطی کرے اس کو رجم کیا جائے یا سو کوڑے مارے جائیں۔ اگر آیا ہے تو وہ حدیث پیش فرمائیں۔

اگر قرآن و حدیث سے ایسے مجرم کی سزا حد ثابت ہوتی ہو تو ہم امام ابوحنیفہ کی بات کو چھوڑ دیں گے اور قرآن حدیث کی مانیں گے۔

مگر قرآن و حدیث میں ایسے مجرم کی سزا حد نہیں آئی۔ اسی لئے امام اعظم ابوحنیفہ نے ایسے شخص کے لئے یہ حد (رجم یا جلد) مقرر نہیں فرمائی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ کام جائز ہے یا اس کی کوئی سزا نہیں ہے ایسے مجرم کو تعزیر لگائی جائے گی۔ شریعت میں بھی ایسے شخص کو قتل کرنے کا حکم آیا ہے جس سے امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک و مذہب ہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ قتل کرنا یا مال ضبط کرنا زنا کی حد نہیں ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کو جو بھی سزا دی جائے کم ہے لہٰذا حاکم اس کو سخت سے سخت سزا دے۔

فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہے

الا ترى ان اباحنيفة الزم عقوبة باشد ما يكون والمالم ثبت عقوبة هي الحد فعرف انه زنا محض عنده الا ان فيه شبهة (فتح القدیر ج ۵، ص ۲۴۹)

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ امام ابوحنیفہ اس کے لیے سخت سے سخت سزا تجویز کرتے ہیں (البتہ نکاح کے سبب) حد ثابت نہیں۔ پس وہ اس کو زنا ہی سمجھتے ہیں مگر نکاح کے سبب اس میں شبہ پیدا ہو گیا۔ (اس لیے حد مقرر رجم یا جلد اس سے ساقط ہو گئی۔)

نوٹ: اگر کوئی بغیر نکاح کیے محرمات ابدیہ سے زنا کرتا ہے تو پھر اس کو زنا والی ہی حد لگے گی۔

فقہ حنفی میں محرمات سے نکاح کرنا حرام ہے:

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے

لا یحل للرجل ان تتزوج بامه ولا جداته من قبل الرجال والنساء لقوله تعالٰی حرمت علیکم امهاتکم وبناتکم والحدات امهات اذ الام هو الاصل او ثبتت حرمتهن بالاجماع ولا ببنته لما تلونا ولا یثبت ولده وان سفلت للاجماع ولا باخته ولا ببنات اخته ولا ببنات اخیه ولا بعمته ولا بخالته لان حرمتهن منصوص علیها فی هذه الایة.

(ہدایہ جلد۲ ص ۳۲۷ مکتبہ رحمانیہ)

مرد کے لیے اپنی ماں اور باپ اور ماں کی جانب سے جدات سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے کہ تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں حرام کر دی گئیں ہیں اور جدات بھی مائیں ہیں اس لیے کے لغت میں اصل کو ماں کہتے ہیں یا جدات کی حرمت اجماع (امت) سے ثابت ہے اور فرماتے ہیں۔ ہماری تلاوت کردہ قرآنی آیت کی وجہ سے مرد کے لیے اپنی بیٹی سے نکاح کرنا بھی حلال نہیں ہے اور نہ ہی اپنی پوتی سے نکاح کرنا حلال ہے اگر چہ وہ نیچے کے درجے کی ہو (اور یہ حکم) اجماع کی وجہ سے (ثابت ہے) اور نہ اپنی بہن سے اور نہ اپنی بھانجیوں سے اور نہ ہی اپنی بھتیجیوں سے نہ اپنی پھوپھی سے اور نہ ہی اپنی خالہ سے (نکاح کرنا حلال ہے) اس لیے کہ اس آیت میں ان تمام کی حرمت منصوص ہے۔

ہدایہ کی اس عبارت سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ فقہ حنفی میں محرمات ابدیہ سے نکاح کرنا قطعی طور پر حرام ہے۔

تفصیل کے لیے دیکھئے فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات

اعتراض نمبر۲:

حکمه حکم الخمر الحقیقی والفتوٰی علی قولهما وابو حنیفة اجاز

القلیل للتقوی علی العبادہ. (تقریر ترمذی ص ۴۹، محمود الحسن دیوبندی)

ترجمہ: ہر شراب کا حکم حقیقی شراب کی طرح ہے (اس زمانہ میں) فتویٰ یہی ہے مگر امام ابو حنیفہ نے تھوڑی سی شراب پی لینے کی اجازت دے رکھی ہے تا کہ عبادت کے لئے خود کو تیار کر سکے۔ (ماشاء اللہ شراب بھی ذریعہ عبادت ہو کر عبادت بن گئی) (حنفی مذہب)
(پمفلٹ ص ۱۱)

جواب نمبر ۱:

غیر مقلدین نے تقریر ترمذی کی عبارت مکمل نقل نہیں کی ہم یہاں پر پہلے مکمل عبارت نقل کرتے ہیں پھر جواب بھی عرض کریں گے، مکمل عبارت اس طرح ہے۔

قولہ:

ابواب الاشربة مسکر کل مسکر یعنی خمر حکما لا لغة لان الخمر فی اللغة اسم لعنب غیر مطبوخ وعندنا ما سوی الخمر الحقیقی لا یحرم الا اذا بلغ حد السکر وعندهما کل ما اسکر قلیله وکثیره حرام وحکمه حکم الخمر الحقیقی والفتوی علی قولهما وابو حنیفه اجاز القلیل للتقوی علی العبادة بشرط ان لا یکون قلیله مفضیا الی الکثیر ویوید بعض أثار الصحابة ابا حنیفة الا ان کثرة الروایات والفتویٰ الصریحة یدل علی عموم الحرمة فلذا افتی المتأخرون علی قولهما خصوصا فی زماننا.

ترجمہ: پینے کی اشیاء کے ابواب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ ہر نشہ دلانے والی یعنی خمر حکمی ہو لغوی نہ ہو اس لیے کہ خمر لغت میں اس انگور کے پانی کو کہتے ہیں جو پکایا نہ ہو۔ ہمارے نزدیک خمر حقیقی کے سوا حرام نہیں۔ مگر جب تک حد نشہ کو پہنچ نہ جائے اور صاحبین کے نزدیک ہر وہ چیز جو نشہ دلاتی ہے اس کا قلیل اور کثیر حرام ہے اور اس کا حکم خمر حقیقی کے حکم کی طرح ہے اور فتویٰ بھی صاحبین کے قول پر ہے اور ابو حنیفہ نے تھوڑی کی اجازت عبادت پر چستی حاصل کرنے کے لئے اس شرط کے ساتھ کہ اس کا قلیل کثرت کی طرف نہ

پہنچانے والا ہواور تائید کرتے ہیں صحابہ کے بعض آثار ابوحنیفہ کی مگر بہت سی روایات اور صریح فتاویٰ حرمت کے عموم پر دلالت کرتے ہیں پس اسی وجہ سے متاخرین نے فتوی دیا ہے۔صاحبین کے قول پرخصوصاً ہمارے زمانے میں۔

(تقریر ترمذی ابواب الاشربۃ ص ۵۹-۹۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع وکارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی)

جواب نمبر۲:

ناظرین مکمل عبارت نقل کرنے سے بات تو بالکل صاف ہوگئی مگر پھر بھی ہم اس کا جواب عرض کرتے ہیں۔

(۱) مولانا سید امیر علی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شراب چار قسم پر ہے (۱) خمر یعنی وہ انگور جو جوش لاکر تندی اور سختی لائے اور جھاگ چھوڑ دے (۲) طلاء یعنی وہ شیرہ انگور جو پک کر دوتہائی سے کم اڑ جائے (۳) سکر نقیع التمر، جب کہ جوش کھا کر سختی لائے (۴) نقیع الذبیب، جب کہ جوش کھا کر سختی لائے۔ (عین الہدایہ ج۴ ص ۳۸۸)

اور تبین الحقائق شرح کنز الدقائق کتاب الاشربہ میں صحیح مسلم کے حوالہ سے یہ روایت منقول ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خمر ان دونوں درختوں سے ہے اور اشارہ انگور اور خرما کی طرف کیا گویا تحریم ان کے ساتھ خاص کی گئی ہے ان کے علاوہ باقی چیزوں کے لیے نبیذ کا لفظ استعمال ہوتا ہے (عین الہدایہ ج۴ ص ۳۸۸)

(۲) علامہ عبدالرحمٰن الدمشقیؒ فرماتے ہیں کہ **واما نبیذ الحنطة والشعیر الذرة والعسل والارز فانه حلال عنده نقیعًا و مطبوخًا و انما یحرم لمسکر منه ویحد فیه (رحمة لامة ص ۳۷٤)**

یعنی نبیذ ہر چیز کی امام ابوحنیفہ کے نزدیک حلال ہے وہ پانی میں بھگوئی ہوئی ہو یا پکی ہو

البتہ اگر اس میں نشہ آ جائے تو حرام ہے اور پینے والے پر حد ہے۔ کتب فقہ میں ان تمام چیزوں کے لئے الگ الگ باب قائم کیے گئے ہیں۔ حتی کہ صاحب ہدایہ نے بھی پہلے خمر کے احکامات بیان فرمائے ہیں کہ اس کی حرمت قطعی ہے اور علت نشہ سے معلول نہیں جو حقیقی خمر ہے جس کی تعریف گزر چکی ہے اس میں نشہ ہو یا نہ ہو بالاتفاق حرام اور نجاست غلیظہ ہے اور اس کو حلال سمجھنے والا کافر ہے۔

اور علامہ عبدالرحمٰن الدمشقی فرماتے ہیں

اجمع الائمة على تحريم الخمر ونجاستها وان شرب كثيرها او قليلها موجب للحد وان من استحلها حكم بكفر واتفقوا على ان عصير العنب اذا اشتد و قذف زبده فهو خمر واختلفوا فيه اذا مضى عليه ثلاثه ايام ولم يشتد ولم يسكر وقال احمد اذا مضى على العصير ثلاثه ايام صار خمرا و احرم شربه وان لم يشتد و لم يسكر وقال ابو حنيفة ومالك والشافعي لا يصير خمرًا حتى يشتد ويسكر يقذف زبده. (رحمۃ الامۃ ص۳۷۳)

خمر کے حرام اور نجس ہونے پر تمام ائمہ کا اجماع ہے اگر تھوڑی یا زیادہ پیے تو حد واجب ہے اور اگر کوئی (خمر کو) حلال جانے تو کافر ہے اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ انگور کا شیرہ جب سختی لے آئے اور جھاگ چھوڑ دے تو وہ خمر ہے البتہ اختلاف اس میں ہے کہ اس (انگور کے شیرہ) پر تین دن گزر جائیں نہ وہ سختی لائے اور نہ ہی نشہ تو (اس بارے میں) امام احمد فرماتے ہیں کہ جب اس پر تین دن گزر گئے تو خمر ہی ہے۔ اور اس کا پینا حرام ہے جبکہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں جب تک اس میں سختی اور نشہ پیدا نہ ہو اور وہ جھاگ نہ چھوڑے تو خمر نہیں ہے (لہٰذا اس کا پینا حرام نہیں ہے)

لہٰذا معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک حقیقی خمر قطعی حرام ہے اور وہ خمر وہ نگور کا شیرہ ہے

وہ جس میں سختی اور نشہ ہو اور وہ جھاگ بھی چھوڑ دے اس کے علاوہ کے مشروبات امام ابوحنیفہ کے نزدیک خمر نہیں ہے لہٰذا اگر ان میں نشہ پیدا نہ ہو تو حلال ہے وگرنہ وہ بھی حرام ہیں۔

لہٰذا امام ابوحنیفہ نے جس شراب کے قلیل کی اجازت دی ہے وہ خمر کے علاوہ ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک خمر تو مطلقاً حرام ہے اور خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات جس مقدار میں نشہ پیدا کرے اس مقدار میں حرام اور اس سے کم مقدار میں نہ حرام ہے اور نہ ہی نجس اور ان کا پینا حلال ہے امام ابوحنیفہ کا استدلال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی روایت سے ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں

حرمت الخمر بعينها قليلها و كثيرها والسكر من كل شراب.

(نسائی جلد۲ ص۳۳۱ حدیث نمبر ۵۶۸۷)

خمر کو بعینہٖ حرام کیا گیا ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر اور ہر مشروب میں سے نشہ کی مقدار کو حرام کیا گیا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ خمر کے علاوہ دیگر مشروعات میں اتنی مقدار حرام ہے جس میں نشہ پیدا ہو۔ اور خمر کے علاوہ جس مشروب کی کثیر مقدار اگر نشہ آور ہو تو اس کی قلیل مقدار جو نشہ آور نہیں ہے جائز ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی خمر اور ہر وہ مشروب جو نشہ آور ہو حرام ہے اور معترض کا امام ابوحنیفہ کے متعلق یہ تاثر دینا کہ ان کے نزدیک مطلقاً شراب پینا جائز ہے۔ محض تعصب اور رد امام ابوحنیفہ کے دلائل سے جہالت کا نتیجہ ہے۔

اور ان سب کے باوجود احناف کا فتویٰ یہ ہے کہ ہر وہ مشروب جو نشہ پیدا کرے اس کی قلیل و کثیر دونوں مقدار حرام ہے اور فقہ حنفی مفتیٰ بہ اقوال کا نام ہے غیر مفتیٰ بہ اور منتشر اقوال

کا نام فقہ حنفی نہیں لہٰذا غیر مفتیٰ بہ قول کا ذکر کرنا اور مفتی بہ قول کو بالکل نظر انداز کر دینا صریح دھوکا ہے جو معترض اور اس کی جماعت کا ہی وطیرہ ہے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے آفتاب محمدی بجواب شمع محمدی حصہ اول)

اعتراض نمبر ۳:

لو استاجر امرة ليزنى بها فزنى بهالا يُحد فى قول ابى حنيفة.

(فتاویٰ قاضی خان برحاشیہ عالمگیری ج ۳ ص ۴۶۸)

ترجمہ: اگر کوئی شخص کسی عورت کو زنا کے لئے اجرت پر رکھ لے پھر زنا کرے تو بھی امام ابوحنیفہ کے نزدیک کوئی جرم نہیں (کوئی حد نہیں)

(پمفلٹ ص ۱۱)

جواب:

اولاً معترض نے فتاویٰ قاضی خان کی عبارت کا ترجمہ کرنے میں خیانت کی ہے "لایحد" کا معنی کیا ہے کہ "کوئی جرم نہیں" جس سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ فقہ حنفی میں زنا معاذ اللہ جائز ہے۔ حالانکہ حد نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے جو زنا کی سزائیں مقرر کی ہیں وہ اس پر نافذ نہ ہوگی اس سے ہر گز یہ لازم نہیں آتا کہ وہ فعل جائز ہے مثال کے طور پر پیشاب قطعی طور پر نجس اور حرام ہے لیکن اگر کوئی شخص پیشاب پی لے تو شریعت میں اس پر کوئی حد نہیں ہے تو کیا معترض اور ان کی جماعت کے نزدیک ایسا کرنا کوئی جرم نہیں کیا اس کا یہ فعل ان کے نزدیک جائز ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

ليس على الذى ياتى البهيمة حد (ابوداؤد جلد ۲ ص ۶۱۳ حدیث نمبر ۴۴۶۵)

جو جانور سے جماع کرے اس پر کوئی حد نہیں۔

تو کیا معترض اور ان کی جماعت کے نزدیک حد نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس فعل کے

کرنے میں کوئی سزا نہیں اور کیا یہ فعل ان کے نزدیک جائز ہے؟ ایسے بہت سے مسائل ہیں جو قابل ملامت اور گناہ ہیں لیکن ان کے کرنے پر شریعت نے کوئی حد مقرر نہیں کی دوسری سزائیں ضرور ہیں تو کیا وہ تمام افعال موصوف اور ان کی جماعت کے نزدیک جائز ہوں گے؟ یقیناً جواب نہیں میں ہوگا تو پھر اس مسئلہ میں ''فلا حد'' کا معنیٰ ''کوئی جرم نہیں'' کرنا اور یہ تاثر دینا کے یہ جائز ہے صریح خیانت ہے۔

جواب نمبر۲:

قرآن کریم میں ہے:

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً (سورۃ النساء آیت نمبر۲۲)

جن عورتوں سے (نکاح کر کے) تم نے لطف اٹھایا ہے تو تم ان عورتوں کو ان کے مہر دو جو مقرر ہوئے ہیں۔

مذکورہ مسئلہ میں بھی چونکہ اجرت ہے اور اجرت سے حق مہر کا شبہ ہو گیا ہے اس شبہ کی وجہ سے حد کو ساقط کیا گیا ہے اور شبہات سے حدود کو ساقط کرنے کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ادرو الحدود عن المسلمين ما استطعتم. (ترمذی جلد ۱ ص ۲۶۳، حدیث نمبر ۱۴۲۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو ٹالو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ادرؤا الحدود با الشبهات

(مسند امام اعظم للحارثی جلد ۱ ص ۱۸۵، حدیث نمبر ۱۲۸، مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شبہ کی وجہ سے حدود کو ساقط کر دیا کرو۔

لہٰذا اس مسئلہ میں بھی اجرت کی وجہ ایک گونہ شبہ پیدا ہو گیا کیونکہ مہر اور اجرت دونوں

قریب المعنی اور قریب اللفظ ہیں۔ جس کی وجہ سے حد کو ساقط کیا گیا ہے۔ کیونکہ اجرت مقرر کرنے سے نکاح متعہ کا شبہ ہوتا ہے اور نکاح متعہ پہلے جائز تھا۔

شبہ کی وجہ سے حد کے ساقط کرنے کی مثالیں احادیث میں موجود ہیں۔

شبہ کی وجہ سے حد کے ساقط ہونے کی پہلی مثال:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ايما امرأة نكحت بغير اذن مواليها فنكاحها باطل ثلاث مرات فان دخل بها فالمهر لها بما اصاب منها

(ابوداؤد جلد ۱ ص ۲۸۴ حدیث نمبر ۲۰۸۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا اس کا نکاح باطل ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی پھر فرمایا اگر اس مرد نے اس عورت سے جماع کیا تو اس جماع کے عوض عورت کے لئے حق مہر ہوگا۔

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حد جاری کرنے کا حکم نہیں دیا حالانکہ اس نکاح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باطل قرار دیا ہے گویا کہ یہ نکاح محض رسمی ہے اور اس نکاح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باطل فرمارہے ہیں باوجود نکاح باطل ہونے کے نکاح سبب ہے حد کے ساقط ہونے کا اور مہر کو لازم قرار دیا گیا ہے جب کہ یہ نکاح حقیقی نکاح کے مشابہ ہے بس اس مشابہت کی وجہ سے حد کو ساقط کیا گیا ہے اور حقیقی نکاح والے احکام مرتب فرمائے مثلاً مہر کو واجب قرار دیا۔

شبہ کی وجہ سے حد کے ساقط ہونے کی دوسری مثال:

حضرت عروہ بن زبیر روایت کرتے ہیں

ان خولة بنت حكيم دخلت على عمر بن الخطاب فقالت ان ربيعة بن اميه استمتع بامرأة مولدة فعملت منه فخرج عمر بن الخطاب فزعًا يجر

رداء ہ فقال هذه المتعة ولو كنت تقدمت فيها لرجمت.

(موطا امام مالک ص ۵۰۷، حدیث نمبر ۱۰۱۷)

سیدہ خولہ بنت حکیم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئیں اور کہا کہ ربیعہ بن امیہ نے ایک عورت سے متعہ کیا ہے وہ ربیعہ سے حاملہ ہوگئی ہے حضرت عمرؓ اپنی چادر کو گھسیٹتے ربیعہ کے پاس آئے اور فرمایا کہ اگر میں یہ متعہ کے حرام ہونے کا مسئلہ پہلے بیان کر چکا ہوتا تو تجھے رجم کرتا۔

اس واقعہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعہ کرنے والے شخص پر حد جاری نہیں کی حالانکہ حضرت عمرؓ کے نزدیک متعہ حرام اور قابل سنگسار ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص کو علم نہیں تھا لہٰذا عدم علم اور جہالت کی وجہ سے شبہ پیدا ہوگیا اس لیے حضرت عمرؓ نے حد جاری نہیں فرمائی۔

جواب نمبر ۳:

اس مسئلہ کے متعلق فقہ حنفی میں دو قول ہیں۔

(۱) حد ہے (۲) حد نہیں ہے

اور فقہ حنفی کا مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ اس آدمی پر زنا کی حد لگے گی۔

چنانچہ درمختار میں ہے کہ

والحق وجوب الحد كالمستاجرة للخدمة

(الدر المختار جلد ٦ ص ٤٦، كتاب الحدود باب الوطی الذی یو جب الحد والذی لا یوجبه)

حق بات یہ ہے کہ حد واجب ہے جیسا کہ خدمت کے لئے اجرت پر رکھی گئی عورت سے زنا کرنے پر حد ہے۔

درمختار کی عبارت سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ فقہ حنفی کا مفتیٰ بہ مسئلہ حد کے لگنے کا ہے اور جب فقہ حنفی نام ہی مفتی بہ اقوال کا ہے تو معترض کا غیر مفتی بہ قول کو پیش کر کے اعتراض کرنا محض تعصب ہی کا نتیجہ ہے۔

اور جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ حد نہیں ہے تو وہ بھی تعزیر کے ضرور قائل ہیں۔

اعتراض نمبر۴:

وایلاج بخرقة مانعة من وجود اللذة ووطو بهيمة او ميتة من غير انزال (لا يغتسل منها) (نورالایضاح ص۳۸ مطبع مجیدیہ ملتان)

ترجمہ: کپڑا لپیٹ کر کسی عورت سے جماع کرنے نیز کسی جانور یا مردہ عورت سے زنا کرنے پر غسل بھی فرض نہیں ہوتا (بجز انزال) (حنفی مذہب) سزا تو در کنار۔ (پمفلٹ ص۱۱)

جواب نمبر۱:

غیر مقلدین نے نہ عربی عبارت مکمل نقل کی ہے اور نہ ترجمہ درست کیا ہے، عبارت آگے پیچھے کر دی ہے ہم سب سے پہلے مکمل عبارت نقل کرتے ہیں پھر اس کا صحیح ترجمہ نقل کریں گے جس سے اعتراض خود بخود رفع ہو جائے گا۔

نورالایضاح کی مکمل عربی عبارت اس طرح ہے:

(فصل) عَشْرَةَ اَشْيَاءَ لَا يَغْتَسَلُ مِنْهَا مَذِى وَوَدِىٌ وَاحتِلَام بِلاَ بَلَلٍ وَوِلَادَةٌ مِنْ غَيْرِ رُؤْيَة، دَمٍ بَعْدَهَا فِى الصَّحِيْحِ وَاِيْلَاجٌ بِخِرْقَةٍ مَانِعَةٍ مِنْ وُجُوْدِ اللَّذَّةِ وَحُقْنَةٌ وَادخَالٌ اصبَع ونحوه فِى اَحَد السَّبِيْلَيْنِ وَوَطِى بَهِيْمَةٍ اَوْ مَيْتَةٍ مِنْ غَيْرِ اِنْزَال وَاِصَابَةُ بِكر لم تزل بكارتها مِنْ غَيْرِ اِنْزَال

ترجمہ: (فصل) دس چیزوں سے غسل فرض نہیں ہوتا۔

(۱) مذی (۲) ودی (۳) رطوبت کے بغیر احتلام (۴) صحیح مذہب کے مطابق بچے کی

پیدائش کے بعد خون نہیں دیکھا گیا (۵) (آلہ تناسل کو ایسے کپڑے کے ساتھ شرمگاہ میں داخل کرنا جو وجود لذت سے مانع ہو (۶) حقنہ (۷) انگلی اور اس کی مثل (جیسا کہ مصنوعی ذکر) دونوں شرمگاہوں میں سے کسی ایک میں داخل کرنا (۸) جانور (۹) یا مردے سے وطی کرنا جبکہ انزال نہ ہوا ہو (۱۰) ایسی کنواری لڑکی جس کا پردہ بکارت ابھی زائل نہ ہوا ہو سے جماع کرنا جبکہ انزال نہ ہوا ہو۔ (نصر الفتاح علی نور الایضاح ص ۷۳)

جواب نمبر ۲:

اس اعتراض میں دو مسئلے موجود ہیں:

(۱) کسی شخص نے اپنے ذکر پر کپڑا لپیٹ کر اپنی بیوی سے وطی کی اور انزال نہ ہوا تو اس کا کیا حکم ہے؟

(۲) کسی شخص نے اپنی عورت یا جانور سے وطی کی اور انزال نہ ہوا تو اس کا کیا حکم ہے؟

ان دونوں صورتوں میں ایسے شخص پر غسل واجب ہوگا یا نہیں فقہ حنفی کے مطابق ایسے شخص پر غسل واجب نہیں ہوگا۔ ہم نے مسئلے کی تنقیح کر دی ہے اب جواب آسانی سے سمجھ آ جائے گا۔

مسئلہ نمبر ۱، اور اس کا جواب:

یہ مسئلہ حدیث کے موافق ہے کیونکہ حدیث میں موجود ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا جلس بین شعبها الاربع ومس الختان الختان فقد وجب الغسل (مسلم جلد ا ص...... حدیث نمبر ۷۸۵)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی عورت کے چار شانوں کے درمیان بیٹھ جائے اور دونوں شرمگاہیں مل جائیں تو غسل واجب ہو جائے گا۔

دوسری حدیث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

ان النبی صلی اللہ علہ مسلم قال اذا قعد بین شعبھا الاربع والزق الختان بالختان فقد وجب الغسل) (ابوداؤدجلدا،ص......حدیث نمبر۲۱۶)

نبی کریم صلی اللہ علیہ ہم نے فرمایا جب مرد عورت کے چاروں شانوں کے درمیان بیٹھے اور مرد کا ختنہ (عضوتناسل) عورت کے ختنہ (شرمگاہ) سے مل جائے تو غسل واجب ہو گیا۔

ان دونوں روایتوں میں غسل کے واجب ہونے کے لیے جو شرط بیان کی گئی ہے، "التقاء الختان" شرمگاہوں کا ملنا ہے یعنی اگر مرد و عورت کی شرمگاہیں مل جائیں تو غسل واجب ہوگا جبکہ عضوتناسل پر کپڑا لپیٹ کر وطی کرنے کی صورت میں "التقاء الختان" شرمگاہوں کے ملنے والی شرط نہیں پائی گئی تو غسل بھی واجب نہ ہوگا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ فقہ حنفی کا یہ مسئلہ حدیث کے موافق ہے۔ اور نورالایضاح کی عبارت میں "من غیر انزال" کا لفظ بھی موجود ہے کہ اگر انزال نہ ہوا اور اگر انزال ہوا تو بالاتفاق غسل واجب ہوگا۔ تو بتایئے یہ مسئلہ کس حدیث کے خلاف ہے معترض اور اس کی جماعت سے گزارش ہے کہ وہ کوئی آیت یا حدیث ایسی پیش فرمائیں کہ جس میں اس خاص صورت میں جبکہ "التقاء الختان" بھی نہ پایا جائے اور انزال بھی نہ ہوا ہو غسل کے واجب ہونے کا ذکر موجود ہو۔

معترض کا یہ اعتراض صرف فقہ حنفی سے تعصب کی وجہ سے ہے جبکہ ان کے اکابر کا بھی یہی مسلک ہے اگر مخالفت قرآن وحدیث کا فتویٰ صادر کرنا ہے تو پہلے اپنے گھر کی خبر لیجئے چنانچہ غیر مقلد عالم نواب وحید الزمان تحریر فرماتے ہیں

ولو لف الحشفة بخرقة ثم اولجھا فان وجد لذة الجماع اغتسل والا لا

(نزول الابرار جلدا ص۲۴)

اگر حشفہ پر کپڑا لپیٹ کر جماع کیا اگر جماع کی لذت حاصل ہو تو غسل لازم ہوگا وگرنہ

نہیں۔

مسئلہ نمبر۲، اور اس کا جواب:

معترض نے اس مسئلہ کو قرآن وحدیث کے خلاف تو قرار دیا ہے لیکن قرآن کی کوئی آیت یا حدیث پیش نہیں کی حالانکہ انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ کوئی آیت یا حدیث پیش کرتے جس میں یہ ہو کہ اگر کوئی شخص مردہ عورت یا جانور سے جماع کرے اور انزال بھی نہ ہوا ہو تو اس پر غسل کرنا واجب ہے اور معترض کی یہ بھی ذمہ داری تھی پہلے جماع کی اصطلاحی تعریف کرتے پھر اس مسئلہ پر اعتراض کرتے۔

اور دوسرا یہ کہ یہ مسئلہ تو خود غیر مقلدین کے ہاں بھی ہے۔ چنانچہ غیر مقلد عالم نواب وحید الزماں لکھتے ہیں:

فلو ادخل الجنی حشفتهٔ فی فرج المرأة ولم تره ولم تنزل لا یلزم علیها الغسل وکذا اذا اولج فی فرج البهیمة او دبر الادمی او دبر البهیمة (الی ان قال) اذا اولج فی فرج امرأة میتة والمرجح فیه عدم الوجوب (الی ان قال) ولو ادخل ذکره فی دبر نفسه لا یلزم الغسل الا بالانزال اما الجنی المشکل فلا غسل علیه بالایلاج ولا علی من جامعهٔ الا بالانزال.

(نزول الابرار جلد۱ ص۲۳)

اگر جنی نے اپنا حشفہ عورت کی شرمگاہ میں داخل کر دیا لیکن عورت نے نہ اس کو دیکھا اور نہ انزال ہوا تو عورت پر غسل نہیں اور اسی طرح اگر کسی نے جانور یا آدمی کی شرمگاہ یا جانور کے مقعد میں دخول کیا تو غسل نہیں (آگے مزید فرماتے ہیں) اگر کسی نے مردہ عورت کی شرمگاہ میں دخول کیا تو راجح قول کے مطابق غسل واجب نہیں (اور آگے مزید فرماتے ہیں) اور اگر اپنا ذکر اپنی ہی دبر میں داخل کیا تو (بھی) غسل واجب نہیں ہاں اگر انزال ہو جائے تو غسل

ہوگا بہر حال جنی مشکل پر اور جماع کرنے والے پر بغیر انزال کے صرف دخول کی وجہ سے غسل نہیں جب مذکورہ صورتوں میں غیر مقلدین کے ہاں بھی غسل واجب نہیں ہے تو پھر احناف پر اعتراض کیوں۔

اعتراض نمبر ۵:

ویجیز ابو یوسف الحیلة لدفع وجوب الزکوٰة (نورالایضاح ص ۱۶۱)

ترجمہ: زکوٰۃ کے وجوب کو روکنے کے لئے ابو یوسف ہر حیلہ جائز سمجھتے تھے یعنی زکوٰۃ سے بچنے کا حیلہ وبہانہ ان کے ہاں جائز ہے۔ مثلاً سال پورا ہونے سے ایک دو دن پہلے مال اپنی بیوی کو بخش دیا اور اسی طرح بیوی اپنے خاوند کو دے دے نہ سال وہاں مکمل اور نہ زکوٰۃ واجب ہوئی۔ بس گئی زکوٰۃ! کتنا اعلیٰ نسخہ ہے اللہ میاں کو ٹرخانے کا۔ حنفی مذہب زندہ باد۔

(پمفلٹ: دیوبندی حنفی مقلدین نے فقہ امام ابوحنیفہ کا ساتھ چھوڑ دیا ص ۱۲، شائع کردہ جمعیت شبان اہلحدیث گوجرانوالہ)

جواب نمبر ا:

ناظرین غیر مقلدین نے نہ تو عربی عبارت مکمل نقل کی اور نہ ہی ترجمہ درست کیا ہے اور ترجمہ میں جو اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے وہ عربی عبارت کے کس حصہ کا ترجمہ ہے یہ بھی پتہ نہیں اور نہ یہ بتایا کہ فقہ حنفی میں امام ابو یوسف کے اس قول کی کیا حیثیت ہے اور اس مسئلہ میں فقہ حنفی کا مفتیٰ بہ قول کون سا ہے اور نہ یہ کہ امام ابو یوسف ۔نے اس قول سے رجوع فرمالیا تھا۔ ہم سب سے پہلے مکمل عبارت نقل کرتے ہیں تا کہ مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

نورالایضاح کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وَیَجِیْزُ اَبُوْ یُوْسَفَ الْحِیْلَةَ لَدَفْعِ وُجُوْبِ الزَّکٰوةِ وَکَرِهَهَا مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی (نصر الفتاح علی نورالایضاح ص ۳۷۰)

ترجمہ: زکوٰۃ کے وجوب کو دور کرنے کے لئے حیلہ کرنا امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور امام محمد رحمہ اللہ نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔

معترض نے عربی عبارت جو نقل کی ہے، اس کا ترجمہ صرف اتنا سا ہے۔

عبارت نقل کرنے میں خیانت:

ناظرین جو عبارت معترض نے نقل کی ہے اس کے آگے عربی میں لکھا ہوا تھا وَ کَرِهَهَا مُحَمَّدٌ جس کا ترجمہ یہ بنتا ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ یہ الفاظ جان بوجھ کر نقل نہیں کئے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مسئلہ فقہ حنفی میں اختلافی تھا، امام ابو یوسف حیلہ کرنے کو صحیح سمجھتے تھے اور امام محمد مکروہ سمجھتے ہیں۔

ترجمہ میں ہر کا لفظ اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔

عربی عبارت جو نقل کی ہے اس کا ترجمہ یہاں پر ختم ہو جاتا ہے "جائز سمجھتے تھے"

ترجمہ کے بعد الگ سے تشریح کرتے تو ہم سمجھتے کہ یہ اضافہ تشریح کے طور پر کیا گیا ہے مگر معترض نے ایسا نہیں کیا عوام بے چارے جو عربی نہیں جانتے وہ تو یہ ہی خیال کریں گے کہ یہ ساری بات عربی کی عبارت میں موجود ہے۔

جواب نمبر۲:

امام ابو یوسف نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا تھا۔

مولانا احمد رضا خان بریلوی اپنے رسالہ **"لادع التعسف عن الامام ابی یوسف"** میں لکھتے ہیں۔ زکوٰۃ کے وجوب سے پہلے اس کو ساقط کرنا جائز نہیں ہے اور یہ طرفین (امام ابو حنیفہ اور امام محمد) کا مذہب ہے۔ اور حیلہ اسقاط زکوٰۃ کے بارے میں امام ابو یوسف نے اپنے سابق قول سے رجوع فرما لیا ہے۔ امامِ دین جب ایک قول سے رجوع فرمائے تو وہ اب اس کا قول نہ رہا نہ اس سے اس پر طعن روا ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جواز

متعہ کے قائل تھے پھر حرمت متعہ کی طرف رجوع فرمایا۔

(فتاوی رضویہ جلد نمبر ۱۰، ص ۱۹۰ تا ۱۹۲)

جواب نمبر ۳:

مولانا مختار علی صاحب اشرف الایضاح اردو شرح نور الایضاح ص ۳۲۷ میں اس عبارت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام محمد اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں اور شیخ حمید الدین ضریری کراہت کو مذہب مختار قرار دیتے ہیں کیونکہ اس صورت میں فقراء کو نقصان پہونچتا ہے اسی پر فتوی ہے۔ طحطاوی میں ہے کہ فرض کو ساقط کرنے کی غرض سے حیلہ کرنا یا بخل کی بناء پر ایسی صورت نکالنا کہ زکوٰۃ واجب نہ ہو بالاجماع مکروہ تحریمی ہے۔ (اشرف الایضاح شرح نور الایضاح ص ۳۲۷)

ناظرین آپ کو ہماری اس وضاحت سے پتہ چل گیا ہوگا کہ فقہ حنفی کا عمل اور فتویٰ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے قول پر ہے۔ امام ابو یوسف کے قول پر نہیں نیز فقہ حنفی میں اس طرح کا حیلہ کرنا بالاجماع مکروہ تحریمی ہے۔

اعتراض کا جواب تو اتنا ہی کافی ہے۔ مگر ہم یہاں پر حیلہ کے متعلق کچھ وضاحت کرتے ہیں جو عوام کو مفید ہو گی اور جو لوگ لفظ حیلہ سے دھوکہ دیتے ہیں ان کی حقیقت بھی واضح ہو جائے گی۔

شرعی حیلہ اور اس کی وضاحت

لفظ "حیلة" واحد اور اس کی جمع "حِیَل" ہے، جیسے کہ "عبرة" کی جمع "عبر" ہے اور "حکمة" کی جمع "حکم" ہے۔ "الحیلة جمع "حِیَل" تصرف کی قوت، ہوشیاری، دور بینی کو کہا جاتا ہے۔ "الحیل" جمع "احیال وحیول" قوت اور "الحیلة" کا معنی ہے:

"القدرة علی التصرف فی الأشغال" "کاموں میں تصرف کی قوت"۔

حیلہ کے جواز کے متعلق علماء احناف کا مذہب یہ ہے کہ ایسا حیلہ کرنا جس کے ذریعے سے آدمی اپنے آپ کو حرام کام یا چیز سے دور رکھے یا اس کے ذریعے سے حلال چیز تک پہنچ جائے تو ایسا کرنا نیک اور اچھا کام ہے اور اس کی اجازت ہے۔ لیکن اس کے برعکس ایسا حیلہ کرنا جس سے کسی دوسرے شخص کا حق دبایا جائے یا حق سے بے حق کیا جائے یا اس میں شبہ پیدا کیا جائے، یا ناجائز اور باطل کام یا مشتبہ چیز کو صحیح اور سچ کرنے کا ذریعہ بنایا جائے تو ایسا حیلہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ عالمگیری میں اس سلسلے میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

''مذهب علمائنا رحمهم الله تعالى أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهي مكروهة وكلّ حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلى حلال فهي حسنة''.

ترجمہ: ''ہمارے علماء (امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب) کا مذہب یہ ہے کہ ہر حیلہ جس کو آدمی اس واسطے کرتا ہے کہ اس سے حق غیر باطل ہو جائے یا اس میں کوئی شبہ پیدا ہو جائے یا بغرض تمویہ باطل کرتا ہے تو وہ مکروہ ہے۔ اور ہر وہ حیلہ جس کو اس غرض سے کرتا ہے کہ حرام سے خلاصی ہو یا اس کے وسیلہ سے حلال تک پہنچ جائے، یعنی حلت حاصل ہو تو یہ جائز ہے۔''

اس قسم کے حیلوں کے جواز کے لیے اصل شرعی یہ فرمان خداوندی ہے:

خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَ لَا تَحْنَثْ

ترجمہ: ''اور پکڑ اپنے ہاتھ میں سینکوں کا مٹھا، پھر اس سے مار اور اپنی قسم میں جھوٹا نہ ہو۔''

مفسرین نے اس آیت کا شان نزول اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام جن دنوں اللہ تعالیٰ کی جانب سے امتحانات میں مبتلا ہو گئے تھے، یعنی وہ جانی اور مالی سخت نقصان میں ڈال دیئے گئے تھے'' تو ایک بار شیطان ایک طبیب کی شکل میں حضرت ایوب

علیہ السلام کی بیوی کو ملا تھا، آپ علیہ السلام کی بیوی نے طبیب سمجھ کر اُس سے علاج کی درخواست کی، اس نے کہا: اس شرط سے کہ اگر ان کو شفا ہو جائے تو یوں کہہ دینا کہ تو نے اس کو شفا دی، میں اور کچھ نذرانہ نہیں چاہتا۔ انہوں نے حضرت ایوب علیہ السلام سے ذکر کیا، انہوں نے فرمایا: بھلی مانس! وہ تو شیطان تھا، میں عہد کرتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو شفا دے دے تو میں تجھ کو سو (۱۰۰) قمچیاں ماروں گا، پس آپ کو سخت رنج پہنچا اس سے کہ میری بیماری کی بدولت شیطان کا یہاں تک حوصلہ بڑھا کہ خاص میری بیوی سے ایسے کلمات کہلوانا چاہتا ہے جو ظاہراً موجب شرک ہیں، گو تاویل سے شرک نہ ہوں۔'' بہر حال حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی پاک دامن اہلیہ سے اس بدگمانی کی بنا پر سو (۱۰۰) چھڑیاں مارنے کی قسم کھائی تھی، مگر حق تعالیٰ چونکہ عالم الغیب ہیں، حقیقت حال سے واقف اور ان کی اہلیہ کو بے قصور جانتے تھے، اس لیے حضرت ایوب علیہ السلام کو قسم میں جھوٹا ہونے سے بچانے اور لوگوں کے سامنے اہلیہ کی بے قصوری ثابت کرنے کے لیے حکم دیا کہ سو (۱۰۰) شاخوں والے گچھے (مثل جھاڑو) سے اپنی اہلیہ کو اس طرح سے ماریں کہ سب ان کے بدن سے لگ جائیں تو وہ قسم میں حانث نہ ہوں گے، چنانچہ اس حکم پر عمل کیا گیا، تمام مشائخ اس بات پر متفق ہیں کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہوا ہے اور یہی صحیح مذہب ہے، جیسا کہ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ:

''و قال بعضهم إن الحكم كان عاما ثم نسخ و الصحيح بقاء الحكم''

ترجمہ: ''اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ حکم عام تھا، پھر منسوخ ہوا اور صحیح یہ ہے کہ اس کا حکم باقی ہے۔''

اور اسے منسوخ کیوں کہا جائے؟ حالانکہ کتاب الحدود، باب الزنا میں ایک انتہائی کمزور شخص کو زنا کی وجہ سے سو کوڑے مارنے کے موقع پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی جیسا حکم فرمایا تھا، چنانچہ ارشاد ہے:

"عن سعيد بن سعد بن عبادة قال كان بين أبياتنا رجل مخدج ضعيف فلم يرع إلا وهو على أمة من إماء الدار يخبث بها فرفع شانه سعد بن عبادة إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: اجلدوه ضرب مأة سوط، قالوا: يا نبي الله هو اضعف من ذلك، لو ضربناه مأة سوط مات، قال: فخذوا له عشكالا فيه مائة شمراخ فاضربوه ضربة واحدة"

ترجمہ: ''حضرت سعید بن سعد بن عبادہؓ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا ہے کہ ہمارے محلے میں ایک شخص فطرتاً انتہائی کمزور تھا اور اس نے ایک عورت سے زنا کرلیا تو حضرت سعد بن عبادہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس واقعے کو بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے سو کوڑے مارو۔ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ بہت ہی کمزور ہے، اگر ہم اس کو سو کوڑے ماریں گے تو وہ اس سے مرجائے گا۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سو قمچیوں کا ایک گچھا باندھ کر ایک بار اُسے ماردو۔''

اب اگر پھر بھی کوئی شخص اس فرمان خداوندی کو کسی دلیل کے بغیر منسوخ ہونے کا قائل ہو جائے، تب بھی ایسی حدیث اس کے جواز اور ثبوت کے لیے کافی ہے۔ بہر حال مذکورہ آیت کریمہ میں درج اس واقعہ سے متعلق چند مسائل واضح ہوئے:

پہلا مسئلہ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کو سو (۱۰۰) قمچیاں مارنے کی قسم کھا لے اور بعد میں سو قمچیاں الگ الگ مارنے کی بجائے تمام قمچیوں کا ایک گٹھا بنا کر ایک ہی مرتبہ ماردے تو اس سے قسم پوری ہو جاتی ہے، اس لیے حضرت ایوب علیہ السلام کو ایسا کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہی امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے، لیکن جیسا کہ علامہ ابن ہمامؒ نے لکھا ہے کہ اس کے لیے دو شرطیں ضروری ہیں: ایک تو یہ کہ اس شخص کے بدن پر ہر قمچی طولاً یا عرضاً ضرور لگ جائے۔ دوسرا یہ کہ اس سے کچھ نہ کچھ تکلیف ضرور ہو، اگر اتنے ہلکے سے قمچیاں بدن کو لگائی

گئیں کہ بالکل تکلیف نہ ہوئی تو قسم پوری ہی نہیں ہوگی۔ فتح القدیر میں درج ہے کہ:

''إذا حلف ليضربنه مائة سوط فجمع مائة سوط وضربه بها مرة لا يحنث لكن بشرط أن يصيب بدنه كلّ سوط منها، وذلك إما أن يكون بأطرافها قائمة أو بأعراضها مبسوطة والإيلام شرط فيه أما عدمه بالكلية فلا.''

ترجمہ: ''اگر کسی نے قسم کھالی کہ میں اسے سو قمچیاں ماروں گا اور پھر سو ۱۰۰ قمچیوں کو جمع کر کے ایک ہی بار مارا تو وہ حانث نہیں ہوگا اس شرط کے ساتھ کہ وہ سو کے سو اس کے بدن کو لگ جائیں، یہ اس وقت ممکن ہے کہ یہ اطراف سے طولاً قائم یا عرضاً باندھے ہوئے ہوں، اس میں بدن کو تکلیف کا پہنچنا شرط ہے، اگر تکلیف کلیۃً معدوم ہو تو پھر حانث ہو جائے گا''۔

دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ کسی نامناسب یا مکروہ بات سے بچنے کے لیے کوئی شرعی حیلہ اختیار کیا جائے تو وہ جائز ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ میں قسم کا اصلی تقاضا یہ ہے کہ آپ علیہ السلام اپنی زوجہ مطہرہ کو پوری سو (۱۰۰) قمچیاں ماریں، لیکن چونکہ ان کی زوجہ مطہرہ بے گناہ تھیں اور انہوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بے مثال خدمت کی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود حضرت ایوب علیہ السلام کو ایک حیلہ کی تلقین فرمائی اور یہ تصریح کر دی کہ اس طرح ان کی قسم نہیں ٹوٹے گی، اس لیے یہ واقعہ حیلہ کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔

تیرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص نامناسب، غلط یا ناجائز فعل کی قسم کھالے تو قسم منعقد ہو جاتی ہے اور اس کے توڑنے پر بھی کفارہ آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اس صورت میں کفارہ نہ آتا تو حضرت ایوب علیہ السلام کو یہ حیلہ تلقین نہ فرمایا جاتا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ کسی نامناسب کام پر قسم کھالی جائے تو شرعی حکم یہ ہے کہ اسے توڑ کر کفارہ ادا کر دیا جائے۔ جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"إذا حلفت على يمين فرأيت غيرها خيرًا منها، فكفر عن يمينك وأت الذى هو خير"

ترجمہ: "جو شخص ایک قسم کھالے، پھر بعد میں اس کی رائے یہ ہو کہ اس قسم کے خلاف عمل کرنا زیادہ بہتر ہے تو اسے چاہیے کہ وہ وہی کام کرے جو بہتر ہو اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے"۔

خلاصہ کلام یہ کہ حیلے اسی وقت جائز ہوتے ہیں جب کہ انہیں شرعی مقاصد کے ابطال کا ذریعہ نہ بنایا جائے اور اگر حیلہ کا مقصد یہ ہو کہ کسی حق دار کا حق باطل کیا جائے یا کسی صریح فعل حرام کو اس کی روح برقرار رکھتے ہوئے اپنے لیے حلال کرلیا جائے تو ایسا حیلہ بالکل ناجائز ہے، مثلاً: زکوٰۃ سے بچنے کے لیے بعض لوگ یہ حیلہ کرتے ہیں کہ سال کے ختم ہونے سے ذرا پہلے اپنا مال بیوی کی ملکیت میں دے دیتے ہیں، پھر کچھ عرصہ کے بعد بیوی اُسے شوہر کی ملکیت میں دے دیتی ہے اور جب اگلا سال ختم ہونے کے قریب ہو تو پھر شوہر وہ مال بیوی کو ہبہ کردیتا ہے، اس طرح کسی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، لہٰذا ایسا کرنا چونکہ مقاصد شرعیہ کو باطل کرنے کی ایک کوشش ہے، اس لیے حرام ہے اور شاید اس کا وبال ترکِ زکوٰۃ کے وبال سے زیادہ بڑھ کر ہو۔ اس سلسلے میں علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ:

"وعندی أن كل حيلة أوجبت إبطال حكمة شرعية لاتقبل كحيلة سقوط الزكاة"

ترجمہ: "اور میرے نزدیک ہر وہ حیلہ جو حکمت شرعیہ کے ابطال کا سبب بنے اُسے قبول نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ سقوط زکوٰۃ کا حیلہ"۔

الحاصل حسن نیت اور صدق دل کے ساتھ حیلوں کے ذریعے اگر یہی بات مقصود ہو کہ اس طرح حرام اور گناہ کے کام سے بچنا ہے یا حلال اور ثواب کام کرنے کا یہ وسیلہ ہو، اور اس

بات کا پورا یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمارے تمام کاموں اور نیتوں سے واقف اور عالم الغیب ہیں تو حیلہ کرنا جائز ہوگا اور اگر بدنیتی کے ساتھ فرائض و واجبات بھی ادا کیے جائیں تو وہ بھی عذاب میں مبتلا کرنے کے ذرائع اور ناجائز ہوں گے، مثلاً نماز جو لوگوں کو دکھانے یا لوگوں کے دلوں میں اپنے آپ کو محترم ثابت کرنے کے لیے ہو تو وہ بھی ناجائز ہوگی۔ **اعاذنا اللہ تعالیٰ وھو المولی الحق المبین.**

مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ تحریر فرماتے ہیں

حیلہ عربی لفظ ہے اس کی تعریف یہ ہے۔

"الحیلة اسم من الاحتیال وھی التی تحول المرء عما یکرھه الی ما یحبه" (کتاب التعریفات ص ۴۲)

یہ خفیہ تدبیر اگر ابطال حق یا اثبات باطل کے لیے ہو تو حرام ہے۔ اگر مقصود احقاق حق اور ابطال باطل ہو تو واجب ہے۔ اگر مکروہ سے بچنے کے لیے حیلہ کرے تو مستحب ہے اگر ترک ممدوح کے لیے حیلہ کرے تو مکروہ ہے۔ الغرض حیلہ کا لفظ جائز ناجائز دونوں پر استعمال ہوتا ہے مگر حرام و حلال کا فرق واضح ہے جیسے سجدہ کا لفظ خدا اور بت دونوں کے سجدہ پر استعمال ہوتا ہے مگر ایمان اور کفر کا فرق واضح ہے۔

ایک اور وضاحت:

احناف کے ہاں جواز اور نفاذ میں تلازم نہیں اس لیے بعض اوقات ایک چیز کا جواز نہ بھی ہو تو نفاذ ہو جاتا ہے جیسے حالت حیض میں طلاق کا جواز نہیں مگر طلاق دے دی تو نفاذ ہو جائے گا، ایک ہی دفعہ تین طلاق کا جواز نہیں، گناہ ہے مگر دینے سے واقع ہو جائیں گی۔ حلالہ کی شرط سے نکاح کرنا گناہ ہے مگر عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی، اس لیے یہ فرق کرنا بھی ضروری ہے کہ فقہ حنفی بعض جگہ صرف نفاذ حکم کی قائل ہے مگر اس کے جواز کا بہتان بھی فقہ پر لگا دیا جاتا ہے۔

قرآن پاک میں دونوں قسم کے حیلوں کا ذکر ہے

"خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَ لَا تَحْنَثْ"

حضرت ایوب علیہ السلام نے حالت ابتلا میں اپنی پاک دامن بیوی کو غصہ سے سو چھڑیاں مارنے کی قسم کھائی تھی۔ اللہ تعالی عالم الغیب والشہادۃ نے حکم دیا کہ اے ایوب قسم میں جھوٹے نہ ہونا، سوشاخیں ایک جگہ باندھ کر اس طرح مارو کہ سب اس کے بدن سے لگ جائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک تدبیر تھی اور ایک ضعیف الخلقہ شخص کو زنا کے سو کوڑے مارنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا حکم فرمایا تھا۔ (لغات الحدیث، ز)

کیا اب قرآن کو بھی حیلے بتانے والا کہو گے؟ اور حرام حیلے کا ذکر بھی قرآن میں ہے کہ اصحاب سبت مچھلیاں پکڑنے کے لیے گڑھے کھودتے تھے۔ جب مچھلیاں ان میں آجاتیں تو پکڑ لیتے، یہ حیلہ حرام ہے۔ حدیث پاک میں بھی دونوں قسم کے حیلوں کا ذکر ہے۔ حضرت بلالؓ نے دو صاع ردی کھجوروں کے بدلے ایک صاع اچھی کھجور لی، یہ سود بنتا ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سود سے بچنے کا حیلہ تعلیم فرمایا کہ اپنی کھجوریں پیسوں سے بیچو پھر اس رقم کی اچھی کھجوریں لے لو اور حرام حیلے کا بھی ذکر ہے بنی اسرائیل پر اونٹ کی چربی کو حرام کیا تھا، انہوں نے چربی پگھلا کر بیچنی شروع کر دی اور قیمت کھا لیتے، یہ حرام ہے اس لیے غیر مقلدین کا فرض ہے وہ ہر حیلہ فقہ کے الفاظ میں لکھ کر اس کے خلاف ایک ایک صریح آیت یا ایک ایک صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش کریں ورنہ ان کو بلاوجہ قرآن وحدیث کے خلاف کہنا، قرآن وحدیث پر جھوٹ ہے اور فقہ ثقہ پر بھی۔ خدا تعالی تمہیں اس جھوٹ سے توبہ کی توفیق دیں۔

معاریض کا بیان:

غیر مقلد امام ابراہیم نخعی کی بعض معاریض پر بھی حیلہ کا لفظ استعمال کر کے عوام کو دھوکا

دیتے ہیں۔ حالانکہ عالمگیری میں صراحت ہے کہ "یجب ان یعلم ان استعمال المعاریض للتحرز عن الکذب" (۶۔۴۲۶)

یعنی یہ جاننا واجب ہے کہ معاریض (توریہ) کا استعمال جھوٹ سے بچنے کے لیے ہوتا ہے۔

علامہ سید شریف فرماتے ہیں کہ توریہ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ایسی بات کرے کہ مخاطب اس کا مطلب اور سمجھے اور متکلم کی مراد اور ہو جیسے لڑائی میں دشمن کے فوجی کو کہے افسوس تمہارا امام مر گیا۔ وہ سمجھے کہ ہمارا کمانڈر مر گیا لیکن اس کی مراد یہ تھی کہ اگلا سپاہی مر گیا۔
(کتاب التعریفات ص ۳۲)

تعریض کا یہ لفظ قرآن پاک سے لیا گیا ہے۔ "لا جناح علیکم فیما عرضتم به من خطبة النساء" (الآیة)

اور ابن عدی نے مرفوعاً حدیث روایت کی ہے کہ ان فی المعاریض مندوحة عن الکذب (اتحاف سادۃ المتقین ص ۵۲۸ ج ۲)

"بے شک معاریض (دو معنی بات) میں جھوٹ سے بچنے کی گنجائش ہے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی۔ ایک بڑھیا سن کر رونے لگی، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑھیا جوان ہو کر جنت میں جائے گی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین دفعہ ایسی دو معنی بات فرمائی کہ آپ کا مطلب اور تھا اور مخاطبین اس کا مطلب اور سمجھے، اسی طرح حضرت صدیق اکبرؓ نے هاد یهدینی ہجرت کی رات فرمایا جس سے صدیق اکبرؓ جنت کا راستہ مراد لے رہے تھے اور مخاطبین جنگل کا راستہ۔ (اتحاف سادۃ المتقین ص ۵۲۸ ج ۲)

تو اسی طرح کسی شدید ضرورت کے موقعہ پر اگر امام ابراہیم نخعی نے ایسی دو معنی بات فرما

دی تو کسی آیت یا کسی حدیث کے خلاف نہیں کیا۔ خدا تعصب کا برا کرے، یہ حق سننے، سمجھنے اور ماننے کی توفیق سلب کر لیتا ہے۔ (ماخوذ مجموعہ رسائل جلد نمبر ۴ مرتب سید مشتاق علی)

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ احناف کے نزدیک حیلہ اس وقت جائز ہے جب کسی منکر یا حرام فعل سے بچنا مقصود ہو۔

اور اگر حیلے کا مقصد کسی کے ثابت شدہ حق کو باطل کرنا یا کسی حرام فعل کو حلال کرنا مقصود ہو تو ایسا حیلہ احناف کے نزدیک بھی ناجائز اور حرام ہے۔

لہٰذا معترض اور اس کی جماعت کا جائز اور ناجائز حیلے میں فرق نہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کتیا کے دودھ اور بکری کے دودھ میں فرق نہ کرے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

النعمان سوشل میڈیا سروسز

کی فخریہ پیشکش

دفاع احناف لائبریری

سینکڑوں کتب کا بیش بہا ذخیرہ

مصنف کی دیگر کتب

۱......حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز
۲......امام ابوحنیفہؒ پر اعتراضات کے جوابات
۳......فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات
۴......حقائق الفقہ بجواب حقیقت الفقہ
۵......آفتاب محمدی بجواب شمع محمدی (۲ جلدیں)
۶......اہلسنت کی تصنیفی خدمات کی ایک جھلک
۷......فتاویٰ عالمگیری پر اعتراضات کے جوابات
۸......ہم اہل سنت والجماعت کیوں ہیں
۹......دلائل احناف (مجموعہ احادیث)
۱۰......بہشتی زیور پر اعتراضات کے جوابات
۱۱......تکبیرات العیدین مع قربانی کے تین دن
۱۲......ننگے سر نماز
۱۳......جرابوں پر مسح
۱۴......مسائل اربعہ (مرد وعورت کی نماز میں فرق)
۱۵......بیس تراویح کا ثبوت
۱۶......فرض نماز کے بعد دعا کا ثبوت
۱۷......مجموعہ وظائف (پنج سورہ شریف)
۱۸......فیضان مصطفیٰ ﷺ (مجموعہ درود شریف)
۱۹......خاص خاص سورتیں اور ان کے فضائل
۲۰......فضائل سادات مع تذکرہ اولیاء سادات
۲۱......مسائلِ قربانی قرآن وسنت کی روشنی میں
۲۲......ہدایہ پر اعتراضات کا علمی جائزہ
۲۳......احادیثِ مصطفیٰ ﷺ اور مسلک احناف
۲۴......سلسلہ چشتیہ، نظامیہ، قدوسیہ، امدادیہ
۲۵......نواسۂ رسول ﷺ سیدنا امام حسینؓ
۲۶......امام مرغینانی
۲۷......شجرہ جاتِ طریقت
۲۸......شجرہ قادریہ
۲۹......حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے روحانی سلسلے
۳۰......تذکرہ علمائے احناف
۳۱......شجرہ طریقت پیر جی سید اشتیاق علی کرنالوی
۳۲......پیر جی کی باتیں
۳۳......رسائل پیر جی
۳۴......مضامین پیر جی